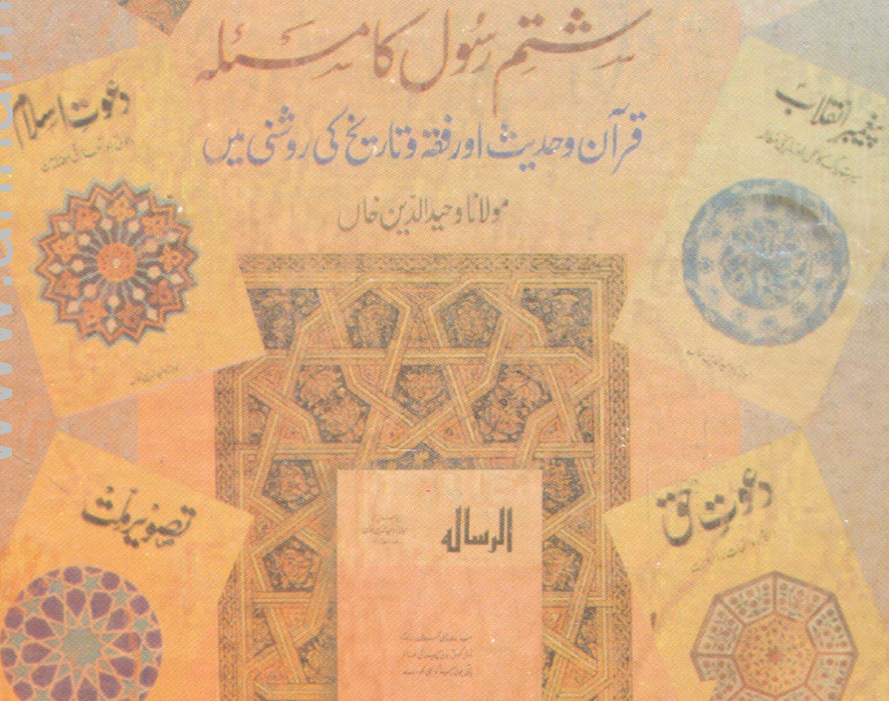
مولانا وحید الدین خاں

اِسلام دشمن شخصیت

متنازعہ بھارتی مصنف وحید الدین خاں کی بدنام زمانہ گستاخِ رسول
"ملعون سلمان رشدی" کے دفاع میں لکھی جانے والی تحریروں کا علمی محاسبہ



ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وحید الدین خاں

اسلام دشمن شخصیت

"وحید الدین خاں کبھی حضور نبی کریم ﷺ کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں، کبھی وہ شان رسالت میں توہین کرنے والے کو "آزادی تحریر و تقریر" اور "حقوق انسانی" کے تحت نظرانداز کر دینے کا فتویٰ سناتے ہیں۔ کبھی وہ صحابہ کرامؓ پر ناروا تنقید و تنقیص کرتے ہیں، کبھی وہ صلاح الدین ایوبیؒ، ٹیپو سلطانؒ اور سید احمد شہیدؒ ایسے مجاہدین اور محسنین ملت کے بارے میں سوقیانہ تحریریں رقم کرتے ہیں، کبھی وہ اورنگ زیب عالمگیرؒ، سید جمال الدین افغانیؒ، سید قطب شہیدؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادے ایسے مجددین و مصلحین اور مفکرین کی دعوتی و اصلاحی جدوجہد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کبھی وہ بھارت میں بابری مسجد کے انہدام اور فرقہ ورانہ فسادات کا ذمہ دار صرف اور صرف مسلمانوں کو ٹھہراتے ہیں، کبھی وہ مولانا محمد علی جوہرؒ، علامہ اقبالؒ، الطاف حسین حالیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور قائداعظم محمد علیؒ جناح ایسے جید راہنماؤں پر تنقید و استہزاء کرتے ہیں۔ کبھی وہ کشمیر، فلسطین، بوسنیا، کوسووو، چیچنیا اور اریٹریا میں مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو ناپسندیدہ اور قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ کبھی وہ دشمنان اسلام راجپال، مرزا قادیانی، سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین وغیرہ کی دل آزار اور اشتعال انگیز تحریروں کے خلاف جدوجہد کو وحشیانہ اور مجنونانہ قرار دیتے ہیں۔ کبھی وہ اجتہاد کے نام پر الحاد پھیلانے کی ناکام سعی کرتے ہیں، کبھی وہ غازی علم الدین شہید ایسے شہیدان ناموس رسالتؐ کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ کبھی وہ اسلام کے درخشندہ ماضی پر نادم اور رنجیدہ نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد کو سازش قرار دیتے ہیں، کبھی وہ تقسیم پاکستان کو غلط قرار دیتے ہیں، کبھی وہ اکھنڈ بھارت کا مژدہ سناتے ہیں، کبھی وہ بال ٹھاکرے، گورو گولوالکر، آر ایس کے اور وشو ہندو پرد۔شد ایسی انتہائی متعصب ہندو لیڈروں اور جماعتوں کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ اسلامی فقہ اور اسلامی علوم کی بنیادی کتابوں کو دریا میں ڈبو دینے کا حکم فرماتے ہیں، کہیں وہ دین اکبری کے خالق اکبر بادشاہ کی اسلام دشمن پالیسیوں اور ملحدانہ رجحانات کے علمبردار اور حمایتی نظر آتے ہیں"۔

وحیدالدین خاں

اسلام دشمن شخصیت

متنازعہ بھارتی مصنف وحیدالدین خاں کی بدنام زمانہ گستاخ رسولؐ ملعون سلمان رشدی کے دفاع میں لکھی جانے والی تحریروں کا علمی محاسبہ

ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

علم و عرفان پبلشرز

9۔ لوئر مال لاہور۔ فون: 7352332

نام کتاب	:	مولانا وحید الدین خاں - اسلام دشمن شخصیت۔
ترتیب و تحقیق	:	محمد متین خالد
ناشر	:	علم و عرفان پبلشرز' لاہور
سن اشاعت	:	دسمبر 1999ء
مطبع	:	نیو نیشنل پرنٹرز' لاہور
قیمت	:	-/200 روپے

ملنے کا پتہ

علم و عرفان پبلشرز

c-7 ماتھر سٹریٹ' لوئر مال لاہور

انتساب

اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ

- جناب ڈاکٹر یٰسین رضوی
- جناب محمد عطاء اللہ صدیقی
- جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ
- جناب صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی
- جناب پروفیسر جمیل احمد عدیل

اور

- جناب حافظ شفیق الرحمن

کے نام

تذکرہ ہے انسانوں کا یہ مور و مگس کی بات نہیں

فہرست

غدار اسلام

منکر جہاد بھارتی نژاد متنازعہ مصنف وحید الدین خاں "چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر" اور "دین ملائی فی سبیل اللہ فساد" کی اعلیٰ مثال ہیں۔ وہ شروع میں ایک عالم دین کے طور پر ابھرے اور پھر بکاؤ مال بن کر اسلام کی اخلاقی اقدار سے انحراف کر گئے۔ یہود و ہنود نے اس دانش فروش کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خودغرضی' لالچ اور شکم پروری نے انہیں عالمی کفر کا متحرک کارندہ بنا دیا۔ اب ان کا بے لگام قلم دلکش لفظوں' عوامی اسلوب اور آسان زبان کی مدد سے شعائر اسلامی کا مذاق اڑاتا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرتا ہے اور اسلامی مقدس شخصیات کا تمسخر اڑاتا ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دنیا بھر کی تمام اسلام دشمن تحریکیں بھاری اخراجات سے انہیں اپنے پروگراموں میں مدعو کرتی ہے' انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے اور پھر میڈیا کے زور پر ان کے موقف کو پوری دنیا میں پھیلا کر اسلام کی تضحیک اور مسلمانوں کی رسوائی کا سامان پیدا کیا جاتا ہے۔

اسلام کے ساتھ ان کا تعلق صرف اتنا ہے کہ بس ان کا نام مسلمانوں جیسا ہے ورنہ ان کی کھوپڑی لات و منات' دل تعصب و عناد اور سینہ حرص و آز کے کینسر کا شکار ہے۔ مسلمانوں کے خلاف سازش ان کی عادت اور شرارت' ان کی فطرت میں خون کی طرح شامل ہے۔ فکر و عمل کے حوالہ سے وہ تمام عمر مخفف رہے۔ "گنگا گئے تو گنگا رام' جمنا گئے تو جمنا داس" ایسی منافقانہ پالیسی پر گامزن ہیں۔ طوائف کا کردار بھی قلم کی عصمت کا سودا کرنے والوں سے بہتر ہوتا ہے۔ افسوس! وحید الدین خاں ایسے ناعاقبت اندیش اس معیار پر بھی پورے نہیں اترتے۔ ان کی تحریریں جو ایک فتنہ کا روپ دھار چکی ہیں' امت مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

مولانا رومؒ نے فرمایا تھا کہ "علم کو اگر مادی مفادات کے حصول کا وسیلہ بنا لیا جائے تو وہ زہریلا سانپ بن جاتا ہے' وحید الدین خاں کے پاس جتنا بھی تھوڑا بہت علمی اثاثہ ہے' اسے انہوں نے مادی مفادات کے حصول کا وسیلہ بنایا ہے۔ اس "سانپ" کے زہر سے ان کے اندر کا بندہ بشر کب کا آنجہانی ہو چکا ہے۔ جہاں کہیں سے بھی شہرت یا لالچ کی تھوڑی بہت خیرات کا شبہ ہو' اس در پر جا کر صدا بلند کرتے ہیں۔

دیکھ اپنی صفوں میں کھڑے رشدی کے مقلد
ابلیس کو ٹھہراتا ہے کیا مورد الزام
نعتیں بھی کہیں یہ دیوی کے بھجن بھی
کس در کے یہ بندے تھے کہاں ہو گئے نیلام

ملعون زمانہ سلمان رشدی اور اس قبیل کے دیگر مسیلمہ کذابوں' راجپالوں اور قادیانیوں کے دفاع میں انہوں نے "شتم رسول کا مسئلہ" نامی کتاب لکھ کر اپنے چہرے پر ایسی کالک اور پھٹکار مل لی ہے جس کو سات سمندروں کا پانی بھی نہیں دھو سکتا۔ اسلام کے طے شدہ مسائل میں التباس اور مغالطے پیدا کرنا ان کی ڈیوٹی ہے لیکن ایسے مجہول شخص کو کون سمجھائے کہ (بقول شخصے) "دین اکبری کے ضابطے' دور اکبری کے ساتھ ہی دفن ہوتے رہے ہیں۔ جس قدر انہوں نے علم و عمل کو بے آبرو کیا ہے' موجودہ دور میں کسی اور کی مثال نہیں ملتی۔ علم کے نام پر گلیم بوذرؓ' دلق اویسؒ اور چادر زہراؓ بیچ کھانے والے اس سومناتی ملا کو معلوم ہونا چاہیے کہ ملا کی اذان اور مجاہد کی اذان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کرگس کا جہاں اور شاہین کا جہاں ایک ہی فضا ہونے کے باوجود الگ تھلگ نہیں ہوتا بلکہ مقاصد بھی جداگانہ ہوتے ہیں"۔

الحذر ایسے انجام سے سو بار الحذر

حال ہی میں حکومت پنجاب نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا احترام کرتے ہوئے اور امن و امان کی صورت حال کے پیش نظر وحید الدین خاں کی اس متنازعہ کتاب "شتم رسول کا مسئلہ" کی اشاعت اور فروخت پر پابندی عائد کرتے ہوئے اس کی تمام کاپیاں فوری طور پر ضبط کر لی ہیں' جس پر پنجاب حکومت بالخصوص محکمہ داخلہ پنجاب خصوصی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اس پابندی کے نوٹیفکیشن کی عکسی نقل کتاب کے آخر میں دی جا رہی

ہے۔ امید ہے پنجاب حکومت کے اس تاریخی فیصلہ کی روشنی میں دیگر صوبے اور بالخصوص وفاقی وزارت داخلہ بھی اس کتاب پر پابندی عائد کر کے مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرے گی۔

وہ تمام ادارے جو لاعلمی کی بنا پر وحید الدین خاں کی کتابیں شائع کر کے معاشرے میں فتنہ پھیلا رہے ہیں' ان سے درخواست ہے کہ وہ اس سے اجتناب کریں اور دنیاوی لالچ کی خاطر اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو کھوکھلا کرنے کی مذموم کوششوں میں فریق نہ بنیں۔

زیر نظر کتاب علماء و دانشوروں کی طرف سے وحید الدین خان کی اسلام دشمنی پر مبنی تحریروں کا محاسبہ ہے۔ امید ہے اس کتاب کے مطالعہ سے محبان اسلام "فتنہ وحید الدین" کو اچھی طرح جان سکیں گے اور اس کی سرکوبی کے سلسلہ میں اپنا فریضہ سرانجام دیں گے۔ امت مسلمہ کی بیداری کی وجہ سے انشاء اللہ "فتنہ وحید الدین" ہر محاذ پر ناکام و نامراد ہو گا۔

اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں مجھے جناب محمد صدیق شاہ بخاری' جناب محمد طاہر رزاق' چوہدری محمد صدیق (آڈٹ آفیسر' سٹیٹ بینک لاہور)' جناب مولانا عزیز الرحمٰن ثانی مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' جناب شبیر احمد خان میواتی' جناب غلام مصطفیٰ چوہدری ایڈووکیٹ' جناب حسن مدنی' جناب محمد نواز کھرل' جناب عمران حسین چوہدری (بریڈفورڈ' برطانیہ)' جناب عین الحق' جناب مولانا نعیم الدین (مکتبہ قاسمیہ لاہور) کا بھرپور تعاون حاصل رہا جس کیلئے میں ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔ ادارہ علم و عرفان کے مہتمم برادر عزیز جناب گل فراز کا خصوصی طور پر ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف بڑی محنت اور محبت کے ساتھ اسے شائع کیا بلکہ اس کی تزئین میں بھی خصوصی دلچسپی لی۔

محمد متین خالد

لاہور

مقدمہ

نصف صدی سے کچھ اوپر ہی ساری عمر طاغوت ابلیس اور داشتہ ابلیس قادیانیت اور گستاخانِ رسول ﷺ کے خلاف اعلیٰ عدالتوں میں مقدمات لڑتے ہوئے گذری۔ توفیقِ الٰہی سے رفقاء کار کے ساتھ ان کے خلاف تیغِ زبان اور گرزِ قلم دونوں کا بے محابا استعمال ہوتا رہا۔ حق و باطل کی اس جنگ میں عزیزِ گرامی محمد متین خالد صاحب جو مستی کردار سے سرشار ہیں' ہر محاذ پر ہمارے ساتھ سرگرم عمل رہے ہیں۔ ایک نئے محاذ پر میرے اعلان جنگ کے ساتھ ہی اپنی جوانی کی بھرپور توانائیوں کے ساتھ فتنہ عصرِ رواں' وحید الدین خاں کے خلاف آمادہ پیکار ہو گئے۔

بھارت کے اس ضمیر فروش قلم کار وحید الدین خاں نے اسلام کے بنیادی عقائد اس کے اعلیٰ اقدار حیات اور اکابرینِ امت پر دشمنانِ دین کی کمین گاہوں سے شبخون مارنے کی کوشش کی ہے۔ اس قرم ساق نے اپنی ایک کتاب "شتم رسول ﷺ کا مسئلہ" میں نام نہاد آزادی افکار اور حقوق انسانی کے حوالہ سے گستاخانِ رسول ﷺ کی احمقانہ حمایت کی ہے۔ اس سے قبل کتاب "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہینِ رسالت" جو شاتمان رسول ﷺ کے خلاف ہمارے مقدمات کے فیصلوں کی روئداد ہے' شائع ہو چکی تھی۔ ہمارے دلائل وحث پر مبنی فیصلوں کے بعد پاکستان میں توہینِ رسالت کی سزا' سزائے موت قرار دی گئی جو موصوف اور ان کے ہم نشینوں کے عقائد پر برق بے اماں بن کر گری۔ اس کے کچھ عرصہ بعد رشدی کا ابلیسی فتنہ اٹھا جس کے خلاف سارا عالم اسلام مشتعل ہو گیا اور رشدی کے خلاف موت کا فتویٰ صادر ہو گیا جس نے سیکولر اور لادینی ذہن کو نزع کے عالم میں گرفتار کر کے اسے قریب المرگ کر دیا۔ اس کو سانحۂ ارتحال سے بچانے کے لیے وحید الدین خان جیسے اس دور کے ننگِ ملت میر جعفر نے دشمنانِ اسلام کو جاہ و منصب کے لالچ میں اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مجھ فقیر بے نوا نے خان موصوف کی کتاب "شتم رسول کا مسئلہ" کے جواب میں "آزادیٔ افکار اور توہینِ رسالت" کا مسودہ کتاب تیار کیا' اس کا کچھ حصہ اخبارات میں شائع ہوا۔ لیکن پاکستان کے جھوٹے مدعیان نبوت اور غیر اسلامی قوانین کے خلاف مقدمات میں مصروفیتوں کی وجہ سے اس کتاب پر نظر ثانی کی فرصت بھی میسر نہ آ سکی۔ اس لیے وہ کتاب اشاعت پذیر نہ ہو سکی۔ اس دوران پاکستان اور ہندوستان کے اہل قلم مفکرین اور علمائے حق نے وحید الدین خان کی اسلام دشمن تحریروں کا ناقدانہ جائزہ لے کر مضامین کا گراں قدر انبار لگا دیا۔ ان مضامین سے

لکھنے والوں میں بڑے بڑے مفکرین، فکر و نظر کے ناقدین کے علاوہ وہ اہلِ قلم بھی ہیں جن کا وحید الدین خان کے خرافات کے خلاف جذباتی پیرایۂ اظہار سے کتاب میں فکر و جذبہ یکجا ہو گئے۔ اس مشکل کام کو عزیزم متین خالد جیسے صنم کدوں میں اذان دینے والے نوجوان ہی سر انجام دے سکتے تھے۔ ان تمام مضامین کو بڑی محنت اور لگن سے مرتب کر کے متین صاحب نے انہیں میرے سپرد کر دیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے لیے مقدمۂ کتاب تیار کروں پھر عدیم الفرصتی آڑے آئی۔ ہمارے سود کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیلیں دائر ہوئیں جو مسلسل کئی ماہ عدالت کے پیچ وخم میں الجھی رہیں۔ اس طویل مصروفیت کے پیشِ نظر میں اپنے کرم فرما سے معذرت کا طلبگار ہوا لیکن خالد صاحب کے مخلصانہ اصرارِ مسلسل پر انکار کا حوصلہ جاتا رہا۔

اس کتاب کی اہمیت اور افادیت سے میں بخوبی واقف تھا اور اس مجموعۂ مضامین کی اشاعت بھی بے حد ضروری تھی۔ اس لیے اس کتاب کی اشاعت پذیری میں جو تاخیر مجھ گنہگار سے ہوئی، اس کے لیے عزیز مکرم سے نہایت شرمسار رہا ہوں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وحید الدین خان کی تحریروں سے جو اسلحہ اسلام دشمن لادینی قوتوں کو فراہم کیا جا رہا تھا، اس کو پوری قوت کے ساتھ نمٹنے کے لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو ہر پہلو سے گمراہ مصنف کے افکارِ پریشان کو ضربِ کلیمانہ سے پیوندِ زمیں کر دے، سو شکرِ ایزد کہ اس کتاب نے نام نہاد مولانا وحید الدین کے طرۂ پُر پیچ و خم کا بھرم کھول دیا ہے صرف ایک ضربِ لاالہ سے! اگر اس کتاب کے تمام عنوان ہی ایک دفعہ غور سے دیکھ لیے جائیں تو وہ بھی مولانا کے خدوخال نمایاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ہر مضمون اپنی افادیت کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ اس لیے کس کس کے بارے میں اظہارِ خیال کیا جائے۔ سارے مضامین ہی اس لائق ہیں کہ ان سب کو پڑھا جائے جس سے مولانا موصوف کا اصلی چہرہ بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ تمام صاحبانِ مضمون اور مولفِ کتاب جناب محمد متین خالد ملت اسلامیہ کی جانب سے مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے دین و ملت کے خلاف سازش کے فتنہ کی سرکوبی کے لیے بروقت دانشمندانہ اقدام کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس دینی کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان صاحبانِ عزم و ہمت کو مزید طاقت و استقامت عطا فرمائے۔ آمین

محمد اسماعیل قریشی

سینئر ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ

لاہور

فتنہ وحید الدین خانؒ قادیانی سوچ کا تسلسل

علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ دین اسلام کے ماخذ قرآن و سنت اور فقہ و اجماع ہیں مگر اس امر کو اگر ایک دوسرے زاویئے سے دیکھا جائے تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ دین مبین کا ایک ہی ماخذ ہے اور وہ ماخذ ہے محمد رسول اللہ (ﷺ)۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس جو بھی حقائق، عقائد، اصول، نصائح، احکام و اقدار ہیں، ان کا منبع یہی ذات اقدس ہے۔ مسلمانوں کے پاس زندگی کا جو ایک مخصوص، مکمل اور ہمہ گیر تصور ہے، وہ بھی اسی ہستی کا عطا کردہ ہے۔ مسلمانوں کے پاس آج غور و خوض، فکر و تدبر، سوچ وچار، تحلیل و تجزیہ، استنباط و استقرا اور تطبیق و تجربے کے جو بھی اسلوب اور طریقے ہیں، وہ بھی اسی ذات والا صفات سے ماخوذ ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں تہذیب و تربیت، تعلیم و تمدن کے جتنے بھی پہلو ہیں، وہ بھی سب محمد رسول اللہ (ﷺ) کے مرہون منت ہیں۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) سے مسلمانوں کا یہی وہ ہمہ گیر تعلق ہے جس کی بناء پر ہر وہ تحریک، ہر وہ گروہ اور ہر وہ شخص جو مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا آرزو مند ہو، وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے اسی اساسی تعلق پہ حملہ آور ہوتا ہے۔ چودہ صدیوں کی تاریخ اٹھا کے دیکھئے، آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ مسلمانوں کے درپے آزار ہر تحریک، جماعت اور شخصیت کے درمیان یہ امر مشترک ضرور موجود ہے۔

1926ء کا سال برصغیر کی تاریخ میں اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ ہندو قوم اس سال تحریر کے راستے سے مسلمانوں کے اس تعلق پہ حملہ آور ہوئی۔ سوامی شردھانند نے رنگیلا رسول (معاذ اللہ) نامی دل آزار کتاب لکھی۔ ایک مسلمان نوجوان نے جسے تاریخ غازی

علم دین شہید کے نام سے جانتی ہے، اس بدبخت کو قتل کر دیا اور خود خوشی تختہ دار پر جھول گیا۔ غازی علم دین شہید کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ بن گیا یہاں تک کہ علامہ اقبالؒ جیسا فہیم و فطین دانشور اپنی حسرت کو ان الفاظ میں ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا ......

"اسیں تے گلاں ای کردے رہ گئے ...... ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا"

مگر دوسری طرف اس وقت قادیانی گروہ کا سردار مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان، غازی علم دین کے اس مبارک عمل پہ ان الفاظ میں طنزیہ تبصرہ کر رہا تھا۔

"انبیاء کی عزت کی حفاظت قانون شکنی کے ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ وہ نبی بھی کیا نبی ہے جس کی عزت کو بچانے کے لئے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں۔ جس کے بچانے کے لئے اپنا دین تباہ کرنا پڑے۔ یہ سمجھنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لئے قتل کرنا جائز ہے، سخت نادانی ہے۔ وہ لوگ (غازی علم دین شہید) جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جو ان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔ میرے نزدیک تو اگر یہی شخص (راج پال کا) قاتل ہے جو گرفتار ہوا ہے تو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کے پاس جاوے اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں اب ملے گی ہی، لیکن قبل اس کے کہ وہ ملے تمہیں چاہئے خدا سے صلح کر لو۔ اس کی خیر خواہی اسی میں ہے اسے بتایا جائے کہ تم سے غلطی ہوئی ہے"۔

(خطبہ جمعہ، مرزا محمود احمد، مندرجہ اخبار الفضل قادیان، جلد 16، نمبر 82 ص 7-8، مورخہ 19 اپریل 1929ء)

مرزا محمود کے اس بیان کو پڑھئے اور پھر وحید الدین خاں کے اس بیان پہ نظر ڈالئے:

"ہوا یہ کہ ملک کی تاریخ میں اس (شردھانند) کو شہید کا مقام دیا گیا۔ حقیقت میں اس قسم کے کسی عمل کو ناموس رسولؐ کے نام پر بے فائدہ جان دینا تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کو ناموس رسولؐ کی حفاظت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ قربانی نہیں نادانی ہے

جس کا تعلق نہ عقل سے ہے نہ اسلام سے"۔

اگرچہ ان دونوں بیانات کے درمیان کم و بیش ستر برس کا فاصلہ حائل ہے مگر بنظر غائر دیکھیں تو وحید الدین خاں کا یہ بیان مرزا محمود کے بیان کا ہی جدید ایڈیشن معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ الفاظ کے معمولی سے تغیر و تبدل کے ساتھ اسی کا چربہ ہے اور اسی راگ کو دوبارہ الاپا گیا ہے۔

میں نے جب وحید الدین خاں کی کتاب "شتم رسول کا مسئلہ" کا مطالعہ کیا تو مجھے بار بار اس کی سوچ و فکر کے ڈانڈے قادیانیت سے ملتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس لئے میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وحید الدین خاں کی آواز قادیانی سوچ و فکر کا ہی اک نیا تسلسل ہے۔

وحید الدین خان کی پوری کتاب ایک ہی استدلال کے گرد مختلف انداز سے چکر کاٹتی نظر آتی ہے اور وہ استدلال یہ ہے کہ مسلمان ایک داعی قوم ہے، مسلمانوں کا فرض منصبی دعوت ہے۔ اس قسم کے جذباتی مظاہر سے دعوت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے کہ مسلمان ایک داعی قوم ہے اور اس کا فرض منصبی واقعتاً دعوت ہی ہے مگر اس سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایک داعی انسان بے غیرت، بے حمیت، بزدل و کمزور بھی ہوتا ہے۔ دعوت اور بزدلی، دعوت اور بے غیرتی، دعوت اور بے حمیتی، دعوت اور مدافعت کے درمیان آخر کون سی قدر مشترک ہے؟ نبیؐ کے بعد صحابہ کرامؓ سے بڑے داعی آج تک پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن تاریخ باوجود پوری کوشش کے صحابہ کرامؓ کو بزدل، کمزور اور مدافعت پسند ثابت کرنے سے معذور ہے۔ صحابہؓ کے اندر دعوت و تبلیغ کی شان بھی پورے جمال کے ساتھ نمایاں ہے تو ان کے اندر غیرت و حمیت، شجاعت و استقلال کا رنگ بھی پورے جلال کے ساتھ روشن ہے۔ کہیں سے بھی اس امر کا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا کہ انہوں نے اپنی دعوت پہنچانے کے لئے اپنے اصول و قوانین اور اپنی اساس یعنی محبتِ رسولؐ کو قربان کر ڈالا ہو اور وہ کرتے بھی کیوں جبکہ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ نبی ﷺ نے اس قسم کی مصالحت کے جواب میں یہ واضح ارشاد فرما دیا تھا کہ "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور

دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیا جائے تو میں اپنی بات کہنے سے باز نہ آؤں گا الا یہ کہ یا میری جان چلی جائے یا یہ لوگ میری بات مان لیں"۔ دعوت کو بے حمیتی اور بے غیرتی کے رنگ میں پیش کرنا وحید الدین کا ہی خاصہ ہے۔ وحید الدین خاں پہ تو دعوت کے رموز و اسرار آج نمایاں ہونے لگے ہیں مگر پچھلے ساٹھ ستر برس سے تبلیغی جماعت پورے عالم میں دعوت کا کام کر رہی ہے۔ مگر اس جماعت کے بانی یا اکابر کی طرف سے کبھی کوئی ایک اشارہ تک نہیں ملتا کہ دعوت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان نبی ﷺ کی توہین کو خاموشی سے برداشت کرتے چلے جائیں۔ اس طرز استدلال کی بنیاد قادیانیت نے اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر رکھی تھی اور وہ ہی ایک صدی سے اس کی آبیاری کر رہے ہیں کیونکہ اس استدلال کے پھیلاؤ سے ان کے لئے اپنا کام کرنا انتہائی سہل ہو جاتا ہے مگر قادیانیت کی تاریخ سے واقف حضرات خوب جانتے ہیں کہ ان کا یہ استدلال بھی صرف آقائے دو عالم ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ہی مخصوص ہے ورنہ ان کے خلیفوں کے بارے میں زبان کھولنے والے باہمت قادیانی بھی ان کے بدترین ظلم و جبر اور تشدد کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کے معاشی و سماجی بائیکاٹ سے لے کر قتل تک سارے ہتھکنڈے اور حربے استعمال کئے گئے۔ جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے ان کے "حضرت صاحب" کی مالی و جنسی بدعنوانیوں سے پردہ اٹھانے کی جرات کی تھی۔ بے شمار سابق قادیانی ایسی داستانیں سنانے کے لئے آج بھی موجود ہیں اور عزیزی محمد متین خالد کی کتاب "قادیانیت سے اسلام تک" میں بھی ایسی بہت سی شہادتیں محفوظ و مرقوم ہیں۔

بزعم خود دعوت کے رموز و اسرار کے ماہر وحید الدین خاں اپنی کتاب میں مگر دعوتی انداز اختیار کرنے سے عاری نظر آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو "احمق" "نالائق" "نادان" اور "بے عقل" کہنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے اور مسلمانوں کی محبت رسولؐ کے مظہر کو "لغو"، "فضول"، "شور و غل" اور "چیخ و پکار" کہنے سے بھی نہیں جھجکتے اور اس سب کے ساتھ خود کو دعوت کا امام و قائد ثابت کرتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔ یہ تضاد انہی کی ذات کا خاصہ ہے اور یقیناً انہیں ہی زیب دیتا ہے۔

وحید الدین خاں کی فکر سے متفق حضرات اگر واقعتاً علمی تحقیق میں مخلص اور غیر جانبدار ہیں تو ان کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بھی یقیناً علم کے نئے پہلو روشن کرنے کا باعث بنے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر یہ حضرات علامہ ابن تیمیہ کی کتاب ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول“ علامہ تقی الدین سبکی کی کتاب ”السیف المسلول علی من سب الرسول“ علامہ زین العابدین ابن شامی کی ”تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام“ اور علامہ ابن الطلاع اندلسی کی تالیف ”اقضیۃ الرسول“ کا بالاستیعاب مطالعہ فرمالیں تو شاید وحید الدین خاں کی روشن جہالت ان پر منکشف ہونے میں دیر نہ لگے اور ان سب سے بڑھ کر صحابہ کرامؓ کی سیرت کا بنظر غائر مطالعہ تو یقیناً ان کے تمام شکوک و شبہات دور کردے گا۔ صحابہؓ تو نبیؐ کی عزت و ناموس اور حرمت کے بارے میں سگے باپ کی زبان سے اتنا سننے کے بھی روادار نہ تھے کہ ”مدینہ جاکر ہم عزت والے ان ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے“ اور جب تک باپ کی زبان سے یہ کہلوا نہ لیا کہ یقیناً میں ذلیل ہوں اور محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی عزت والے ہیں تو اس کو مدینہ داخل نہ ہونے دیا۔ یہ جاننے کے بعد بھلا کون مسلمان ایسا ہوگا جو نبی ﷺ کی حرمت و ناموس کے بارے میں اپنے جذبات واحساسات کو وحید الدینی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھائے گا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اسے اس حدیث کی رو سے اپنا ایمان جاتا ہوا محسوس ہوگا کہ جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

○ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (صحیحین بہ روایت حضرت انسؓ)

”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے مجھ سے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) ماں باپ، اولاد اور باقی سب اشخاص سے بڑھ کر محبت نہ ہو۔“

○ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ

”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے اہل و عیال اور مال سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔“

اور جب ان احادیث کے پس منظر میں اسے قرآن مجید کی آیات بھی روشنی پھیلاتی ہوئی نظر آئیں گی تو پھر یقیناً وہ اسی رد عمل کا اظہار کرے گا جو رشدی کے مسئلہ پر اہل ایمان نے کیا تھا۔

کچھ دانشوروں کے اس استدلال نے بھی مجھے حیرت و استعجاب کی وادی میں دھکیل دیا کہ جو کہتے ہیں کہ رشدی کی بکواسات اور ہفوات پر حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے اس سے قبل رشدی سے کئی گنا بڑھ کر ایسی ہفوات بعض صوفیاء کی کتب میں موجود ہیں۔ جب مسلمان ان کو برداشت کرتے ہیں تو رشدی کو آخر کیوں نہیں کرتے؟ ہم ایسے استدلال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ صوفیا کی فلسفیانہ باتوں اور ان کی شطحیات کی اکابر علماء مختلف تشریحات کر چکے ہیں۔ لیکن صوفیاء کی تحریروں میں یہ کہاں ملتا ہے کہ انہوں نے نعوذباللہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو طوائف (نقل کفر کفر نباشد) کہا ہو یا آقا ﷺ کے گھر کو قحبہ خانہ کہا ہو۔ رشدی کے دفاع میں یہ دانشور کہاں تک جاسکتے ہیں اس کی یہ معمولی سی مثال ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں محبت رسول ﷺ کے اسی معیار پر قائم و دائم رکھے جس پر صحابہ نے اپنی جانیں نچھاور کردیں۔ محبت رسولؐ کے وحید الدینی معیار اور دعوت دین کے وحید الدینی اصول سے اپنی پناہ میں رکھے۔

عزیزی محمد متین خالد اپنی اس کاوش کے لئے یقیناً قابل ستائش ہیں۔ اللہ ان کے ایمان و اعمال میں ترقی نصیب فرمائے۔ یہ ایک فرض کفایہ تھا جو انہوں نے پوری امت کی طرف سے ادا کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سے سادہ لوح بھٹکنے سے بچ جائیں اور بہت سے مخلص محققین اپنے استدلال سے رجوع کرلیں۔ **وما توفیقی الا باللہ**

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ

نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

شتم رسول ﷺ کا مسئلہ

محمد عطاء الله صدیقی

دشمنان اسلام کی آنکھوں میں مسلسل کھٹکنے والے جناب محمد عطاالله صدیقی کا شمار ملک کے جید دانشوروں میں ہوتاہے. ان کی تحریریں اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی محافظ ہوتی ہیں. وہ بے پناہ مطالعہ اور مشاہدہ کے مالک ہیں. غیر ملکی بالخصوص مغربی لٹریچر پر ان کی گھری نظر ہے بلکہ گرفت ہے. وہ "تحفظ ناموس رسالت ﷺ" کے حساس موضوع پر ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں. ان دنوں "قانون توہین رسالت ﷺ" میں تبدیلی...... محرکات و مضمرات" کے عنوان سے ایک تحقیقی اور تاریخی کتاب لکھ رہے ہیں جو عنقریب شائع ہو رہی ہے. زیر نظر مضمون (جونامکمل ہے) ان کی اس غیر مطبوعہ کتاب کا حصہ ہے جو انہوں نے پرزور اصرار پر کمال محبت فرماتے ہوئے اشاعت کے لیے عنایت فرمایا. میں اس مہربانی پر ان کا ذاتی طور پر شکر گزار ہوں. (مرتب)

گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران آفتابِ رسالتؐ جہاں تاب پر تھوکنے کی کوشش میں ذلت و نکبت سے دوچار ہونے والی بدبخت انسانی تھوتھنیوں میں ملعون سلمان رشدی کی تھوتھنی سے زیادہ مکروہ اور ذلیل تھوتھنی کرۂ ارض کے سینے پر مشاہدے میں نہیں آئی۔ رشدی ملعون کی ہفواتی تھوتھنی اس اعتبار سے بھی منفرد ہے کہ اس پر، اگرچہ نام کی حد تک سہی مگر، اسلام کا ظاہری "لیبل" چپکا ہوا ہے۔ اس سے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف رذالت کی آخری حدوں تک کینہ و بغض کا شکار مسیحی جنونی پادری زبان درازیاں کرتے رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دور میں شام و فلسطین میں فیصلہ کن شکست کھانے کے بعد بازنطینی مسیحی ریاست کے جنونی پادری پیغمبر اسلامؐ کے خلاف اہانت آمیز کتابیں لکھنا شروع ہوگئے تھے۔ مگر صلیبی جنگوں، جو تقریباً پونے دو سو سال کے عرصہ پر محیط ہیں، کے دوران جب یورپ کی مسیحی اقوام کا مشرقِ وسطیٰ کی اسلامی ریاست سے طویل براہِ راست تصادم ہوا۔ اس دوران میں مسیحی جنونی پادریوں نے اپنے قلب کی

سیاہیوں کو صفحۂ قرطاس پر یوں انڈیلنا شروع کیا کہ یہ سیاہی قیامت تک ان کے چہروں پر لعنت کا نشان بن کر چمکتی رہے گی۔ ان کی ظلمت مآب تحریروں سے آفتابِ رسالتؐ کی نورانی کرنوں میں کمی کی بجائے، بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ کائنات ابد سے ازل تک اس نورِ رسالتؐ کی ضیاپاشیوں کی ممنونِ کرم رہے گی۔

۱۹۸۹ء میں جب ملعون سلمان رشدی کی تیسری کتاب "Satanic Verses" (شیطانی آیات) منظر عام پر آئی تو اس نے شمع رسالتؐ کے پروانوں کو تلملا کر رکھ دیا۔ پاکستان میں مولانا کوثر نیازی، خدا ان پر رحمت کرے، نے غالباً سب سے پہلے اس اہانت آمیز کتاب کے خلاف مؤثر آواز اٹھائی تھی۔ انہوں نے اپنے ایک اخباری بیان میں اس کتاب کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ انہی دنوں ایک دفعہ راقم الحروف جناب جسٹس تقی الدین پال صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ پال صاحب ان دنوں حکومت پنجاب کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ایڈیشنل سیکرٹری تھے۔ وہ خلاف معمول دِل گرفتہ اور رنجور تھے۔ انہوں نے راقم کو مولانا کوثر نیازی کا مضمون پڑھنے کو دیا جو غالباً "جنگ" میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں نیازی صاحب نے "شیطانی ہفوات" کی شر انگیزی کو بے نقاب کیا تھا۔ مضمون کو پڑھنا تھا کہ راقم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے تقی الدین پال صاحب سے گذارش کی وہ مجھے "شیطانی ہفوات" جہاں سے بھی ہو سکے مہیا کریں چونکہ میں جب تک اس کے خلاف نہیں لکھوں گا، چین نہیں پاؤں گا۔ انہوں نے مجھے سپیشل برانچ پنجاب کے اس وقت کے DIG جناب تنویر احمد صاحب کے پاس بھیجا۔ سپیشل برانچ نے اپنے ذرائع سے اس کتاب کو حاصل کیا تھا کیونکہ اس وقت یہ کتاب پاکستان میں تقریباً ناپید تھی۔ تنویر صاحب سے "شیطانی ہفوات" لینے کے بعد جب میں تقی الدین پال صاحب کے پاس واپس آیا تو انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ اس کو پڑھوں اور اس کے قابل اعتراض حصوں کی نشاندہی کروں تاکہ اس مواد کی بنیاد پر حکومتِ پنجاب اس کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کر دے۔ یہ یاد رہے کہ ابھی تک حکومتِ پاکستان نے ملعون رشدی کی اس کتاب پر پابندی عائد نہیں کی تھی۔

راقم الحروف نے طبیعت پر انتہائی جبر کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔ ہر اگلی سطر جسم و جان کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ میں جب اس کتاب کو پڑھ رہا تھا،

خدائے پاک سے پناہ بھی طلب کر رہا تھا کہ وہ مجھے معاف کریں کہ میری زبان اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کے خلاف لکھے گئے ان توہین آمیز الفاظ کو دہرا رہی تھی جو ملعون رشدی کے بد بخت قلم سے نکلے تھے۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ میں اس کتاب کا ایک پیراگراف پڑھتا اور پھر شدید بے کلی کا شکار ہو کر کمرے سے باہر نکل کر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ اس طرح تمام رات میں اضطراب کے شدید دھچکوں سے گزرتا رہا اور میری کیفیت یہ تھی کہ اگر ملعون رشدی سامنے آجاتا تو میں اس کے ناپاک جسم کو گولیوں سے اس قدر چھلنی کر دیتا کہ اس کا وجود ہزاروں لوتھڑوں میں تقسیم ہو کر زمین پر بکھر جاتا۔ میرا ذہن تیز انگاروں پر رکھی ہانڈی کی طرح اُبل رہا تھا۔ اسی طرح توبہ واستغفار کرتے کرتے میں نے صبح ہونے تک اس ہفواتی بکواس کے متعدد پیراگراف کو نشان زد کر لیا تھا اور ان کو ترتیب دے کر ایک نوٹ کی صورت میں اپنی رائے کے ساتھ تحریر کر لیا تھا۔ دوسرے دن میں نے اپنی تحریری رائے جناب تقی الدین پال صاحب، خدا انہیں غریق رحمت کرے، کے حوالے کر دی۔ ایک دو روز بعد اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ حکومتِ پنجاب نے شاتم رسول سلمان رشدی کی کتاب ”شیطانی آیات“ پر مکمل پابندی عائد کر دی ہے۔ اس کے چند دن بعد حکومت پاکستان نے بھی پابندی کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔ یہ تحریری نوٹ لکھنے کے بعد بھی میرا دل اطمینان کا شکار نہ ہوا۔ میں نے ایک بے حد جذبات میں رندھا ہوا مضمون قلمبند کیا جو بعد میں ان دنوں ”نوائے وقت“ میں شائع ہوا۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم نے شمع رسالتؐ کے پروانوں کو جمع کر کے امریکی سفارت خانے پر دھاوا بول دیا تھا اور اس جلوس پر اس وقت کی حکومت نے فائرنگ کرائی جس کے نتیجے میں سات نوجوان غازی علم الدینؒ جنت مکانی کی صف میں شامل ہونے کا اعزاز پا گئے۔ آج وہ تینوں شخصیات یعنی مولانا کوثر نیازی، تنویر احمد صاحب اور میرے محسن جناب تقی الدین پال صاحب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ کیا بعید ہے کہ محسن انسانیتؐ کے یہ ادنیٰ غلام ناموسِ رسالت مآب کے تحفظ میں اپنا حصہ ڈالنے کی وجہ سے خداوندِ قدوس کی رحمت بے پایاں کے مستحق ٹھہرائے گئے ہوں اور ان کی روحیں عالم برزخ میں بہار آفریں فضاؤں میں رہ رہی ہوں۔

آج پورے دس برس کے بعد میں ملعون رشدی کا ذکر لئے بیٹھا ہوں تو اس کی وجہ اس کی ”شیطانی ہفوات“ کا مطالعہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو پڑھنے کے بعد جب تک میں نے اسے جلا نہیں دیا تھا میرے قلب نے چین نہیں پکڑا تھا۔ ایک ہی کمرے میں ”شیطانی ہفوات“ اور اس خاکپائے دربار رسالت کا قیام ناممکن تھا۔ ان سطور کا محرک بھارت کے نامور عالم دین مولانا وحید الدین خان

کی کتاب ''شتم رسول کا مسئلہ'' ہے۔ جس میں انہوں نے سلمان رشدی کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی مذمت کی ہے۔ رشدی ملعون تو ایک لادین، خدا کا منکر اور یہودیوں کا ایجنٹ ہے جس نے ناول کے پیرائے میں مذکورہ کتاب لکھ کر کروڑوں روپے بنائے ہیں۔ مگر مولانا وحید الدین خان، وہ تو اپنے آپ کو اسلام کا مبلغ اور داعی کہتے ہیں، ان کی طرف سے سلمان رشدی کی بجائے اس کے ناقدین کو تنقید کا نشانہ بنانا ایک ایسا پریشان کن تجربہ ہے کہ جس نے ایک دفعہ دس برس پہلے والی میری اضطرابی کیفیت کے زخموں کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ میں سوچتا ہوں ۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

مولانا وحید الدین خان سے میں پہلی دفعہ ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ متعارف ہوا۔ میرے ایک استادِ محترم پروفیسر عبدالرؤف صاحب نے مجھے مولانا وحید الدین خان کی کتاب ''تعبیر کی غلطی'' پڑھنے کو دی۔ پروفیسر صاحب کا مقصد مجھے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر پر ان کے ہی ایک سابقہ رفیق کی طرف سے کی جانے والی ''علمی تنقید'' سے مجھے آگاہ کرنا تھا۔ میں نے بے حد غور سے اس کتاب کو پڑھا۔ مولانا وحید الدین خان کے استدلال نے مجھے متاثر نہ کیا۔ میرے خیال میں اس کتاب کا نام ''تنقید کی غلطی'' ہونا چاہیئے تھا۔ مولانا وحید الدین خان نے اپنے خلاف لکھے جانے والے مولانا مودودیؒ کے جو خطوط اس کتاب میں شامل کیئے تھے، الشاان کا وزن میں نے محسوس کیا۔ میں نے پروفیسر عبدالرؤف صاحب کو کتاب واپس کر دی لیکن ان کے احترام کی وجہ سے اپنی رائے کو محفوظ رکھا۔

گذشتہ اٹھارہ برسوں میں کبھی کبھار مولانا وحید الدین خان کی کوئی کتاب یا رسالہ ہاتھ لگتا تو میں اس کو پڑھ لیتا۔ مولانا وحید الدین خان کے ''مقالات'' پر مشتمل ایک کتاب چند سال پہلے میری نگاہ سے گزری، جو کافی حد تک متاثر کن تھی۔ مگر ان کی فکر کے ''جوہر'' نے کبھی بھی متاثر نہ کیا۔ گذشتہ کئی برسوں سے ''تذکیر'' کا بڑا چرچا رہا ہے۔ پاکستان میں گذشتہ کئی برسوں سے وحید الدین خان صاحب کی فکر سے متاثر کوئی صاحب ان کے الرسالہ کو محض تذکیر کا نام دے کر شائع کر رہے ہیں۔ اس کے متعدد شمارے بھی راقم کی نگاہ سے گذرے ہیں۔ جہادِ کشمیر کے متعلق مولانا وحید الدین خان کی رائے پڑھ کر بے حد دکھ ہوا۔ اور پھر حال ہی میں میرے کرم فرما زاہد سلیمان صاحب نے کتاب ''شتم رسول کا مسئلہ''

مجھے مطالعہ کے لئے دی۔ اس کتاب نے ایک دفعہ پھر میرے ذہن میں ہلچل برپا کردی ہے۔ میں بڑے دنوں سے مولانا وحید الدین خان جیسے ایک نامور مبلغ اسلام کی طرف سے سلمان رشدی کی بالواسطہ حمایت میں لکھی گئی اس دل آزار کتاب کی کوئی تاویل اور کوئی قابل قبول محرک تلاش کرنے میں سرگرداں رہا ہوں اور وحید الدین خان صاحب کے لئے بھی کوئی مناسب ترکیب سوچتا رہا ہوں بالآخر ان کے لئے "وکیل شاتم رسول" کی اصطلاح ذہن میں آئی ہے۔ مولانا صاحب کی مذکورہ کتاب کے مطالعہ کے بعد میرے خیال میں مولانا وحید الدین خان کا نام "ہدام الدین خان" ہونا چاہیئے۔

ملعون رشدی کے "ناول" کا عنوان "شیطانی آیات" در حقیقت قرآن مجید کے لئے استعارہ ہے (نعوذ باللہ) قرآن مجید تو مقدس ترین الہامی کتاب ہے۔ البتہ ملعون رشدی کا ناول اسم با مسمّٰی ہے یہ در حقیقت "شیطانی ہفوات" ہے۔ ایسی بکواس ایسے ملعون کی طرف سے ہی لکھی جا سکتی تھی جو اب شیطانِ مجسم بن کر جیتے جی لعنت مآب اور نمونۂ عبرت بن چکا ہے اور موت کے بعد جہنم واصل ہو کر کائنات کی ہر جاندار مخلوق کی طرف سے قیامت تک لعنت کا مستحق ٹھہرے گا۔ ملعون رشدی نے "شیطانی ہفوات" میں وجہ کائنات، فخر موجودات، سرورِ کونینؐ، اربوں مسلمانوں کے دلوں کے سرور اور آنکھوں کے نور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق جو الفاظ تحریر کئے ہیں، بہت سے لکھنے والوں نے ان کی نشاندہی کی ہے اور "نقل کفر کفر نہ باشد" کے مصداق انہوں نے امتِ مسلمہ کو آگاہ کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ان ہفواتی کلمات کو دھرانا شدید ذہنی کرب اور اذیت سے کم نہیں ہے۔ میرے مضمون کا اصل موضوع بھی "وکیل شاتم رسول" ہے نہ کہ ملعون شاتم رسول رشدی

درج ذیل سطور میں مولانا وحید الدین خان کی مذکورہ کتاب سے چند اقتباسات نقل کرنے کے بعد ان کی فکر کی ظلمتوں کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا موصوف کی در فنطنی ملاحظہ فرمایئے:

"شتم رسول کا مسئلہ" کے آغاز کلام "میں لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانہ کے مسلمان نہ صرف یہ کہ دعوت کا کام نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ مسلسل دعوت کو قتل کرنے میں مشغول ہیں۔ دوسری قوموں کو سیاسی حریف سمجھنا، ان کے مقابلہ میں احتجاجی اور مطالباتی مہم چلانا، ایسے جھگڑے کرنا جس کے نتیجہ میں داعی اور مدعو کے

درمیان تعلقات خراب ہو جائیں۔ وہ دعوت و نصیحت کے قائل ہیں۔ مگر ساری دنیا کے مسلمان ہر روز انہی دعوت کش سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اصاغر تو درکنار ان کے اکابر بھی سوچ نہیں پاتے کہ وہ ایسا کر کے اپنے خلاف خدا کے غضب کو بھڑکا رہے ہیں۔

انہیں دعوت کش سرگرمیوں میں سے ایک سرگرمی وہ ہے جو "شتم رسول" کے خلاف مسلمان ہر جگہ جاری کیے ہوئے ہیں۔ اور جس کا ایک نمایاں مظاہرہ سلمان رشدی کی کتاب (شیطانی آیات) کی اشاعت کے بعد ۱۹۸۹ء میں سامنے آیا ہے۔ اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے اصاغر و اکابر کے درمیان اس لئے جاری رہا کہ دعوتی شعور سے محرومی کی بنا پر انہوں نے وہ کسوٹی کھودی تھی جس پر جانچ کر وہ معلوم کر سکیں کہ کونسی روش اسلام کے مطابق ہے اور کونسی روش اسلام کے مطابق نہیں۔

...... مسلمانوں کے اس داعیانہ منصب کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ہرگز کسی ایسی سرگرمی میں مبتلا نہ ہوں جو دعوت کے مزاج کے خلاف ہو، یا دعوت کے امکانات کو برباد کرنے والی ہو۔ اگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا تو یقینی طور پر وہ خدا کے یہاں مجرم قرار پائیں گے خواہ انہوں نے اپنے دعوت کش جلوس کا نام شوکتِ اسلام جلوس رکھ لیا ہو اور خواہ اس کی اعانت کے لئے تمام اعاظم و اکابر اکٹھے ہو گئے ہوں۔

موجودہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اگر ذرا بھی ان کے خلافِ مزاج بات کرے تو وہ فوراً مشتعل ہو کر اس سے لڑنے لگتے ہیں۔...... ناگوار باتوں پر مشتعل ہو جانے کی اس فہرست میں سب سے نمایاں چیز وہ ہے جس کو "ناموسِ رسول پر حملہ" یا "رسول کی شان میں گستاخی" جیسے جذباتی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس نوعیت کی اگر کوئی افواہ بھی پھیل جائے تو اس کے بعد مسلمان اس طرح بھڑک کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام تو درکنار عقل و ہوش سے بھی ان کا دور کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسلمانوں کا یہ لغو مزاج صرف اسی لئے ہے کہ انہوں نے دعوت کا شعور کھو دیا ہے، دوسری اقوام کو وہ اپنا قومی رقیب اور دنیوی حریف سمجھتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ان کے اندر دعوتی شعور پیدا کیا جائے کہ وہ داعی ہیں اور دوسری قومیں ان کے لئے مدعو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی سے ان کی جھوٹی جذباتیت ختم ہوگی۔ اسی سے ان کے اندر یہ حکمت

آئے گی کہ وہ ناگوار باتوں سے اعراض کریں اور اشتعال انگیز باتوں پر مشتعل نہ ہوں" (صفحہ ۶۔۷)

قارئین کرام! مولانا وحید الدین خان کی کتاب کے مذکورہ طویل اقتباس کا پڑھنا آپ کے لئے شاید تکلیف دہ ہو، میرے لئے اس کو نقل کرنا بھی ایک روح فرسا تجربہ سے کم نہیں ہے۔ میں نے یہ طویل اقتباس ایک ہی جگہ پر نقل کر دیا ہے تاکہ اب اس پر کھل کر اظہار کیا جاسکے اور بار بار ذہن کی یکسوئی نہ ٹوٹے۔ یہ مولانا وحید الدین خان جیسے نام نہاد داعیٔ اسلام کی حد درجہ گمراہ کن، ظلمت مآب اور اسلام کے متعلق بے حمیتی کے اظہار کا عظیم شاہکار ہے۔ درج ذیل نکات ہماری توجہ کے متقاضی ہیں:

(۱) مولانا وحید الدین خان اپنی تعقل پسندی کا بہت ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ وہ مریضانہ پندار ذات کے شیش محل میں براجمان ہو کر اپنے ناقدین کی آراء کو بے محابہ لغو قرار دیتے ہیں اور یہ ان کا تقریباً تکیہ کلام بن چکا ہے۔ خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ ان کی اپنی باتیں مبالغہ آمیز اور ان کی "عقل پسندی" حد درجہ غیر حقیقت پسندانہ اور ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ عقل عام "Common Sense" یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ "ساری دنیا" کے مسلمان "ہر روز" دعوت کش سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کرۂ ارض پر ایک ارب سے زیادہ مسلمان بستے ہیں۔ مولانا موصوف کا ان کے بارے میں حسن تخیل ملاحظہ فرمایئے جو کسی کو بھی مستثنیٰ قرار دینے کے روادار نہیں کہ وہ "ہر روز" دعوت کش سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں گویا انہیں کرنے کو اور کچھ کام نہیں ہے، ایک معمولی فہم رکھنے والا فرد بھی اس "نابغۂ عصر" کی رائے کی اس نامعقولیت کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(۲) مولانا وحید الدین خان کا عتاب جوار بھاٹا کی صورت میں مسلمانوں پر نازل ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں پر اس بنا پر خوب برستے ہیں کہ انہوں نے "دوسری قوموں کو سیاسی حریف" سمجھ رکھا ہے اور وہ خواہ مخواہ "ایسے جھگڑے کھڑے" کرتے ہیں جن سے دوسری اقوام سے "تعلقات خراب ہو جائیں" موصوف اسلامی تاریخ کے علوم کے "قارون" ہیں اور اپنی دعوت کو قرآن و سنت کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ مگر ان کے طاقتور حافظے میں وہ قرآنی آیات قائم نہیں رہتیں یا وہ علمی بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں جس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ کفار مؤمنوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ مسلمان دین اسلام چھوڑ کر ان کا دین نہ اپنا

لیں اور پھر صحابہ کرامؓ نے تو (معاذ اللہ) خواہ مخواہ ہی ایران، فلسطین اور شام پر حملے کئے تھے؟ ایرانیوں اور رومی سلطنتوں سے ٹکر لے کر انہوں نے "دعوت کے امکانات خراب" ہی کئے تھے؟ اور پھر خود رسالتِ مآبؐ جو داعیٔ اعظم تھے، انہوں نے بھی مولانا وحید الدین خان کے "معیارِ دعوت" کے مطابق ۲۸ ر غزوات میں شریک ہو کر عرب قبائل کے اسلام قبول کرنے کے امکانات کو معاذ اللہ خراب ہی کیا تھا۔ اس سے زیادہ اسلامی تاریخ سے لغو، غیر منطقی اور بھونڈا استنباط اور اسلامی دعوت کے اسلوب کا اس سے زیادہ مسخ شدہ تصور شاید ہی کسی اسلامی مبلغ نے پیش کیا ہو۔ مولانا وحید الدین خان دوسروں پر "خدا کے غضب کو بھڑکانے" کا الزام لگا کر خود اسلامی تاریخ کے مستند حقائق کو اپنے خود ساختہ عقلی معیارات کے انگاروں پر رکھ کر سلگانے کے غضب انگیز فعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔

(۳) ناموسِ رسالتؐ کا تحفظ مسلمانوں کے نزدیک دین کی اساس ہے۔ جیسا کہ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: نبی کریمؐ کی تعظیم و تکریم ہی مذہب کی بنیاد ہے اور یوں اس سے محرومی مذہب سے انحراف ہے" مگر دورِ جدید کا ایک بدبخت، برخود غلط مبلغ اسلام کس دھڑلے سے کہہ رہا ہے کہ "شتم رسول" کے خلاف مسلمانوں کی سرگرمی ایک "دعوت کش" سرگرمی ہے۔ اور اس کی فکری لغویت کی معراج کا بھی اندازہ کیجئے کہ وہ جذباتی تشنج سے یہاں تک کہہ جاتا ہے "اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا" یہ فتویٰ مولانا وحید الدین خان کے ظلمت مآب فتویٰ خانہ کی جعلی ٹکسال کا کوئی سکہ تو ہو سکتا ہے، مگر اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مولانا موصوف " شتم رسول کے خلاف سرگرمی" کو "غیر اسلامی" قرار دینے سے پہلے اگر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول"، کے علاوہ علامہ تقی الدین سبکیؒ کی کتاب "السیف المسلول علی من سب الرسول" اور علامہ زین العابدین شامیؒ کی "تنبیہ الولاۃ والحکام علی أحکام شاتم خیر الأنام" اور علامہ ابن الطلاع اندلسی کی مایہ ناز تالیف "اقضیۃ الرسول" کا بالاستیعاب مطالعہ فرمانے کا تردد کر لیتے تو ان پر اپنی جہالت کا انکشاف کوئی ناممکن امر نہیں تھا لیکن انہوں نے تو اپنے مخصوص تصورات کی تبلیغ کے لئے قرآن و سنت سے محض اپنے مطلب کے ان حوالہ جات کے انتخاب کا شغل اختیار کر رکھا ہے جس سے ان کے خانہ زاد اسلام کی تائید کا پہلو نکلتا ہو۔ دورِ جدید میں مولانا وحید الدین خان سوئے تاویل کا میٹھا زہر

گھول کر نوجوان اذہان کو متاثر کرنے کا جو فن جانتے ہیں، اس میں بہت کم لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکیں گے۔ اسلام میں توہین رسالت کا ارتکاب ہمیشہ ایک سنگین جرم سمجھا جاتا رہا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے سزائے موت کا مسئلہ رسولِ کریم ﷺ کے دورِ اقدس سے لے کر آج تک ملتِ اسلامیہ میں کبھی بھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ مگر "وحید خانی فتنہ" کی جسارتیں ملاحظہ کیجئے کہ وہ اسے ایک "دعوت کش" اور "لغویت کی حد تک غیر اسلامی" قرار دینے میں کسی شرمساری کا شکار نہیں ہوتے۔

(۴) ملعون رشدی کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج کی وجہ بقول وحید الدین خان "دعوتی شعور سے محرومی" اور اس کسوٹی سے ان کا ہاتھ دھو بیٹھنا ہے جس سے وہ جانچ سکیں کہ اسلام کا روِش کیا ہے۔ اگر وحید الدین خان کے نزدیک اسلام کا "دعوتی شعور" یہی ہے تو پھر یقین کرنا پڑے گا کہ اس سے بڑا "فتور" کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وحید خان صاحب مسلمانوں میں جس درجے کا "دعوتی شعور" پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے عواقب و نتائج کے اعتبار ایک بہت بڑا فتنہ اور ایک دین کش فتور ہے۔ ایسے دعوتی شعور کو مسلمان پائے حقارت سے ٹھکراتے ہیں کہ جو انہیں ناموسِ رسالت کے مسئلہ کے بارے میں بے غیرت و بے حمیت بنا دے اور جو رشدی جیسے ملعون شاتم رسول کے خلاف انہیں احتجاج برپا کرنے سے باز رکھے۔ اگر یہی "دعوتی شعور" خدانخواستہ حضرت زبیرؓ میں بھی پیدا ہو جاتا تو وہ کبھی ایک شاتم رسول کی گردن نہ اڑاتے۔ مصنف عبدالرزاق میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرمؐ کو گالی دی۔ آپؐ نے فرمایا "کون ہے جو مجھے میرے دشمن سے بچائے" حضرت زبیرؓ نے کہا: "میں" چنانچہ زبیرؓ نے اسے للکارا اور قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان حضرت زبیرؓ کو دلوا دیا"۔ مولانا وحید الدین خان اگر اخلاقی جرأت رکھتے ہیں تو برملا اعلان کریں کہ حضرت زبیرؓ کی یہ سرگرمی بھی "غیر اسلامی" تھی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بھی اس آدمی کو قتل کر دیا تھا جو رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ مسلمان فقہاء کا اجماع ہے کہ شاتم رسول "مباح الدم" (جس کا خون جائز ہو) ہے۔ مذکورہ بالا معروف کتب میں ایسے درجنوں واقعات درج کئے گئے ہیں جن میں شاتم رسول کو قتل کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ مگر ہندوستان کا مالیخولیا اور اخلاقی بزدلی کا شکار، بزعم خویش داعیٔ اسلام آج "شتم رسول" کی سرگرمی کو "دعوت کش" اور "غیر اسلامی" کہہ کر اپنی گمراہ کن فکر کا پرچار کر رہا ہے۔ مولانا وحید الدین خان کی فکر کے "گمراہ" ہونے کے لئے محض یہی بات ہی کافی ہے کہ وہ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے

بارے میں بے حمیتی کا شکار ہے۔

(۵) مولانا وحید الدین خان کو مسلمانوں سے شکایت ہے کہ ''کوئی شخص یا گروہ اگر ذرا بھی ان کے خلافِ مزاج بات کرے تو وہ فوراً مشتعل ہو کر اس سے لڑنے لگتے ہیں'' بھارت کے اس عقل پرست مسلمان متجدد کی بے حسی کا کس قدر نوحہ رقم کریں۔ وہ ملعون رشدی کے معاملہ پر کتاب لکھ رہا ہے۔ مگر رشدی کی گستاخی کو ''ذرا بھی خلافِ مزاج'' بات سمجھتا ہے۔ اگر اس نے رشدی کی کتاب پڑھی ہے اور پھر بھی اس کی رائے میں ''ذرا سی'' بات ہے تو سمجھ لینا چاہئے۔

عزت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات سن کر یا گستاخی کا کوئی مظاہرہ دیکھ کر اگر کوئی مسلمان اشتعال میں نہیں آتا تو وہ بلاشبہ بے حمیت ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ''کوئی مسلمان اس وقت تک سچا مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے''۔ آج کے دور میں اگر ایک مسلمان حتیٰ کہ غیر مسلم اپنی ماں کے خلاف غلیظ گالیاں سنتا ہے اور پھر اس پر خاموش رہتا ہے تو اس کو ''بے غیرت'' کہا جائے گا۔ جب حضور اکرم ﷺ سے محبت ماں باپ سے محبت سے بھی زیادہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی مسلمان آپؐ کے خلاف گستاخی پر اشتعال میں نہ آئے۔ اکابر صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت عمرؓ کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ تو ظاہر کرتا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے خلاف معمولی سی گستاخی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک یہودی کو محض اس بنا پر قتل کر دیا کہ اسے حضور اکرم ﷺ نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر اعتماد نہیں تھا اور وہ حضرت عمرؓ سے فیصلہ کرانے آگیا تھا۔ حضرت عمرؓ تو معمولی معمولی باتوں پر تلوار نکال لیتے تھے۔ یہ ان کی غیر متوازن جذباتیت نہیں تو بلکہ دینی حمیت کا اظہار تھا۔

یہاں مولانا وحید الدین خان کے فکری تضادات اور دوہرے معیارات کا پول کھولنا بھی مفید معلوم ہوتا ہے۔ موصوف ''شتمِ رسول کا مسئلہ'' میں تو لکھتے ہیں ''ناگوار باتوں پر مشتعل ہو جانے کی اس فہرست میں، سب سے نمایاں چیز وہ ہے جس کو ''ناموسِ رسول پر حملہ'' یا رسول کی شان میں گستاخی'' جیسے جذباتی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے''۔ اور کہتے ہیں اس کا ''اسلام تو درکنار عقل و ہوش سے بھی دور کا تعلق نہیں ہے'' مگر اپنے ماہنامہ الرسالہ کے

جون ۱۹۹۹ء کے شمارے میں جماعت اسلامی ہندوستان کے سینئر رکن مولانا جمیل احمد صاحب کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ نے میرے بارے میں غضب (غصہ) کی شکایت کی ہے اور یہ اشارہ فرمایا ہے کہ آپ اپنی تحریروں میں سکینت اور روحانیت کا اظہار کرتے ہیں مگر آپ کے اندر میں نے غضب کا جذبہ پایا ہے اور غضب اور روحانیت کا ایک ساتھ جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔ میں عرض کروں گا کہ آپ کی یہ بات درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روحانی آدمی کے اندر غضب نہ ہونے کا تصور ایک غیر اسلامی تصور ہے، وہ کوئی اسلامی تصور نہیں۔ اس معاملہ میں صحیح اسلامی تصور یہ ہے کہ آدمی کا غضب صرف حق کے لئے ہو، وہ اپنی ذات کے لئے نہ ہو، اس کی تائید میں یہاں میں چند حوالے نقل کرتا ہوں:

"حضرت موسیٰ خدا کے پیغمبر تھے مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر غضب کی حالت طاری ہوئی (الاعراف:۱۵۰) اسی طرح اگر آپ حدیث کی کتابوں کو دیکھیں تو اس میں کثرت سے رسولؐ اور اصحابِ رسول کے غضب کا ذکر ملے گا۔ اس سلسلہ میں بطورِ نمونہ صرف چند مثالیں یہاں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) "فَغَضِبَ رسول الله حتى عرف الغضب فى وجهه" ......(صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

(۲) "فغضب رسول الله غضبا شديدا" ......(صحیح البخاری۔ کتاب الاذان)

(۳) "فغضب ابوبكر" ......(صحیح البخاری۔ کتاب الادب)

(۴) "فغضب عمرؓ" ......(صحیح البخاری۔ کتاب الادب)

(۵) "فغضب عليّ حتى احمر وجهه" ......(النسائی۔ کتاب الضحایا)

(۶) "فقالت عائشة و غضبت" ...... (مسند احمد: صفحہ ۳۷-۳۸)

کوئی صاحبِ عقل و دانش یقین نہیں کرے گا کہ یہ دو اقتباسات کسی ایک مصنف کے ہیں۔ مگر جو وحید الدین خان کے فکری انتشار، ذہنی خلفشار اور دوہرے معیارات سے بخوبی واقف ہیں، انہیں اس پر کوئی حیرت نہیں ہوگی۔ وحید خان صاحب سوئے تاویل کے فن میں یکتا ہیں وہ ایک اونچے درجے کے گھاڑو ہیں۔ اپنی ذات میں غضب کی صفت کے دفاع کے لئے کس طرح قرآن و کتبِ احادیث سے دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں۔ یہاں بتا رہے ہیں کہ ایک روحانی آدمی کے اندر غضب نہ ہونے کا تصور ایک غیر اسلامی تصور ہے۔ مگر اس کائنات کی عظیم ترین ہستی کی توہین پر اگر

ایک مسلمان غضب کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہی سوئے تاویل کا بادشاہ مصنف اسے "ناگوار باتوں کی فہرست میں سب سے نمایاں چیز" بنا کر دکھاتا ہے۔ مولانا وحید الدین خان جو اپنے آپ کو "عقل مجسم" اور اپنی ہر تاویل کو ایک "علمی دلیل" کہنے پر اصرار کرتے ہیں، وہ اس فکری تضاد کے متعلق کیا ارشاد فرمائیں گے؟ ان کی دونوں باتوں میں سے ایک بات تو یقیناً غلط ہے۔ اب وہ خود ہی بتائیں کہ اول الذکر بات درست ہے یا مؤخر الذکر۔ ان کے اپنی فکری تضادات نے انہیں برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا متنازعہ فیہ اور تناقضِ فکر میں مبتلا "اسلامی سکالر" بنا دیا ہے اور اس "غزالیٔ ہند" کی علمی بددماغی یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ جیسے عظیم مفکر اسلام کو بھی بہت اہمیت دینے کو تیار نہیں ہے۔ حضور! آپ تو شتمِ رسول کے خلاف مسلمانوں کے شدید ردّ عمل کو ان کے "لغو مزاج" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ آپ کی اپنی غضب ناکی کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ یہ تو کوئی بہت ہی فلسفیانہ اور عالمانہ لغو مزاجی ہوگی جس کے دفاع میں آپ نے مذکورہ بالا دادِ تحقیق دی ہے۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت ...... دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

(۶) مولانا وحید الدین خان مسلمانوں کو جس "صبر اور اعراض" کی تلقین فرما رہے ہیں وہ بے غیرتی اور بے حمیتی کے زمرے میں آتی ہے۔ اگر وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی کمزور پوزیشن کے نتیجہ میں اس اخلاقی بزدلی کا شکار ہوگئے ہیں تو انہیں اس بزدلی میں مسلمانوں کو شریک ہونے کی دعوت نہیں دینی چاہئے۔ یہ ان کے ارادہ کی پستی ہے جو انہیں دوسری اقوام سے متحارب ہونے نہیں دیتی۔ اور وہ بے حد بے شرمی سے اسے "رسولؐ اور اصحابِ رسول کا طریقہ" بھی بتلاتے ہیں۔ یہ محض ان پر الزام تراشی ہے۔ رسولِ اکرمؐ کے صحابہ کا یہ طرزِ عمل ہرگز نہیں تھا۔ یہ جو انہوں نے مسلمانوں اور غیر اقوام میں "داعی اور مدعو" کا تصور پیش کیا ہے یہ ان کا خانہ زاد تصور ہے۔ اسلام کے تصورِ دعوت میں "جہاد" بھی ایک مستقل عمل ہے اور جہاد تصادم اور تحارب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مسلمانوں کا جہاد بذاتِ خود ایک دعوت ہے۔ مولانا وحید الدین خان کی سوچ پر اگر ہندوستان کے مسلمان عمل کرنا شروع کر دیں تو دو چار نسلوں کے بعد ان کی حالت وہی ہوگی جو سپین کے مسلمانوں کی ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں میں بزدلی، بے غیرتی اور بے حمیتی کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کے تشخص اور وجود کے لئے سم قاتل ہوگی۔ وحید الدین خان نے فرض کر

رکھا ہے کہ اگر مسلمان دوسری اقوام کے خلاف عسکری جدوجہد نہیں کریں گے تو وہ خود بخود دائرہ اسلام میں شامل ہو جائیں گی۔ انہیں اس بات کی ہرگز پروا نہیں ہے کہ اگر مسلمان جدوجہد نہ بھی کریں تو دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیاں خود بخود ختم نہیں ہو جائیں گی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے آخر اکثریتی فرقہ کے خلاف کتنی جارحانہ کارروائیاں کی ہیں۔ انہوں نے عام طور پر صبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا سامنے آیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخی بابری مسجد کو ہندو جنونیوں نے مسمار کر دیا۔ ہندو راہنما بال ٹھاکرے مسلمانوں کو بھارت چھوڑ کر نکل جانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ وہ انہیں ہندو بنانا چاہتا ہے۔ ایسے حالات میں وحید الدین خان صاحب کا نسخہ تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اب تو عزیمت، جرات اور جارحانہ پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ یہی وہ ہتھیار ہیں جن سے مسلح ہو کر وہ اقلیت کے باوجود اکثریت کی مخالفانہ کارروائیوں کا سامنا کر سکتے ہیں۔

(۷) گذشتہ دس سالوں کے دوران پیش آمدہ واقعات اور مجرد حقائق نے مولانا وحید الدین خان کے خدشات و مفروضات کو بے جا اور ان کی سوچ کو غلط اور گمراہ کن ثابت کیا ہے۔ سلمان رشدی ملعون کے خلاف احتجاج نے امریکہ، یورپ میں دعوتِ اسلام کے امکانات کو ختم نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دس سالوں کے درمیان امریکہ و یورپ میں جس قدر خواتین و حضرات نے اسلام قبول کیا ہے، وہ تعداد بیسویں صدی کے دیگر نو عشروں کی اجتماعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ اسلام تیزی سے یورپ و امریکہ میں پھیل رہا ہے۔ فرانس میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے۔ بالخصوص یورپ و امریکہ کی خواتین اسلام کے آفاقی پیغام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہی ہیں۔ مگر وحید الدین خان کا اسلوبِ دعوت کوئی نتائج دینے میں ناکام رہا ہے۔ وہ گذشتہ سالوں میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں اور ایک بھی ہندو کو اب تک مسلمان نہیں کر سکے۔ تو پھر اس دعوت کا فائدہ اور مقصد کیا ہے۔ وحید خانی روحانیت محض ایک فراڈ، ڈھونگ اور ایک افیون ہے، اس کا اسلام کی تعلیمات سے محض نام کی حد تک تعلق ہے۔ وحید خانی فکر ایک ایسا تارِ عنکبوت ہے جس میں کمزور سے کمزور مکھی کو بھی پھانسنے کی طاقت نہیں ہے۔

رُشدی کی گستاخی کی مثال نہیں ملتی!

اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم
وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد

اللهم صلى محمد وآله و أزواجه و أهل بيته و أصحابه وسلّم

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ مضمون کے اس حصہ کو پڑھنے سے پہلے اور بعد میں کم از کم گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں بالخصوص وأزواجه و اهل بيته کے الفاظ پر توجہ مرتکز کریں۔

وحید الدین خان نے قلمی بد احتیاطی یہ کی ہے کہ خنزیر رشدی کے ہفواتی ناول کے ان حصوں کو بھی ہو بہو نقل کر دیا ہے کہ جن کا زبان پر لانا تو کجا، ایک مسلمان کے لئے تصور میں لانا بھی ایک اذیت ناک تجربے سے کم نہیں ہوتا اور ایسے الفاظ کو "نقل کفر کفر نہ باشد" کی تاویل کا سہارا لے کر بھی نقل کرنا دشوار ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے بارہا اس بات پر غور کیا ہے کہ ان الفاظ کو اپنے مضمون میں نقل کرے یا نہیں۔ ہر بار دل کانپ اٹھتا تھا اور قلم کی زبان پر لرزش اور لکنت طاری ہو جاتی تھی۔ مگر جب وحید الدین خان کے بعد کے آنے والے ابواب پر غور کرتا تو پھر ایک ذہنی کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا۔ وحید الدین خان نے صفحات کے صفحات یہ دکھانے کے لئے رقم کیے ہیں کہ ملعون رشدی کی گستاخی بھی ویسے ہی ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں یا بعد میں بعض گستاخانِ رسول کی گستاخیاں تھیں۔ اس کے خیال میں جس طرح قریش مکہ کی گستاخیوں کو رسول اکرم ﷺ نے معاف فرما دیا تھا، بالکل اسی طرح دورِ جدید کے مسلمانوں کو رشدی کے ساتھ اعراض کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ راقم کے نزدیک وحید الدین خان کی کتاب کا سب سے قابل اعتراض اور مردود پہلو یہی ہے۔ وہ عام قاری کے ذہن کو منتشر کر کے اسے رشدی کے خلاف سکوت اختیار کرنے کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ وحید الدین خان نے رشدی کی کتاب سے یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے اپنے بھونڈے اصول کی بھی خود خلاف ورزی کی ہے۔ وہ اپنی کتاب میں متعدد مرتبہ یہ لکھ چکے ہیں کہ اگر مسلمان رشدی کی ہفوات کے خلاف احتجاج نہ کرتے تو کوئی بھی اس کو نہ

پڑھتااور نہ ہی کسی کو علم ہوتا کہ اس نے کیا گستاخی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "سلمان رشدی نے اپنے بے ہودہ خیالات صرف اپنی کتاب میں لکھے تھے مگر مسلمانوں کے شوروغل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی باتیں تمام دنیا کے اخبارات ورسائل میں چھپیں" (صفحہ نمبر ۱۴۷) مگر وہ اپنے اصول پر خود قائم نہ رہ سکے۔ اپنی تائید میں انہوں نے پاکستان کی سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کا یہ بیان بھی درج کیا ہے:

> "توہین عقیدہ کو دہرانا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا بجائے خود توہین کرنا۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کے مدِ نظر میرے خیال سے بنیاد پرست مذہبی لوگ بھی رشدی کے ناول اور اس کے قابل اعتراض موضوعات کی تشہیر کرکے اسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں جس کا ارتکاب رشدی نے کیا ہے" (صفحہ ۹۹)

مگر خاموشی، اعراض اور نظر انداز کرنے کی تبلیغ کرنے والا مصنف خود ہی ان حصوں کو نقل کر کے اپنے وضع کردہ معیار کے مطابق "گناہ" کا مرتکب ہوا ہے۔ اردو دان طبقہ جس نے ملعون رشدی کی کتاب کو براہِ راست نہیں پڑھا تھا، اب وحید الدین خان کی کتاب کو پڑھنے کے بعد ان گستاخانہ الفاظ سے واقف ہو گیا ہے۔

راقم الحروف نے تہیہ کیا تھا کہ وحید الدین خان کی کتاب سے وہ اقتباسات نقل نہ کرے مگر وحید الدین خان کی قلمی بد عنوانی اور رشدی کی گستاخی کی سنگینی اور شدت کو واضح کرنے کے لئے مجبوراً دل پر ہاتھ رکھ کر ان الفاظ کو نقل کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ اے دلوں کے حال جاننے والے رب! مجھے اس "نقل کفر" کے گناہ سے معاف فرما۔ تو جانتا ہے کہ ان کو نقل کرنا میرے لئے کس قدر کربناک ہے!

(۱) اسم محمد ﷺ کی جگر پاش اہانت

سگِ مغرب، ملعون رشدی نے وجہ تخلیق کائنات، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے مقدس، منزہ ومبارک نام کے متعلق کیا انگارے برسائے ہیں؟ وحید الدین خان کے الفاظ میں:

> "مصنف نے کتاب کا نام (شیطانی کلام) بطورِ خود اس کے اساسی کردار "محاؤنڈ" (Mahound) کی نسبت سے استعمال کیا ہے جو کہ نعوذ باللہ حضرت محمد ﷺ کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہے" (صفحہ ۳۸)

"سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک توہین آمیز نام محاونڈ

(Mahound) کا استعمال کیا ہے۔ یہ نام بلاشبہ اشتعال انگیز حد تک لغو ہے۔ انگریزی میں ہاؤنڈ کا لفظ کتے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "Ma" انگریزی لفظ مائی "My" کا مخفف ہے۔ اس طرح محاؤنڈ کا دوسرا مطلب (نعوذباللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد) ہے: "میرا کتا" (صفحہ ۳۶)

خدائے بزرگ و برتر اس خنزیر رشدی کو دین و دنیا میں رسوا کرے اور اس پر آسمان کے ستاروں اور ریت کے ذروں برابر لعنتیں برسیں جس نے اپنی مکروہ خنزیری تھوتھنی سے یہ الفاظ کائنات کی پاکیزہ ترین ہستی کے لئے استعمال کئے مگر وحید الدین خان نے اس کی سخت ترین مذمت کرنے کی بجائے اس کے وکیل صفائی کا فریضہ انجام دے کر مسلمانوں کے دلوں پر یوں خنجر چلائے ہیں:

"پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے یہ بے ہودہ نام سلمان رشدی کی ذاتی ایجاد نہیں ہے۔ یہ صلیبی جنگوں (۱۰۹۶ تا ۱۲۷۱) کے بعد یورپ میں گھڑا گیا۔ یورپ کی مسیحی قومیں جب دو سالہ صلیبی جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ناکام ہوگئیں تو انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے کے لئے بہت سی پست حرکتیں کیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ انہوں نے آپؐ کے نام کو طرح طرح سے بگاڑا۔ ایک بگڑا ہوا نام یہ لفظ (Mahound) ہے۔ مگر پچھلے سات سو سال کے اندر اس گستاخی کی بنیاد پر کسی کو بھی قتل کی سزا نہیں دی گئی۔ اور نہ اس قسم کا فتویٰ جاری کیا گیا"

"...... سلمان رشدی نے پیغمبر اسلامؐ کے لئے جو گستاخانہ نام "محاونڈ" استعمال کیا ہے وہ صلیبی جنگوں کے بعد کے دور میں یورپ میں وضع کیا گیا۔ مگر اس وقت کے علماءِ اسلام نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جن لوگوں نے یہ گستاخانہ نام وضع کیا ہے۔ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے" (صفحہ ۳۶)

قارئین کرام! ذرا اندازہ فرمایئے وحید الدین خان کس طرح رشدی کی بھونڈی وکالت پر اتر آئے ہیں۔ وہ بالواسطہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ "محاونڈ" کا لفظ ملعون رشدی کی "ذاتی ایجاد نہیں ہے لہٰذا وہ سزا کا مستحق نہیں ہے، یعنی اصل سزا تو اسے دی جائے جس نے پہلی مرتبہ یہ لفظ ایجاد کیا۔ ان کے اس پست استدلال سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو گالی نکالے تو اسے کچھ نہ کہو، فوراً تلاش کرو کہ یہ گالی ایجاد کرنے والا پہلا شخص کون تھا؟ اگر اس کی نشاندہی ہو جائے تو پھر یہ تشخیص کرو کہ آیا اسے اس "ایجاد" پر سزا بھی ملی تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر دوسری مرتبہ اس کی ایجاد کردہ گالی کو دہرانے والے کو خواہ مخواہ

قصوروار کیوں ٹھہراتے ہو؟ "محاونڈ" تو وہ غلیظ گالی ہے جسے جدید یورپ کے سنجیدہ مسیحی راہنما بھی سخت قابل اعتراض سمجھتے ہیں مگر وحید الدین خان کے نزدیک رشدی، جو کہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا، اس قدر قصوروار نہیں ہے کہ اس کو سزا دی جائے۔ وہ تو بس اسے نظرانداز کرنے کی وکالت کرتے ہیں۔

وحید الدین خان کا یہ مطالبہ جتنا لغو ہے اتنا عجیب بھی ہے کہ اس وقت کے علماء نے صلیبی مصنفین کے بارے میں اگر فتویٰ دیا تھا تو پیش کرو۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ علماء نے کہاں کہا ہے کہ "انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے"......اس سلسلہ میں ہم وحید الدین خان سے جوابی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تاریخ سے ڈھونڈ کر ایک مثال دکھا دیں جب کسی مسلمان عالم دین کے سامنے کسی کا نام لے کر یہ کہا گیا ہو کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ "محاوَنڈ" استعمال کیا ہے اور اس عالم دین نے اس کے خلاف قتل کا فتویٰ نہ دیا ہو۔ متعصب تنگ نظر مسیحی پادریوں نے یہ بکواس اپنی مادری زبان میں کی تھی جس کے متعلق مسلمان علماء کا علم صفر تھا۔ آخر انہیں کیسے پتہ چلتا کہ سمندر پار یورپ میں کسی سگِ یورپ نے رسالت مآب ﷺ پر یہ بھونک لگائی ہے۔ جب انہیں اس کا علم نہیں تھا تو اس پر فتویٰ کیسے دیتے۔ آج بھی برصغیر پاک و ہند کے علماء کی اکثریت سے اگر سوال کیا جائے کہ انہوں نے یہ لفظ "محاوَنڈ" وحید الدین خان کی کتاب کے علاوہ بھی کہیں پڑھا ہے تو ان کا جواب نفی میں ہوگا۔ تو وحید الدین خان کیا دیوانے ہو گئے ہیں، انہوں نے یقیناً اپنی عقل کو وقتی طور پر رخصت پر بھیج دیا ہوگا جب وہ یہ مطالبہ مسلمانوں سے تحریری طور پر کر رہے تھے۔

دوسری بات یہ بھی غور طلب ہے کہ اس طرح کی سنگین گستاخی کے لئے فتویٰ تو ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ نئے فتویٰ کے جاری کرنے کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب وہ مسئلہ نئے سرے سے باقاعدہ نام کے ساتھ پیش کیا جائے۔ صلیبی جنگوں کے دوران مجاہدِ اسلام صلاح الدین ایوبی کو اگر علم ہو جاتا کہ کسی صلیبی نے یہ بکواس کی ہے تو وہ ان کی گردن اڑا دیتا۔ اگر وہ اس کی پہنچ سے باہر ہوتا تب بھی وہ اس کو گرفتار کرا کے قتل کرنے کے لئے تمام ذرائع استعمال میں لاتا۔

ایک دوسرے مقام پر وحید الدین خان ملعون رشدی کی بدترین دریدہ دہنی اور شیطانی ہفوات کو ایک "معمول کی کارروائی" اور ایک محض عام سی استہزا دکھا کر اس کو معاف کرنے کے لئے لغو دلیل لے آئے ہیں:

"سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں پیغمبر اسلام ﷺ کا نام "محاوَنڈ" (Mahound)

لکھا ہے۔ یہ ایک استہزائی نام ہے۔ جس طرح بعض لوگ وہابی کو وہابڑا اور دیوبندی کو دیوبندے وغیرہ کہتے ہیں، اسی طرح سلمان رشدی نے آپؐ کے لئے اس بگڑے ہوئے نام کو استعال کیا ہے جو صلیبی جنگوں کے بعد یورپ کے عیسائیوں نے آپ کے لئے گھڑا تھا...... اس مجرمانہ حرکت کی مثال بھی زمانہ نبوت میں موجود ہے۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نام اگرچہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے محمدؐ رکھا تھا، مگر مکہ کے قریش نے استہزائی طور پر آپ کا نام مذمم رکھ دیا۔ محمدؐ کے معنی ہیں تعریف کیا ہوا جبکہ مذمم کے معنی ہیں: مذمت کیا ہوا" (صفحہ ۵۱)

جناب! آپ کی عقل ٹھکانے نہیں ہے۔ "محاونڈ" محض ایک "استہزائی نام" نہیں ہے یہ رذیل ترین گالی ہے۔ وہابی کو وہابڑا کہنے میں اور محمدؐ کو (نعوذ باللہ) "محاونڈ" کہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہابڑا ایک بگڑا ہوا مہمل لفظ ہے جس کا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہے۔ مگر "محاونڈ" کا مطلب آپ خود ہی لکھ چکے ہیں۔ یہ کوئی مہمل اور بے ضرر لفظ نہیں ہے۔ یہ کوئی نام بھی نہیں ہے یہ ایک گالی ہے جو یورپ کے غلیظ پادریوں نے حضورؐ کی سخت تحقیر کے لئے سوچی سمجھی سازش کے تحت گھڑی تھی جس کا اعتراف آپ خود کر چکے ہیں۔ نہ ہی اس کا کوئی قریبی تعلق "دیوبند" کے "دیوبندے" سے کوئی اشتراکِ معانی یا مفہوم بنتا ہے۔ دیوبند ایک شہر کا نام ہے۔ اگر اس طرح آپؐ کا مذاق اڑایا جاتا تو مدینہ یا مکہ کے نام کو بگاڑ کر آپ کو اس سے نسبت دی جاتی۔ بے حد تعجب ہے وہ اس فرق کی اہمیت کو یکسر ختم کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے سر پر ملعون رشدی کی صفائی کا بھوت سوار ہے جس نے ان کو قطعی طور پر مخبوط الحواس اور فاتر العقل بنا کے رکھ دیا ہے۔ اب وہ مختلف الفاظ اور اشیاء کے درمیان فرق مراتب قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

وحید الدین خان نے مسلمان راہنماؤں کے خلاف لکھا ہے "کچھ لوگ رنگ کے اندھے (Colour blind) ہوتے ہیں، انہیں ایک رنگ دکھائی دیتا ہے اور دوسرا رنگ بالکل نظر نہیں آتا" (صفحہ ۶۵)

ہمارے خیال میں اس جملے کا اصل مصداق خود وحید الدین خان سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ وہ "محاونڈ" اور "وہابڑے" کے درمیان کوئی امتیاز اور فرق دیکھنے کی صلاحیت سے محروم دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے عقل کی اندھی آنکھ ایک رذیل ترین گالی اور ایک مہمل سے استہزائی لفظ کو ایک سطح پر دیکھتی ہے۔ ایسی صورتحال میں غالب کا یہ شعر بار بار پڑھنے کو جی

چاہتا ہے

دل کو روؤں یا پیٹوں جگر کو میں   مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

یہاں علمی اعتبار سے یہ نشاندہی ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے نام کو بگاڑ کر جو لفظ صلیبیوں نے گھڑا وہ تھا Mahomet یا Maumet آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کی اٹھارہ شکلیں بتائی گئی ہیں۔ جیسا کہ پی۔ کے ہٹی نے اپنی کتاب "Islam and The West" میں لکھا ہے ۔"لفظ Mahomet خود محمدؐ کی بگڑی ہوئی صورت ہے"

"Mahound" تو صریحاً غلیظ اور خبیثگالی ہے۔ یہ نام محمد کی بگڑی صورت نہیں ہے۔ اسی طرح "مذمم" بھی لفظ محمدؐ کی بگڑی ہوئی صورت نہیں ہے۔ یہ لفظ "محمدؐ" کا ہم وزن ضرور ہے مگر اس کا الگ اپنا مطلب ہے۔ اس کو بھی "وہابی اور وہابڑے" جیسے لفظی بگاڑ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ وحید الدین خان "مدعی سست گواہ چست" کی قابل رحم تصویر بنے ہوئے ہیں۔ خود ملعون رشدی نے ایسی کوئی بھی وضاحت اپنے بیان میں نہیں کی۔ اس نے اپنے ایک بیان میں محض اتنا کہا "یہ کتاب مذہب اور الہام کے بارے میں ایک سیکولر آدمی کا نقطہ نظر بیان کرنے کی کوشش ہے"
(ٹائمز آف انڈیا، ۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء)

(۲) امہاتُ المؤمنین کے متعلق کلماتِ رزیلہ کا استعمال

شیطان رشدی پر کروڑوں لعنتیں ہوں کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے پاک و منزہ گھرانے پر بے حد بے باکی سے کیچڑ اچھالا ہے اور مؤمنوں کی ماں جس پر واقعہ اِفک کے دوران بے ہودہ اور بے بنیاد الزام تراشی پر خود رب ذوالجلال کی غیرت جوش میں آئی اور قرآن پاک میں آیات براءت و صفائی آپ کے حق میں نازل ہوئیں اور یہ اعزاز حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کسی اور عورت کو حاصل نہیں ہے۔ ایسی مقدس زوجۂ رسول ﷺ کا نام لے کر اس انسان نما خنزیر نے توہین کی ہے اور توہین بھی ایسی کہ عرش کو ہلا کر رکھ دے۔ رشدی سور کی قلمی بدکاری کا نمونہ وحید الدین خان کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

> "سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں ایک اور نہایت بے ہودہ حرکت یہ کی ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ کو نعوذ باللہ ایک بدکردار خاتون کے روپ میں دکھایا ہے۔ یہ بلاشبہ اشتعال انگیز حد تک ایک بے ہودہ بات ہے۔ کوئی مسلمان کتاب کے اس حصہ کو ٹھنڈے ذہن کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا (ص ۵۲)

ایک دوسری جگہ یوں تبصرہ کیا ہے:

"یہ کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف انتہائی بے ہودہ اور فحش قسم کا ناول ہے جیسا کہ خود اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں حمزہؓ اور عائشہؓ وغیرہ کے نام تو بالکل اصل حالت میں درج کئے گئے ہیں۔ البتہ پیغمبر کا نام محمد ﷺ کی بجائے مہاؤنڈ Mahound لکھا گیا ہے" (صفحہ ۳۸)

وحید الدین خان نے رسول اکرم ﷺ کے لئے استعمال شدہ لفظ کو بعینہٖ نقل کر دیا ہے لیکن ملعون رشدی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے جو لفظ استعمال کیا ہے، اصل کی بجائے اس کا ترجمہ "بدکردار خاتون" لکھنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ "بدکار خاتون" کے لئے انگریزی میں مترادف "A wicked Woman" ہونا چاہئے مگر جو لفظ ملعون رشدی نے "شیطانی ہفوات" میں استعمال ہے وہ کسی بھی عورت کے لئے گھٹیا ترین ہے۔ اسی سے زیادہ گھٹیا عورتوں کا کوئی دوسرا طبقہ نہیں ہو سکتا۔ پھٹکار اور لعنت ہو رشدی پر اس نے ام المؤمنین، خدا ان کے درجات بڑھائے، کو "Whore" (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) لکھا ہے "Whore" کا ترجمہ "طوائف" بھی نہیں ہے کیونکہ انگریزی میں طوائف کے لئے "Prostitute" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ "Whore" طوائفوں کی وہ گھٹیا ترین "Category" ہے جسے اردو زبان میں کنجنی کہتے ہیں۔ طوائفیں تو محض رقاصہ اور گلوکارہ بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر کنجیاں وہ طوائفیں ہوتی ہیں جو بے حد سستے داموں جسم فروشی اور قحبہ گری کا گناہ آلود پیشہ اختیار کرتی ہیں۔ اب بتائیے مسلمانوں کی ماں کو ایک ایسی گالی دی جائے جس سے زیادہ غلیظ کوئی اور گالی نہیں ہو سکتی اور اس پر مسلمان احتجاج کریں تو وحید الدین خان اسے "غیر اسلامی فعل" اور سرکشی پر مبنی عمل قرار دیں اور یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد بھی جو آدمی وحید الدین خان کو بے غیرت اور بے حمیت نہ سمجھے اس کی اپنی دینی حمیت بھی مشکوک ہے۔

(۳) حضور اکرم ﷺ کے دولت کدے کو قحبہ خانہ قرار دینا

جس طرح گندگی کے کیڑے کو ہمیشہ بدبودار ماحول کی تلاش ہوتی ہے، ملعون رشدی جیسے انسانی کیڑے کو ہمیشہ ایسے الفاظ کی تلاش رہتی ہے جو چونکا دینے کی حد تک غلیظ اور بدبودار ہوں۔ اس کی سوچ کی سڑانڈ کے بھبکے اس کے بدبودار الفاظ کے انتخاب سے بخوبی

محسوس کیئے جاسکتے ہیں۔ رشدی کا جسم سور کا، اس کی زبان کتے کی اور اس کا قلم سانپ کا پھن ہے جو محض زہر اُگلتا ہے اور اس کی آنکھیں کسی گدھ کی ہیں جو صرف مردار ڈھونڈتی ہیں۔

گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا جب دل کے اندر متلاطم ہوں خیالات

اس کی شیطانی ہفوات اس کے مکروہ فکر کی ناقابل برداشت سڑانڈ کا مظہر ہے۔ اس کے لفظوں کے تعفن سے ایک سلیم الطبع انسان کا دماغ پھٹنے کو آتا ہے۔ وہ خود سراپا تعفن ہے۔ اسی لئے اس کا تخیل ہمیشہ گندے الفاظ کو تخلیق کرنے میں مشین کی طرح مصروف رہتا ہے۔ رسالتمآبؐ اور آپؐ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے مذکورہ غلیظ الفاظ کے استعمال کے باوجود اس ابلیس مجسم کی عفونت سے تسکین پانے والی روح کو قرار نہ آیا بالآخر اس نے اس زمین پر مقدس ترین مقام جیسے حضور اکرم ﷺ کے مسکن اور دولت کدے کا شرف ملا، اسے اس نے قحبہ خانہ (Brothel) کا نام دیا۔ وحید الدین خان لکھتے ہیں:

"سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئی بیویاں ہونے کا مذاق اڑایا ہے اور آپ کے گھر کو نعوذ باللہ قحبہ خانہ (Brothel) کا نام دیا ہے" (صفحہ ۹۱)

ملعون رشدی نے آپؐ کے گھر کو قحبہ خانہ قرار دے کر آپؐ کی تمام ازواج مطہرات کو Whores کہا ہے، اور پھر قحبہ خانہ میں حضور ﷺ کی جو پوزیشن ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں ہے۔ پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک بھی شاتم رسول ایسا نہیں ہے جو رشدی سور کی خباثتوں اور گستاخیوں کی خاک کو بھی چھو سکے۔ اس نطفۂ بے تحقیق نے نہ نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کو معاف کیا، نہ ہی آپؐ کی ازواج مطہرات کو چھوڑا، نہ ہی آپؐ کے دولت کدے پر اپنی خباثت سے باز رہا۔ اس کے باوجود بھی وحید الدین خان رشدی کی ان رذالتوں اور کردار کشی کی بدترین ہفوات کو دیگر شاتمانِ رسول کے برابر قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

مجھے تو اپنی کوتاہ کلامی سے شکایت ہے کہ ملعون رشدی کی مذمت کے لئے وہ الفاظ نوکِ قلم پر نہیں آتے کہ جن سے جذبات کا صحیح اور مؤثر اظہار ہو سکے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سخت سے سخت ترین الفاظ بھی چاہے لاکھوں قلم سے لکھے جائیں اس ملعون قلم کار کی اس گستاخانہ جسارت کی مذمت کو ناکافی ہوں گے جو اسنے محسن انسانیتؐ اور آپؐ کے پاکیزہ گھرانے کے متعلق کی ہے۔

رشدی اور دیگر گستاخانِ رسول کے الفاظ کا موازنہ

رشدی بدمعاش کی طوائف القلمی اور دیگر گستاخانِ رسول کے جسارت آمیز الفاظ میں وہی فرق ہے جو ایک شعلۂ جوالہ اور ایک معمولی سی چنگاری میں ہوتا ہے۔ ایک چنگاری لباس کے جس حصے پر پڑے گی، تو یقیناً وہاں سوراخ کر دے گی مگر ایک شعلہ جوالہ یا آگ کا لقبعہ لباس کو ہی نہیں اس جسم کو بھی خاکستر کر کے رکھ دے گا۔ لیکن ہمارے "ممدوح" وحید الدین خان نے اسلامی تاریخ سے بزعم خویش بہت سے گستاخانِ رسول کی فہرستیں نکال کر پیش کی ہیں، جو ان کے خیال میں رشدی کی ہی سطح کے گستاخ تھے۔ اور ان تمام افراد کو بوجوہ سزا نہ ملنے کو وہ اپنے مؤقف کے حق میں "برہانِ قاطع" سمجھتے ہیں اور پھر سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر ان کو معاف کر دیا گیا تھا تو پھر رشدی کا جرم کون سا نرالا ہے کہ اس کے خلاف اس قدر اشتعال کا مظاہرہ کیا جارہا ہے؟ ہم اوپر وحید الدین خان کی کتاب سے ہی رشدی ملعون کی ہفوات نقل کر چکے ہیں۔ ذیل کی سطور میں انہی کے پیش کردہ دیگر گستاخان کے الفاظ اور کلمات کو درج کرتے ہیں اور پھر فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیں گے کہ وہ خود ہی انصاف سے کام لیں کہ رشدی کے ہفوات اور دیگر افراد کے کلمات کیا ایک سطح کے ہیں؟ اور پھر وحید الدین خان کو بھی چیلنج کریں گے کہ وہ گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران کسی نام نہاد مسلمان گھرانے میں پیدا شدہ "مسلمان" تو ایک طرف، کسی مسیحی گستاخ کو تاریخ کے کونے کھدرے سے ڈھونڈ کر لائیں جس کی تحریر میں اس قدر کثرت سے رذیل الفاظ کا استعمال، اس دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی کے ساتھ کیا گیا ہو۔ اگر نہیں تو پھر وحید الدین خان کو اپنے تجزیہ کی اس فاش غلطی پر امتِ مسلمہ سے معافی مانگنی چاہیے اور خداوند کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

(ا) رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے ابتدائی سالوں کے دوران قریش مکہ کے سلوک کا ذکر کرتے ہوئے وحید الدین خان رقم طراز ہیں: "واقعات بتاتے ہیں کہ آپؐ نے جب عربوں کے سامنے اپنی پیغمبرانہ دعوت پیش کی تو انہوں نے آپؐ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا۔ انہوں نے آپؐ کو عملی طور پر ستانے کے علاوہ آپؐ پر طرح طرح کے برے القاب چسپاں کئے۔ ان میں سے چند القاب نعوذ باللہ یہ تھے:

مقتول، بات بنانے والا...... ساحر، جادوگر...... مجنون، دیوانہ...... کذاب، بہت جھوٹ بولنے والا

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "جب ہم اس اعتبار سے دورِ اول کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ قسم کی گستاخی کرنے والے غیر مسلموں کے خلاف کبھی بھی اس طرح کی کارروائی نہیں کی گئی جو موجودہ مسلمانوں نے کی یا کر رہے ہیں" (صفحہ ۲۱۔۲۲)

(۲) عبداللہ ابن اُبی

عبداللہ ابن ابی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام لگانے والوں میں شامل تھا۔ مگر جیسا کہ اوپر وضاحت کی جاچکی ہے کہ واقعہ اِفک توہین عائشہ قرار پایا۔ تین مجرموں کو قذف کی سزا دی گئی۔ عبداللہ اُبی کو سزا نہ دی گئی۔ اس کی ایک وجہ تو حضور اکرم ﷺ کی اس سے "خصوصی رعایت" تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے وہ مدینہ کے حاکم بننے کی تیاری مکمل کر چکا تھا، جب آپؐ آگئے تو اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی تاریخ کے بعض مؤرخین نے حضور اکرم ﷺ کی اسے نظر انداز کرنے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ آپ اس کی تالیفِ قلب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن واقعہ اِفک میں بھی جو روایات کتب احادیث میں مذکور ہوئی ہیں۔ اس میں عبداللہ ابن ابی کا جو گستاخانہ جملہ بیان ہوا ہے وہ اس واقعہ کے شروع میں ہے۔ ایک ماہ تک افواہوں اور پروپیگنڈہ کا بازار گرم رہا لیکن اس دوران میں عبداللہ ابن اُبی سے منسوب کوئی بات روایت نہیں ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ واقعہ افک میں ملوث عبداللہ ابن اُبی کے علاوہ کل چھ افراد کے نام بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں تین منافق اور تین مسلمان تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے تین منافقوں پر قذف کی حد لاگو نہ کی جبکہ تین مسلمانوں مثلاً حسان بن ثابت، مسطح اور حمنہ بنت جحش پر نافذ کی گئی۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت تک قذف کی حد منافقین پر لاگو کرنے کا حکم وارد نہیں ہوا تھا۔ اس اعتبار سے واقعہ افک میں عبداللہ ابن اُبی کو جو رعایت ملی، وہ اس کے منافق ہونے کی وجہ سے ملی۔ راقم کی نظر میں یہ رائے راجح ہے۔

سلمان رشدی کی غلیظ ہفوات کو محض "بے ہودہ لغو وغیرہ" کہنے پر اکتفا کرنے والے وحید الدین خان نے عبداللہ ابن اُبی کی واقعہ افک میں گستاخی کو تفصیل کے ساتھ متعدد مقامات پر بیان کیا اور اسے "شدید ترین گستاخی" کہا ہے۔ وحید الدین خان نے اس کے علاوہ عبداللہ ابن اُبی کی دو اور

گستاخیوں کو بھی نقل کیا ہے۔ ایک موقع وہ تھا جب غزوہ بنی مصطلق (۵ھ) سے واپسی پر ایک چشمہ پر پانی لینے کے لئے ایک مہاجر اور ایک انصاری آپس میں لڑ گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے مداخلت فرما کر اس مسئلہ کو ختم کر دیا۔ البتہ اس موقع پر عبداللہ ابن اُبی نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کے سامنے اشتعال انگیز تقریر کی۔ اس نے کہا "خدا کی قسم، اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا" (صفحہ ۱۴۶) اگرچہ عبداللہ ابن ابی کی اس بات کا اشارہ حضور اکرم ﷺ اور تمام مہاجرین کی طرف تھا، مگر غور کیا جائے تو عبداللہ ابن ابی نے اپنے اس جملہ میں کسی کا نام نہ لیا تھا اور اس کا بالخصوص نام نہ لینا بھی حکمتِ خداوندی تھا۔ اللہ پاک نے اس منافق کی زبان سے واقعی ایک سچی بات نکلوائی تھی۔ کیونکہ مدینہ پہنچنے کے بعد عزت والوں نے ذلت والوں کو نکال دیا۔ مسلمانوں کو خدا نے عزت عطا کی۔ یہود اور منافقین مدینہ کے نصیب میں بدترین ذلت آئی۔

ایک اور واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ حضرت سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کرنے جا رہے تھے، راستہ میں عبداللہ ابن ابی کا قلعہ نما مکان تھا، وہاں اس کے پاس اس کے قبیلہ کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ وہاں سواری سے اتر پڑے اور عبداللہ ابن ابی کے پاس پہنچ کر اس کو سلام کیا۔ آپؐ تھوڑی دیر وہاں بیٹھے اور قرآن کا ایک حصہ پڑھ کر سنایا۔ عبداللہ ابن ابی بے پروائی کے ساتھ چپ چاپ سنتا رہا۔ جب آپ فارغ ہو چکے تو عبداللہ ابن ابی نے کہا: اے شخص! آپ کی یہ بات تو اچھی ہے لیکن اگر وہ حق ہے تو آپؐ اپنے گھر میں بیٹھیں اور جو شخص اس کو سننے کے لئے آپؐ کے پاس آئے اس کو سنائیں، اور جو شخص آپؐ کے پاس نہ آئے تو اس کو آپؐ تکلیف نہ دیں اور ایسے شخص کی مجلس میں اس کا ذکر نہ کریں جو اس کو ناپسند کرتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ ابن ابی کا یہ قول سخت ناگوار ہوا مگر آپؐ خاموشی سے بڑھ کر آگے بڑھ گئے" (صفحہ ۱۴۵)

بلاشبہ یہ گستاخانہ کلمات تھے اور واقعہ بنی مصطلق کے بعد عبداللہ ابن ابی کی تقریر سے مشتعل ہو کر حضرت عمرؓ نے رسول اکرم ﷺ سے اسے قتل کرنے کی اجازت بھی طلب کی تھی مگر آپؐ نے اس کی اجازت یہ کہہ کر نہ دی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابی منافقین کا سردار تھا، اس کے قبیلے کے خاصے لوگ سچے مسلمان تھے، جو قبائلی قیادت میں اس کو سردار مانتے تھے۔ علاوہ ازیں اس کی

سرگرمیاں زیادہ تر خفیہ تھیں، سامنے آکر مسلمانوں کی مخالفت کی اسے جراءت نہ تھی۔ جنگ اُحد میں عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے الگ ہو گیا تھا مگر واقعات بتاتے ہیں، کئی مواقع پر اس نے خلوص سے مسلمانوں کا ساتھ بھی دیا تھا۔ جنگ اُحد کے بعد بھی وہ لشکر اسلام میں شامل ہوتا رہا۔ غالباً رسول خدا ﷺ اس کی اسی نیم دلانہ حمایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سے درگزر کی پالیسی اپناتے رہے۔ اس کے جملے گستاخانہ تھے مگر ملعون رشدی کی ننگی گالیوں کے مقابلے میں وہ "بے حد نرم" کہے جاسکتے ہیں۔ اگر عبداللہ ابن اُبی وہی کلمات کہتا جو ملعون رشدی نے کہے، تو پھر اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہ تھا کہ اسے معاف کر دیا جاتا، اس کی گردن اس طرح کی پہلی گستاخی پر ہی اڑادی جاتی۔ عبداللہ ابن اُبی نے قرآنی آیات کو سن کر ناگواری کا اظہار کیا تھا مگر ملعون رشدی نے پورے قرآن مجید کو "شیطانی آیات" کا نام دے کر شدید اہانت کا ارتکاب کیا۔ اور خود وحید الدین خان لکھ چکے ہیں:

"اس سے بھی زیادہ لغو بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر پورے قرآن مجید کو کلام خداوندی کی بجائے نعوذ باللہ کلام شیطانی قرار دینے کی کوشش کی جائے" (ص ۴۴)

(۳) ھِند کی گستاخی

ھند ابوسفیان کی بیوی تھی۔ فتح مکہ پر یہ ایمان لے آئی تھیں۔ مگر اس سے پہلے شاعری کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی۔ وحید الدین خان نے سیرتِ ابن ہشام کے حوالہ سے ہند کے یہ ہجو یہ اشعار نقل کئے ہیں: مذمّما عصينا،...... وآشذه أبينا ...... و دينه قلينا

یعنی: "محمدؐ مذمت کئے ہوئے ہیں ...... ہم ان کا انکار کرتے ہیں ...... ہم ان کے حکم کو نہیں مانتے ...... اور ہم کو ان کے دین سے بغض ہے" (صفحہ ۱۳۵)

نوٹ: وحید الدین خان نے "محمدؐ" کے لفظ کا اپنی طرف سے ترجمہ میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہند کے اشعار میں اس نے نام نہیں لیا تھا اگرچہ اس کا اشارہ آپ کی طرف ہی تھا۔

(۴) سہیل بن عمرو کا معاملہ

سہیل بن عمرو بقول وحید الدین خان خطیبِ قریش تھے۔ ان کے اندر زبان آوری کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ اپنی اس صلاحیت کو انہوں نے بھرپور طریقے سے اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ وہ شعر اور خطابت کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر کے دوران یہ

گرفتار ہوئے مگران کو چھوڑ دیا گیا۔ معاہدۂ حدیبیہ کے دوران یہی سہیل بن عمرو تھے جو کفار کے نمائندہ کے طور پر آئے تھے۔ ۸ ھ کو جب مکہ فتح ہو گیا یہ اس وقت تک حالتِ کفر میں تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو کوئی سزا نہ دی۔ اس کے برعکس آپؐ نے اپنے اصحاب کو ان کے ساتھ حسن اخلاق کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا:

"جو شخص سہیل بن عمرو سے ملے، وہ اس کی طرف تیز نگاہوں سے نہ دیکھے میری جان کی قسم، بلاشبہ سہیل عقل اور شرف والا آدمی ہے اور سہیل جیسا آدمی اسلام سے بے خبر نہیں رہ سکتا"

غزوۂ ہوازن کے بعد سہیل بن عمرو نے اسلام قبول کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو مکہ کے بیشتر لوگوں نے چاہا کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ سہیل بن عمرو شاندار خطیب ہونے کے ساتھ ایک بارعب شخصیت والے آدمی تھے۔ انہوں نے پرزور تقریر کی۔ انہوں نے کہا سن لو، رسول اللہ ﷺ کی وفات نے اس کے سوا کچھ اور نہیں کیا ہے کہ اس کے اسلام کی قوت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ جو شخص ہمارے خلاف کرے گا، ہم تلوار سے اس کی گردن ماردیں گے" (صفحہ ۱۵۴۔۱۵۵)

(۵) ذوالخویصرہ کی گستاخی

ہم حضرت عمرؓ کے بیان میں اس کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ وہ بنو تمیم قبیلے کا ایک شخص تھا۔ جنگِ حنین کے بعد جب رسول خدا ﷺ غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے تو ذوالخویصرہ نے کہا "میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے عدل کیا ہو" وحید الدین خان نے ذوالخویصرہ کے ان الفاظ کے جو محرکات و مضمرات بتائے ہیں وہ قطعی طور پر ان کے اپنے ذہن کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ اگرچہ ذوالخویصرہ نے جو الفاظ ادا کئے، ظاہری طور پر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے "عدل" سے مطمئن نہ تھا۔

ذوالخویصرہ ایک سادہ لوح نو مسلم تھا۔ وہ رسالت مآبؐ کی صحبت میں زیادہ نہ رہا تھا۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران حضور اکرم ﷺ نے بعض افراد کو ان کی تالیفِ قلب کے لئے کچھ زیادہ مال عطا کیا۔ آپؐ اس طرح کی تالیفِ قلب اکثر فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً فتح مکہ اور غزوۂ ہوازن میں بھی آپؐ نے ایسا معاملہ فرمایا اور یہ دین کی عظیم مصلحتوں کے پیش نظر تھا اور واقعی اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ جیسا کہ وحید الدین خان نے سہیل بن عمرو کے

ضمن میں لکھا ہے "غزوۂ ہوازن کے بعد آپ نے ان کو ایک سو اونٹ تالیفِ قلب کے طور پر دیئے۔ اس عطیہ کے بعد وہ بالکل ڈھے پڑے اور اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی بن گئے" (صفحہ ۱۵۵) مگر ذوالخویصرہ جیسا سادہ لوح بدو دین کی ان مصلحتوں کو نہیں سمجھتا تھا۔ وہ عدل کا مفہوم دو جمع دو یا پھر ہر فرد کو مالِ غنیمت سے مساوی حصہ کا عطا کیا جانا سمجھتا تھا۔ جب آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، وہ آپؐ کے پاس کھڑا ہو گیا اور دیکھتا رہا (صفحہ ۱۶۰) اس نے جب دیکھا کہ سب لوگوں کو برابر حصہ نہیں مل رہا تو اس نے مذکورہ بات کی۔ اگر اس کے ذہن میں وہ بات ہوتی جس کا ذکر وحید الدین خان نے کیا ہے تو اغلب امکان اس بات کا ہے کہ وہ یہ بات زبان سے نہ نکالتا مگر وحید الدین خان اس واقع کو Play- up کر کے اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> "مذکورہ مسلمان (ذوالخویصرہ) کے معاملہ پر غور کیجئے۔ اس نے خدا کے رسولؐ کی شان میں جو گستاخی کی، وہ سادہ معنوں میں صرف ایک لفظی گستاخی نہ تھی، وہ خود آپ کی حیثیت رسالت پر ضرب لگانے کے ہم معنی تھی۔ اس شخص نے آپ کی عدالت پر شبہ کیا تھا اور آپؐ کو اپنے خیال کے مطابق غیر عادل بتایا تھا۔ یہ بات انتہائی حد تک سنگین ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت قرآن کے راوی کی ہے۔ ایسی حالت میں مذکورہ تمیمی مسلمان کا آپ کو غیر عادل بتانا گویا آپ کے راویٔ قرآن ہونے کی حیثیت کو مشتبہ قرار دینا ہے۔ یہ بلاشبہ سب سے زیادہ سخت بات ہے جو آپؐ کے خلاف کہی جا سکتی ہے۔ مذکورہ شخص نے اتنی سنگین بات کہی، اس کے باوجود اس کو نہ کوئی سزا دی گئی اور نہ ہی اس کو قتل کیا گیا۔ کیا اس کے بعد بھی اس میں شبہ کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی بجائے خود کوئی واجب القتل جرم نہیں ہے" (صفحہ ۱۶۱۔ ۱۶۲)

وحید الدین خان نے جو نتیجہ اس واقعہ پر تبصرہ کرنے کے بعد نکالا ہے وہ محض پہلے سے بنایا اور گھڑا گھڑایا (Pre-postrous) ہے۔ جس غلط فہمی کا شکار ذوالخویصرہ جیسا غیر معروف، جاہل، نو مسلم، سادہ لوح بدو ہوا تھا، اس طرح کی غلط فہمی اس طرح کے آدمی سے غیر متوقع نہیں ہے کیونکہ اپنی آنکھوں سے وہ مالِ غنیمت کی غیر مساوی تقسیم دیکھ رہا تھا اور تربیت کے مراحل سے نہیں گزرا تھا۔ اس طرح کی غلط فہمی تو فتح مکہ کے بعد بہت سے جید انصاری صحابہ کرام کو بھی ہوئی تھی۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے ابو سفیان اور دیگر مکہ کے سرداروں کی تالیفِ قلب کے لئے انہیں مالِ غنیمت سے بیش بہا مال دیا۔ جن کا بعض انصار نے اثر قبول کیا۔ ان میں سے بعض نے تو برملا اس کا اظہار بھی کیا۔ ایسے ہی موقع پر حضور اکرم ﷺ کا وہ مشہور ارشادِ مبارک ہے جس نے

انصار صحابہ کو رُلا کر رکھ دیا اور رقتِ قلبی سے ان کی چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے اس بدگمانی پر توبہ کی۔ آپؐ نے فرمایا: اے گروہ انصار! کیا آپ کو یہ گوارا نہیں کہ اہل مکہ تو اموال لے جائیں اور آپ کے ساتھ اللہ کا رسول چلا جائے“

تعجب کا معاملہ ہے کہ وحید الدین خان نے بے چارے ذوالخویصرہ کی اس سادہ لوحی پر مبنی گستاخی کو تو ”سنگین ترین“ بتلا کر باقاعدہ وہ من چاہا نتیجہ بھی نکال لیا ہے جس کو درست ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ۱۹۲ صفحہ کی کتاب ”شتم رسول کا مسئلہ“ لکھ ماری۔ مگر اس کتاب میں کہیں بھی اس نے ملعون رشدی کی گستاخی کو ”سنگین ترین“ نہیں لکھا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے ”اشتعال انگیز حد تک لغو“ لکھا ہے۔

ذوالخویصرہ کی مذکورہ گستاخی اور ملعون رشدی کی ہفوات میں کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ مگر وحید الدین خان مصر ہیں کہ یہ دونوں گستاخیاں ایک ہی مرتبے کی ہیں۔ علمی بددیانتی کو اگر اپنا ”مذہب“ بنالیا جائے تو پھر منطق کے نام پر ایسی یاوہ گوئیاں غیر متوقع نہیں رہتیں۔

(۶) عکرمہ بن ابوجہل کو معافی ملنے کی وجہ

وحید الدین خان نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی مخالفین میں عکرمہ بن ابوجہل کا ذکر بے حد تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے وہ رسول اکرم ﷺ کا سخت مخالف تھا اور اپنے باپ ابوجہل کے ساتھ تھا۔ گستاخی اور جارحیت کی کوئی قسم نہ تھی جو اس نے آپؐ کے خلاف اختیار نہ کی ہو۔

غزوہ اُحد میں وہ مشرک فوج کے میسرہ کا سردار تھا۔ فتح مکہ کے بعد وہ مکہ کو چھوڑ کر یمن کی طرف بھاگ گئے۔ ان کی بیوی جو مسلمان ہو گئی تھی۔ وہ یمن جا کر باصرار انہیں واپس لے آئیں۔ وہ انتہائی شرمساری کے ساتھ اپنا سر جھکائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: کیا مجھے امان ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں، تم کو امان ہے۔ آخر کار انہوں نے کلمہ شہادت ادا کر کے اسلام قبول کر لیا...... عکرمہ نے ہر جرم رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا تھا بظاہر وہ اس قابل تھے کہ انہیں قتل کر دیا جائے مگر رسولُ اللہ ﷺ قاتل نہیں تھے، داعی تھے، آپؐ نے انہیں یکطرفہ طور پر معاف کر دیا۔ (صفحہ ۱۵۸۔۱۶۰)

وحید الدین خان کتاب کا پیٹ بھرنے کے لئے ایسے واقعات بھی لکھتے چلے گئے ہیں

جن کا موضوع بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عکرمہ کا معاملہ درحقیقت عسکری مخالفت کا تھا۔ وہ کفارِ مکہ کے سب سے بڑے سردار یعنی ابوجہل کا بیٹا تھا۔ جنگ لڑنا ایک بہادرانہ فعل ہے چاہے وہ کسی بھی طرف سے لڑی جائے۔ جنگی بہادروں کو مخالف بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آج بھی کسی فوج کا سپہ سالار گرفتار ہو جائے، اسے فوراً قتل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بالعموم بعض شرائط کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جنگِ بدر کے بعد ۷۰ کفار کو رسول اللہ ﷺ نے گرفتار کرنے کے بعد معاف کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان جس نے مسلمانوں کے خلاف غزوۂ اُحد میں کفار کی قیادت کی تھی، آپؐ نے اعلان فرمایا کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اسے امان دے دی جائے گی۔ اس طرح کی وسعتِ ظرفی کا اظہار ہمیشہ مخالفین کو متاثر کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ وحید الدین خان نے لکھا ہے کہ عکرمہ کے جرم میں "گستاخی اور جارحیت" دونوں چیزیں شامل تھیں مگر جارحیت کا پلہ بھاری تھا اور یہ عسکری جارحیت تھی۔ عکرمہ ایک انتہائی بہادر سپہ سالار تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے اسلامی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے بہادری کے عظیم کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ آپؐ کے سامنے عکرمہ کا یہ پہلو بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔ اسی لئے جب یمن سے ان کی بیوی انہیں واپس لائیں تو بقول وحید الدین خان "عکرمہ جب آپؐ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نہایت خوش ہو کر ان کی طرف تیزی سے بڑھے، حتیٰ کہ آپ کی چادر آپؐ کے اوپر سے گر پڑی" (صفحہ ۱۵۹)

اس کے علاوہ چند اور وجوہات بھی تھیں جن کی بنا پر عکرمہ کو معافی کا مستحق ٹھہرایا گیا اور ان کا ذکر خود وحید الدین خان کی کتاب میں موجود ہے۔ وہ یہ تھیں:

(۱) عکرمہ کی بیوی ایمان لے آئی تھیں اور بحیثیتِ مسلمان کے انہوں نے اپنے کافر شوہر کی امان طلب کی تھی، جو عام اصول کے تحت انہیں دے دی گئی۔

(۲) عکرمہ نے سخت شرمساری کا اظہار کیا۔ ان کے رویہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خالص توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ وحید الدین خان کی کتاب کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "اسلام قبول کرنے کے بعد عکرمہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "میں آپ سے ایک چیز طلب کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم طلب کرو، میں تمہیں ضرور وہ چیز دوں گا۔ عکرمہ نے کہا میری آپ سے درخواست ہے کہ ہر دشمنی جو میں نے آپ کے ساتھ کی ہے، یا پھر وہ رکاوٹ جو میں نے آپ کے راستہ میں ڈالی ہے، ہر وہ لڑائی جو میں نے آپ کے خلاف لڑی ہے،

ہر وہ بدکلامی جو میں نے آپ کے منہ پر کی ہے، آپ کے پس پشت کی ہے، ان سب کو آپ معاف کر دیں اور ان کے بارے میں اللہ سے میرے لئے استغفار فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً ہی ان کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہر وہ عداوت جو عکرمہ نے میرے ساتھ کی، ہر وہ سرگرمی جو انہوں نے اس ارادہ سے کی کہ تیرے نور کو بجھا دیں، ان سب کو تو ان کے لئے معاف کر دے اور وہ سب کچھ جو انہوں نے میری بے آبروئی کے لئے کیا، خواہ میرے سامنے کیا ہو یا میرے پس پشت، ان سب کو تو ان سے معاف کر دے" (صفحہ ۱۵۹)

اب بتایئے اس طرح کی شرمساری اور ندامت کے ساتھ پیش ہونے والے ایک نوجوان بہادر سردار عکرمہ اور ملعون رشدی میں کیا مماثلت ہے۔ جو اپنی حرامزدگی اور دریدہ دہنی پر شرمسار تو کجا، الٹا نخوت، ڈھٹائی اور سرکشی میں مبتلا ہے۔ دس سال گزرنے کے بعد آج تک اس نے ایک بھی حرف ندامت ادا نہیں کیا۔ عکرمہ تو خوش قسمت تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کو معافی مل گئی تھی۔ اگر وہ ایک دو سال اور معافی نہ طلب کرتے تو رسول اللہ ﷺ کے وِصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ یا کسی اور مسلمان نے انہیں ہرگز معافی نہیں دینی تھی۔ ملعون رشدی جناب رسول اللہ ﷺ کا شاتم اور مجرم ہے، اسے مسلمان معافی کیسے دے سکتے ہیں۔ وہ ایک بزدل، کمینہ، گھٹیا اور پوچ انسان ہے، اس کا موازنہ عکرمہ جیسے عسکری سپہ سالار سے کرنا وحید الدین خان کا حوصلہ ہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر معاملے میں عقل پر مبنی واستدلال طلب کرنے کے عادی ہیں۔ عکرمہ کے واقعات سے جو انہوں نے نتیجہ اخذ کیا ہے اس پر خود علومِ منطق کو نوحہ خواں ہونا چاہئے۔

(۷) طائف کے سفر کے دوران آپ کو ملنے والی اذیت

وحید الدین خان نے رسول اکرم ﷺ کے طائف کے سفر کا ذکر تین صفحات میں پھیلایا ہے اور طائف کے سرداروں نے جو آپؐ کے ساتھ برا سلوک اور گستاخی کی، اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اور پھر بتایا ہے کہ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف سے ہی بعد میں لوگ اسلام آئے۔ بالخصوص محمد بن قاسم جس نے سندھ فتح کیا، وہ بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اگر طائف کے روز آپ ﷺ فرشتے کی پیش کش کو قبول کر لیتے تو اہل طائف کا نام و نشان مٹ جاتا۔ یہاں وحید الدین خان "اگلی نسلوں تک انتظار" کی سرخی جماتے ہیں۔ (صفحہ ۱۵۶۔۱۵۸)

طائف کا اذیت ناک واقعہ آپ کو اس وقت پیش آیا جب اسلام میں ابھی چند لوگ ہی داخل ہوئے تھے۔ یہ طائف کے لوگوں کی طرف سے اجتماعی گستاخی تھی۔ اگر آپ پسند کرتے تو فرشتہ کو اس قوم کو تباہ کرنے کی اجازت دے کر ان کی گستاخی پر سبق سکھا سکتے تھے مگر اس میں یہ خدشہ تھا کہ مجرموں کے ساتھ بے قصور لوگ بھی پس جاتے۔ اجتماعی گستاخی اور انفرادی سب وشتم میں بہت فرق ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کسی بھی قوم یا قبیلے کو اجتماعی مخالفت، جارحیت یا گستاخی پر سزا نہیں دی گئی۔ جن جن واقعات میں گستاخانِ رسول کو قتل کیا گیا وہ انفرادی سب وشتم کے واقعات تھے۔ اور ایسے افراد مسلسل اس سب وشتم کا ارتکاب کرتے رہے۔ طائف کے واقعہ اور رشدی کے ہفوات میں قطعاً کوئی مماثلت نہیں ہے۔ رشدی انفرادی گستاخی کا مرتکب ہوا ہے اور اس کی کتاب کے مسلسل ایڈیشن کا چھپنا اس کی گستاخانہ حرکت کے تسلسل کو ظاہر کرتا ہے وہ ہر اعتبار سے شتم رسول کی سزا میں موت کا مستحق ہے ایسی گستاخی کی ملتِ اسلامیہ کے نزدیک متفقہ طور پر یہ سزا ہے۔

(۸) رسول اکرم ﷺ کو آبتر کہنا

العاص بن وائل قدیم مکہ کا ایک مشرک سردار تھا، وہ آپؐ کو ابتر یعنی لاوارث ہونے کا طعنہ دیتا تھا کیونکہ آپؐ کی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ وہ لوگوں سے کہتا کہ انہیں چھوڑ دو وہ تو ایک آبتر شخص ہیں ان کے بعد ان کا کوئی وارث نہیں۔ جب وہ ختم ہوں گے تو ان کا ذکر بھی ختم ہو جائے گا۔ وحید الدین خان اس پر تبصرہ کرتے ہیں......

> "یہ واضح طور پر شتم رسول کا واقعہ تھا۔ اب اس کا جواب یہ نہیں تھا کہ عاص بن وائل اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔"

عاص بن وائل ایک کافر شخص تھا۔ اور اس نے جس وقت یہ بات کی تھی وہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا مکی دور تھا۔ ابھی اسلامی نظام قائم نہیں ہوا تھا۔ لوگوں پر اسلام کی تعلیمات کی عظمت بھی واضح نہیں ہوئی تھی۔ بھلا چودہ سو سال کے بعد کے رشدانی ہفوات اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے پہلے چند سال کے واقعات کو برابر قرار دے کر شتم رسول کی سزا کی مخالفت کرنا پرلے درجہ کی مضحکہ خیز منطق نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر آبتر اور رشدی کی ہفوات کا موازنہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وحید الدین خان کو یا تو مسئلہ زیر غور کی سنگینی اور شدت کا احساس نہیں یا پھر جان بوجھ کر وہ سوئے تاویل سے کام لے کر اس معاملے میں گمراہ کرنے کے مشن پر نکل

کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فرض کر رکھا ہے کہ وہ لوگ جو سلمان رشدی کے قتل کا مطالبہ کر رہے ہیں، وہ رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کی رحم دلی اور عفو و درگزر پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لئے وہ ایسے واقعات کا انبوہِ کثیر جمع کر چکے ہیں جن کا رشدی ؔ کے معاملہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب وہ معمولی معمولی باتیں باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے حد واہیات طریقے سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھیں کہ فلاں نے یہ کہا، فلاں نے یہ کہا مگر اس کو قتل نہیں کیا گیا۔ ہم ایک بار پھر دہراتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے پیش نظر بعض افراد کو معاف کر دیا تھا اور بعض کو معاف نہ کیا۔ جن کو معاف کیا، ان میں سے ایک کی بھی گستاخی اس درجہ میں نہیں تھی جیسا کہ سلمان رشدی کی ہفواتی گستاخیاں۔ لیکن جنہیں قتل کی سزا دی گئی وہ تمام کے تمام اس قبیل کے گستاخ تھے۔

(۹) علامہ اقبالؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ پر شتم رسول کا الزام؟

مولانا وحید الدین خان نے "نا قابل فہم" عنوان کے تحت واقعی بعض "نا قابل فہم" بلکہ نا معقول باتیں درج کی ہیں۔ وہ علامہ اقبالؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے دو اشعار منتخب کر کے لائے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اچھا اگر "شتم رسول" کی تعریف اتنی وسیع ہے تو یہ حضرات بھی "شتم رسول" کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

> "مثال کے طور پر علامہ اقبالؒ کی نظم نظام الدین اولیاء کے بارے میں ہے۔ اس کا عنوان "التجائے مسافر" ہے۔ اس نظم کے دو مصرعے یہاں نقل کیے جاتے ہیں، اس میں پیغمبر کے اوپر غیر پیغمبر کو بلند مرتبہ بتایا گیا ہے جو ہر تعریف کے مطابق شتم رسول ہے

مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا فرشتے پڑھتے ہیں جن کو وہ نام ہے تیرا

یہ بظاہر نعتیہ اشعار ہیں۔ اس میں ظاہر ہے علامہ اقبالؒ کی وہ نیت معاذ اللہ نہیں ہو سکتی جس کا "فتویٰ" وحید الدین خان نے صادر فرمایا ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں "اسی طرح مشہور دیوبندی عالم مولانا محمود حسن صاحب کو بھی خدانخواستہ انہیں شاتمین کی صف میں شمار کرنا پڑے گا کیونکہ ان کے فرمودات میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی تحقیر کو مستلزم ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا یہ شعر

مردوں کو زندہ کیا، زندوں کو مرنے نہ دیا　　اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم (صفحہ ۱۰۳)

بظاہر اس بے ضرر سے شعر میں وحید الدین خان کو نجانے "شتم رسول" کو بو کہاں سے آگئی۔ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ سلمان رشدی ملعون کے ساتھ یہ "خصوصی سلوک" کیوں؟ ایسے اشعار لکھنے والوں کو بھی شتم رسول کی سزا ملنی چاہیے۔

قارئین کرام! باقی خود ہی فیصلہ اس "حسن انتخاب" کے بارے میں کریں۔ وحید الدین کا "حسن استدلال" مزید تبصرے کا محتاج نہیں ہے۔

آزادیٔ افکار ایک فریب کارانہ اصطلاح

محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ

بھارت کے ایک خودرو مولانا وحید الدین خان نے "شتم رسول ﷺ کا مسئلہ" کے عنوان سے مضامین لکھے جن کو سال 1996ء میں شائع کیا گیا ہے جس میں "رواداری' آزادی' آزادیٔ اظہارِ خیال" اور "آزادیٔ افکار" کی فریب کارانہ اصلاحات کا سہارا لے کر گستاخانِ رسول ﷺ اور شیطان رشدی کی بھرپور وکالت کی گئی ہے کتاب کا مقصد وحید یہ بتلانا ہے کہ توہینِ رسالت ﷺ سرے سے کوئی جرم ہی نہیں اور اہانتِ رسول ﷺ پر احتجاج اور ایجی ٹیشن ان کے اپنے **الفاظ** میں "احمقانہ مہم" ہے۔ اپنی کتاب کے باب دور آزادی میں موصوف فرماتے ہیں: "قدیم زمانہ میں "اظہارِ خیال کی آزادی" کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ جدید انقلاب تمام تر اسی تصورِ آزادی کی دین ہے جس کا ذکر ایڈورڈ مٹیمر (ایک برطانوی صحافی) نے اپنے مضمون رشدی کے بارے میں کیا ہے۔" رشدی کے خلاف احتجاج کی مذمت کرتے ہوئے صحافی مذکور لکھتا ہے:

> "یہ احتجاج ہمارے مذہب پر حملہ ہے۔ مذہب سے مراد ایسا مذہب ہے جو ایران کا ہے۔ برطانیہ اور آزاد دنیا کا مذہب اپنے وسیع تر معانی میں آزادی ہے جس کی بنیاد لوک' والٹیر' برک اور امریکن دستور کے مصنفین وغیرہ نے رکھی ہے۔"

اس مضمون کا جس کا اقتباس ہم نے قوسین میں دیا ہے' حوالہ دے کر خان مذکور لکھتے ہیں:

> "اس آزادی نے تاریخ میں پہلی بار ہر ایک کے لیے اپنے فکر و خیال کے اظہار کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔ آزادی فکر آج ایسا مسلمہ حق بن چکا ہے جس سے انکار نہ کیا جا سکے۔"

فکر و خیال کی اسی آزادی کے حق کو رشدی نے اپنی کتاب "شیطانی آیات" میں استعمال کیا

ہے۔ شیطان ہر دور میں ایسی نت نئی تراکیب اور اصطلاحات وضع کرتا رہتا ہے جو بظاہر نہایت پرکشش اور دلفریب نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ انسان کی ہلاکت اور تباہی کے لیے مہلک ترین حربے ثابت ہوئے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں شیطان نے "آرٹ برائے آرٹ" کے نام سے عریانی اور فحاشی کے لیے جواز فراہم کیا۔ جب یہ اصطلاح پرانی اور فرسودہ ہونے لگی تو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ اسی کا نام "آرٹ" رکھ دیا اور اس کی سرپرستی میں ہر قسم کی بے راہ روی اور عریانی کی نمائش ہوتی رہی۔ اس سے بھی جب شیطانی عزائم اور مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آتے تو اس نے ایک اور لفظ "آزادیٔ افکار" ایجاد کیا' جس نے انسان کے خیالات و افکار کو بے لگام کر کے اسے تمام اخلاقی حدود و قیود سے آزاد کر دیا۔ اس نے سب سے پہلے یورپ' امریکہ اور روس کو مذہب اور اخلاقی شعور سے بیگانہ کر دیا۔ اقبالؒ کی پیغمبرانہ بصیرت نے شروع ہی میں دیکھ لیا تھا کہ یہ فتنہ کہاں سے سر اٹھا رہا ہے۔ اس لیے اس نے ایشیا والوں کو خبردار کیا تھا "آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد۔" یہ آزادیٔ افکار' دین' مذہب و اخلاق و شرافت کے خلاف شیطان کی کھلی جنگ ہے۔ اس کے لیے ابلیس اپنے سورماؤں کو تازہ دم کمک بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے ہراول دستہ سے رشدی نے اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ مسلمانوں کے مرکز قلب و روح حضور ﷺ کی جناب میں گستاخی کی جسارت کی ہے۔ اس کی حمایت صرف ایک خودرو مولانا نے کی ہے جن کا پیدائشی نام وحید الدین خان ہے۔ مداہنت اور چاپلوسی کو انہوں نے "رواداری" اور ذہنی غلامی کو آزادی کا نام دے رکھا ہے۔ برطانوی صحافی کا ٹائمز آف انڈیا میں مذکور الصدر مضمون پڑھنے کے بعد لوگ' روسو اور دانشورانِ مغرب کو موصوف اپنا پیشوا سمجھنے لگے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں وہی آزادی کے اولیں علمبردار ہیں۔ مگر ان حضرات کے کرم خوردہ ذہن کی رسائی حقیقتِ کبریٰ کی ان بلندیوں تک نہیں ہو سکی جہاں سے آزادی کے اولین چارٹر کا اعلان حضورِ ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے خطبۂ حجتہ الوداع میں کرتے ہوئے رنگ و نسل' زبان اور ملک و نسب کے سارے امتیازات مٹا دیئے اور توحید کے کلمۂ گیتی نورد سے عالم انسانی کی وحدت کو استوار کیا۔ اس طرح انسان کو ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر دیا۔ سوئس نژاد فرانسیسی مفکر روسو جسے انقلابِ فرانس کا بانی سمجھا جاتا ہے' اس کے بارے میں تاریخی شواہد موجود ہیں کہ اس نے اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے بعد عیسائی مذہب کے عقائد' رسوم اور توہمات جنہوں نے انسان کو ناروا پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا' کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ جس کی پاداش میں اسے مرتد قرار دے کر فرانس بدر کر دیا گیا تھا۔ اس کی کتاب معاہدۂ عمرانی (Due Contract Social) کو انقلابِ فرانس کی انجیل کہا جاتا ہے۔ اس میں اسلامی عقائد اور افکار کی گہری چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ خاص طور پر اس کا وہ مقبول عام جملہ "انسان تو آزاد پیدا ہوا تھا مگر ہر جگہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے" اسلام ہی سے مستعار لیا ہوا ہے۔

ژاں ژاک روسو اٹھارہویں صدی عیسوی میں بھی انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ رہا ہے لیکن اس سے بارہ سو سال قبل خدا کے پیغمبر اوّلیں اور آخریں ﷺ نے انسان کو غلامی کی ساری جکڑبندیوں سے آزاد کر دیا تھا جس کی خود قرآن گواہی دے رہا ہے :

"ویضع عنھم اصرھم والاغلال کانت علیھم"

"اور وہ (پیغمبر ﷺ) ان سے (ناروا) بوجھ جو ان پر لدے ہوئے تھے اور ان زنجیروں سے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے آزاد کرتا ہے۔"

آزادی کے لیے یہ پیغمبرانہ طریق کار، کسی خاص گروہ، نسل یا قوم کے لیے نہیں بلکہ سارے انسانوں کے لیے برپا کیا گیا تھا۔ یہ تھا آزادی کا وہ دریائے بے کراں جس کی تند و تیز لہریں صحرائے عرب سے اٹھ کر افریقہ اور یورپ تک پہنچیں۔ قرآن کے اسی اعلان کی روشنی میں عمر فاروقؓ نے گورنر مصر عمرو بن العاص کو سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا :

"عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

اسلامی ریاست میں یہی وہ آزادی تھی جس نے افریقہ کے ایک قبطی اور مصر کے عرب گورنر کے بیٹے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ حضرت عمرؓ کا یہی وہ جملہ تھا جو یورپ نے روسو کی زبان سے اٹھارہویں صدی میں سنا۔ پھر بھی وہ اس معنویت کو ادا نہ کر سکا جو فرمانِ پیغمبر ﷺ اور قولِ عمرؓ کے اندر پائی جاتی ہے، کیونکہ روسو اور اس کے ہم عصر اس اخلاقی اور روحانی قدر کو نہ دیکھ سکے جو آزادی کے اندر اسلام کی بدولت کارفرما تھی۔ کلیسا اور شہنشاہیت کی ظالمانہ جکڑبندیوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لیے انہوں نے مطلق اور بے قید آزادی کا نعرہ لگایا جو عوام تک پہنچ کر آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ اس وقت وہ اس کے خطرناک انجام سے بے خبر تھے جو اب انسانیت کے لیے وبالِ جان بن گیا ہے۔ جب تک افکار و عمل کی آزادی پر اسلام کی اخلاقی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں اس وقت تک انسانیت بغیر کسی اخلاقی نصب العین کے ہلاکت اور تباہی کی مہیب وادیوں میں بھٹکتی پھرے گی اور انسانی ارتقاء کا عمل نامکمل رہے گا۔ وحید الدین دو صدی قبل کے مغربی مفکرین کے روحانی تصور کو آزادی کی نیلم پری سمجھ بیٹھے ہیں، جس کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ یورپ میں خونی انقلاب کی شورشیں ختم ہونے کے بعد وہاں بھی آزادی کے غیر منطقی اور منفی تصور میں کافی مثبت تبدیلیاں آچکی ہیں، کیونکہ دنیا کو بالآخر پیغمبر ﷺ کے اسی فرمان اور اسی قولِ عمرؓ سے رجوع کرنا پڑا جس نے آزادی کے حدود کو متعین کر کے اس کو اخلاقی شعور سے سرفراز کیا تھا، جس کے بغیر انسان کی آزادی کی تکمیل ممکن نہ تھی اور نہ ہی اسے ضمیر کی آزادی نصیب ہوتی۔ اس مسلمہ حقیقت کو خان موصوف یکسر فراموش کر چکے ہیں کہ یہ اخلاق ہی کی قوت ہے جو انسان کو حیوانیت

کی پست سطح سے اٹھا کر انسانیت کے بلند مقام تک پہنچا دیتی ہے۔

وحید الدین خان کی کتاب ''مسئلہ شتم رسول'' کو پڑھنے کے بعد یہ تاثر یقین میں بدل جاتا ہے کہ موصوف پولیٹیکل سائنس، آئین و قانون اور اصول فقہ Science of Jurispru-dence کی مبادیات سے بھی واقف نہیں، ورنہ وہ ایسی احمقانہ غلطی نہ کرتے۔ روسو کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ اس نے کن حالات میں آزادئ مطلق کا نعرہ لگایا تھا لیکن اسی کے ہم عصر برک (Burke) نے دولتِ مشترکہ کے آئین کو اخلاقی قدر پر قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا اور آزادی کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے اس نے دار العوام House of Commons میں کہا تھا ''آزادی پر قائم بر قرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے حدود کو متعین کیا جائے۔ ان کا ماخذ بھی دراصل یہی اسلامی اصول ہیں۔ ہم یہاں علی وجہ البصیرت بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی آئین یا دستور خواہ وہ تحریری ہو غیر تحریری ایسا نہیں جس کی اساس ان ہی اسلامی اصولوں پر استوار نہ ہو، جو آزادی کے حدود اور قیود متعین کرتے ہیں اور جس میں اخلاقی پابندی کو شامل نہ کیا گیا ہو۔

ہم یہاں صرف چند معروف دستوروں کا حوالہ دیں گے جو سیکولرازم کے دعوئ دار ہیں لیکن ان میں بھی آزادئ مطلق کا حق نہیں دیا گیا، سب سے پہلے فرانس کے آئین کو دیکھئے۔ اس کے آرٹیکل نمبر 1 میں کہا گیا ہے :

> ''انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا۔ اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے لیکن سماجی حیثیت کا تعلق مفادِ عامہ کے پیش نظر کیا جائے گا۔''

اسی آئین کے آرٹیکل نمبر 4 میں کہا گیا ہے :

> ''آزادی کا حق اسی حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور ان حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعہ کیا جائے گا۔''

اسی طرح جمہوریۂ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر 1 کی رو سے تکریم انسانی (Dignity of Man) ولقد کرمنا بنی آدمo (القرآن 70:71) کو ناقابلِ تنسیخ حق قرار دیا گیا ہے۔ اس آئین کے آرٹیکل نمبر 5 میں کہا گیا ہے :

> ''ہر شخص کو تحریر، تقریر اور اظہارِ خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے۔''

مگر اس کے ساتھ ہی آرٹیکل نمبر 5 کے ذیلی آرٹیکل نمبر 2 میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ حقوق، قانونِ عام، قواعد و ضوابط اور شخصی عزت و تکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیے جا سکیں گے۔

امریکہ میں آزادئ تحریر و تقریر وہاں کے دستور میں پہلی ترمیم کے بعد حاصل ہوئے

لیکن اس میں بھی مطلق آزادی کا کوئی تصور نہیں۔ امریکن سپریم کورٹ کے فیصلوں کے مطابق دستور بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص بھی ایسی غیر ذمہ دارانہ تحریر یا تقریر کرے جو عوام میں اشتعال انگیزی کا باعث ہو اس لیے ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی قاہرانہ طاقت استعمال کر کے ایسی آزادی کو سلب کر لے جو امنِ عامہ میں خلل انداز ہو یا اس کی وجہ سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہو (286 US 652) امریکہ کی سپریم کورٹ نے آزادئ مذہب کے بارے میں اپنے ایک معرکتہ الآرا فیصلہ میں لکھا ہے کہ آزادئ مذہب کے نام پر توہینِ مسیحؑ کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس سے پیروانِ مسیحؑ کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اس فیصلہ کا اقتباس ہم نے اپنی کتاب "ناموسِ رسول اور توہینِ رسالت" کے باب پنجم میں دیا ہوا ہے۔"

برطانیہ میں اگرچہ تحریری دستور موجود نہیں لیکن وہاں کے غیر تحریری آئین میں بھی کسی کو آزادئ تحریر و تقریر اور آزادئ اظہارِ خیال کے حق کی بناء پر ایسا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے کہ وہ برٹش لاء کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی زبان یا قلم کو استعمال کرے۔ اس بارے میں یورپ کے مسلمہ مفکر آئین و قانون ڈایسی نے لکھا ہے:

> "ایسا بیان جو شخصی توہین یا توہینِ مسیحؑ کی زد میں آئے، اس کا اظہار خواہ کسی خط یا کارڈ ہی کے ذریعہ کیوں نہ کیا جائے اس کی حیثیت کسی کتاب یا اخبار میں شائع شدہ بیان ہی کی طرح متصور ہوگی اس لیے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ برطانیہ میں پریس مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔"
>
> (آئینی قانون۔ اے وی ڈایسی ص 247)

البتہ برطانیہ میں آزادئ تقریر کے لیے کچھ اہتمام کیا گیا ہے۔ وہاں ہائیڈ پارک میں ایک چھوٹا سا گوشہ مختص ہے جو سپیکر کارنر کے نام سے مشہور ہے۔ اس مختصر سی جگہ میں مختص اوقات کے اندر ہر شخص کو جو جی میں آئے کہنے یا بکنے کی چھوٹ دی گئی ہے لیکن یہاں بھی کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ یا برطانیہ کی ملکہ معظمہ کی شان میں کسی قسم کی کوئی گستاخی کرے۔

خود انڈیا جہاں کے وحید الدین باشندے ہیں، کے آئین کی متعلقہ دفعات (Articles) کو پڑھ لیتے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے تو آزادئ اظہارِ خیال کے بارے میں اسی طرح کی نامعقول باتیں شاید نہ کرتے۔ انڈین کانسٹی ٹیوشن کا آرٹیکل نمبر 19 آزادی اظہار خیال اور آزادئ تحریر و تقریر اور دیگر حقوق سے متعلق ہے۔ آرٹیکل نمبر 19 کی ذیلی دفعہ (2) میں کہا گیا ہے کہ آزادی تحریر و تقریر اور آزادئ اظہارِ خیال کے حق سے موجود قوانین متاثر نہیں ہوں گے بالفاظِ دیگر یہ آزادانہ حقوق ان قوانین کے حدود سے تجاوز نہیں کر سکیں گے جو انڈیا میں نافذ العمل ہوں گے۔ ریاست کو ان آزادانہ حقوق پر معقول پابندیاں عائد کرنے کی قانون سازی کا حق حاصل ہوگا جو

انڈیا کی بالادستی اور اس کے تحفظ سے متعلق ہوں اور جن کا تعلق ملک کے نظم و ضبط، شخصی عزت تہذیب و شائستگی اور اخلاقی اقدار سے وابستہ ہو۔ شائستگی (Decency) کا لفظ دوسرے دستاویز میں واضح طور پر موجود نہیں جس طرح کہ انڈیا کے دستور میں اسے بطورِ خاص استعمال کیا گیا ہے۔

ہم نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کا ذکر اس لیے مناسب خیال نہیں کیا کہ کہیں موصوف اس کے نام سے بدک نہ جائیں کیونکہ یہ لادینی (Secular) آئین نہیں ہے۔ آزادیٔ تحریر و تقریر اور آزادیٔ اظہار خیال پر آئینِ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آرٹیکل نمبر 19 ہی کے تحت وہی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا ذکر انڈیا کے دستور کے متعلقہ آرٹیکل کے تحت آچکا ہے۔ اس میں بھی تہذیب و شائستگی، نظم و ضبط اور اخلاق کی پابندی کا بطورِ خاص ذکر موجود ہے لیکن جو چیز اسے انڈیا اور دوسرے دستوروں سے ممتاز کرتی ہے اور جس کا ذکر اس آرٹیکل میں سب سے پہلے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شوکتِ اسلام (Glory of Islam) کے منافی ان آزادانہ حقوق کے استعمال کی کسی صورت اجازت نہیں دی جائے گی۔

چونکہ وحید الدین خان کی ذہنی ساخت سیکولر ہے اس لیے گمانِ غالب ہے کہ گلوری آف اسلام کے الفاظ ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر سکیں گے اس لیے ہم ان کی مزید وضاحت نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ یہ بات ان حضرات کے گوش گزار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آزادیٔ تحریر و تقریر اور اظہارِ خیال کی آزادی دنیا کو سب سے پہلے اسلام نے دی تھی بلکہ اس کو اخلاقی اقدار، شرافت اور شائستگی اور معقول پابندیوں کے ساتھ مشروط بھی اسلام ہی نے کیا تھا جس کو ساری دنیا نے بعد میں تسلیم کر لیا اور اس کو اپنے آئین اور قانون کا جزو لاینفک بنا لیا۔ وگرنہ ان پابندیوں کے بغیر معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا اور ان کے بغیر کوئی ریاست، کوئی حکومت اپنا وجود ہی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ اس کم علمی کی وجہ سے جو جہالت سے بھی زیادہ خطرناک چیز ہے، وحید الدین آزادی کے صحیح مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون، کوئی آئین کسی کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اخلاقی حدود کو پھلانگتے ہوئے اور شرافت اور شائستگی کی اونچی سطح سے اتر کر آزادی کے نام پر دشنام طرازی اور دل آزادی کرے اور اسے آزادیٔ تقریر کا حق سمجھ لے۔ خان صاحب موصوف سے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ وہ لال قلعہ کی چھت پر کھڑے ہو کر گاندھی جی، اندرا گاندھی، جواہر لال نہرو یا راشٹرپتی کو مغلظات سنائیں۔ پھر انہیں پولیس اظہارِ خیال کی آزادی اور آزادیٔ تقریر کا مفہوم اچھی طرح سمجھا دے گی اور انہیں اس مقام پر پہنچا دے گی جہاں مرفوع القلم (Lunatic) حضرات کو حفاظت رکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو رواداری کا سبق دینے والے اور انہیں رشدی جیسے دریدہ دہن شخص کی گندی گالیوں پر صبر کی تلقین کرنے والے ان حضرت میں کیا یہ حوصلہ ہے کہ وہ اس شخص کو برداشت کر لیں گے جو ان کی ماں، بہن، بیٹی، بہو اور بزرگوں کو وہی ننگی

گالیاں دیتا پھرے جو شیطان رشدی نے اپنی کتاب ابلیسی خرافات میں جا بجا دی ہوئی ہیں۔

وحید الدین خان کی یہ کتاب پاکستان میں ہماری تحریک ناموسِ رسول ﷺ جس کے نتیجہ میں یہاں قانون توہینِ رسالت نافذ ہوا' کے بعد کی پیداوار ہے۔ اس بندہ عاجز نے اپنی اس کتاب "ناموسِ رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ" میں ان تمام طاغوتی خیالات کا جو خان صاحب اور موصوف کے ممدوحین کے دماغ میں کلبلا رہے تھے' پہلے ہی جواب دے دیا تھا۔ اب ہماری یہ کتاب ہانگ کانگ کی انٹرنیشنل اسلامک سوسائٹی انگریزی میں ترجمہ کروا کر ساری دنیا میں اس کی اشاعت کا اہتمام کر رہی ہے۔ مولانا نے رشدی کے جوش حمایت میں قلابازیوں کے ایسے ایسے کرتب دکھائے ہیں کہ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔ مولانا کا ہدف بیچارہ "اردو خواں" طبقہ ہے خواہ وہ یورپ میں ہو یا امریکہ میں' ہندوستان' پاکستان میں ہو' بنگلہ دیش یا دنیا کے کسی حصہ میں ہو ساری شرارت اور کارستانی اسی طبقہ کی ہے جس کی وجہ سے بقول مولانا یہ "لغو ایجی ٹیشن اور ہنگامہ دارو گیر رشدی کے خلاف دنیا میں جگہ جگہ برپا ہوا۔ اسی لیے مغربی دنیا سلمان رشدی کو اپنا معاملہ بنا کر مسلم دنیا کے خلاف کمربستہ ہے۔ مغربی دنیا کی طرف سے سلمان رشدی کی حمایت کا سبب اسلام دشمنی نہیں ہے' جیسا کہ مسلم رہنما سطحی طور پر اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ان کے اپنے مذہب کا دفاع ہے' ٹھیک اسی طرح جس طرح مسلمان اپنے مذہب کے دفاع میں متحرک ہیں۔ اس طرح یہ لڑائی مسلمان بمقابلہ رشدی نہیں رہی بلکہ مسلمان بمقابلہ مغرب بن گئی ہے۔"

مولانا چالیس سال سے پوری قوت اور طاقت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں اور یہ مہم چلا رہے ہیں کہ یہ کم نصیب "اردو خواں" طبقہ راہِ راست پر آجائے۔ بھاری بھر کم کتابوں سے اپنی تحریروں' تقریروں اور لٹریچر کے انبار سے اس "طبقہ" کو سمجھا رہے ہیں کہ وہ اپنے دین و مذہب پر اس طرح حملہ پر مشتعل نہ ہوں۔ اسلام اور مرکز اسلام کی اہانت' توہین اور دشنام طرازیوں پر غم و غصہ کا اظہار اور ایجی ٹیشن لغو اور بہت بری بات ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ حضور ﷺ رسولِ رحمت ہیں۔ بلاشبہ آپ ﷺ رحمتہ للعالمین ہیں مگر مولانا سے یہ کون پوچھے کہ حضرت! اللہ میاں بھی تو ارحم الراحمین ہیں لیکن وہ بھی اپنے منکرین اور نافرمان بندوں کو' اپنے رسولوں کے منکرین اور ان کی اطاعت سے انکار کرنے والوں و ران کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو سخت سزا اور عذابِ شدید کی وعید سنا رہے ہیں۔ معلوم نہیں خدا کا اپنے بندوں کے ساتھ اس طرح سلوک کے بارے میں مولانا کا کیا خیال ہے؟

مولانا نے جن کا شمار بھارت کے چوٹی کے فضلاء میں ہوتا ہے' ملت کے لیے اتنے پاپڑ بیلے ہیں اس کے باوجود اس ناسمجھ "اردو خواں طبقہ" پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ "سوچنے کی بات" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں "اس کام میں اگرچہ مجھے "ملت" کا (یہاں اردو داں طبقہ کو

ملت کہہ دیا ہے) مطلوبہ تعاون حاصل نہ ہو سکا۔"

جس کی وہ اتنے عرصہ دراز سے آس لگائے بیٹھے تھے اور ابھی تک اسی سوچ اور فکر میں غلطاں اور پیچاں ہیں مگر داد دیجئے ان کی ہمت پر کہ اس نامرادی کے باوجود وہ اس شوقِ فضول سے باز نہیں آئے۔ فرماتے ہیں "تاہم میں نے اپنی پوری طاقت اس کام میں لگا رکھی ہے۔"

سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ رشدی نے اپنی ابلیسی کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے۔ "اردو خواں" طبقہ نے اس کو کیسے پڑھ لیا۔ اگر پڑھ بھی لیا تو اسے کیسے سمجھ لیا؟ جب کہ وہ مولانا کی اردو میں لکھی ہوئی چالیس سالہ تحریروں کو بھی نہیں سمجھ سکے! ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ مولانا کی "مادری زبان" کیا ہے؟ مولانا 'اردو جیسی کم مایہ زبان کی بجائے رشدی کی طرح انگریزی کو آزادیٔ اظہار کا ذریعہ بناتے تو شاید انگریزی داں طبقہ پر اس کا خاطر خواہ اثر ہوتا۔ ہم نے لفظ شاید اس لیے لکھا ہے کہ انگریزی داں طبقہ نے رشدی کی کتاب اور اس کے اظہارِ خیال پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ برطانیہ کے انگریزی زبان کے معروف نقاد ابرون واف (Auberon Waugh) نے تو یہ مطالبہ کیا ہے کہ رشدی کو خراب انگلش لکھنے پر سزا دینا چاہیے۔ خود بھارت کے دانشور خشونت سنگھ نے رشدی کی اس کتاب کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ بطور ناول بھی یہ کتاب پڑھنے کے لائق نہیں۔ یہ باتیں مولانا کے علم میں ہیں۔ فیض احمد فیض کا جو انگریزی کے بہت بڑے رائٹر تھے رشدی کی انگریزی کے بارے میں یہ تبصرہ ہے کہ مغرب کی اس سے بڑھ کر اور کیا بدنصیبی ہو سکتی ہے کہ رشدی جیسے شخص کو برطانیہ کے ناول نگاروں میں شامل کیا گیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ "اردو داں" تھے۔ مولانا کے ترکش کا کوئی تیر ایسا نہیں جس کی زد میں آکر کوئی بچ سکا ہو۔ "ملت" تو خیر شروع ہی سے ان کے زیرِ عتاب رہی ہے۔ شاتمِ رسول ﷺ رشدی کے خلاف مسلمانوں کے "شور و غل" پر مولانا خوب گرجے برسے ہیں مگر اس کو انہوں نے کافی نہیں سمجھا اور ملت کو معاف نہیں کیا بلکہ وہ اس کو سخت سزا دینے کے لیے پوری قوت مجتمع کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں "ایجی ٹیشن" ناجائز ہے اس لیے انہوں نے ملت اور ملت کے رہنماؤں پر فردِ جرم عائد کر دی ہے۔

فردِ جرم

"مسلم رہنماؤں کی یہ غلطی صحیح لفظ سرکشی ہے بلاشبہ آخری حد تک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ یہ جرم (ایجی ٹیشن شور و غل) یقیناً سلمان رشدی کے جرم سے بھی زیادہ سنگین تر ہے۔ سلمان رشدی کو کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش میں مسلمان رہنماؤں نے خود اپنے آپ کو شدید تر قسم کے مجرمانہ کٹہرے میں کھڑا کیا ہے۔" اس طرح جرم کو ناقابلِ معافی قرار دے کر سنگین ترین سزا یعنی اجتماعی سزائے موت کا فیصلہ مولانا نے سنا دیا اور دوسری طرف رشدی کو تمام جرائم سے نہ

صرف بری کر دیا بلکہ اسے ادبی ہیرو بنا دیا۔ فرماتے ہیں "مسلمانوں کے اس احمقانہ اقدام کے آخری نتیجہ میں سلمان رشدی ہیرو بن کر برطانیہ کی شاہی حفاظت میں بیٹھا ہوا ہے۔"

اس کے تحفظ کے بارے میں ایک قانونی نکتہ یہ بھی ارشاد فرمایا: "چونکہ رشدی برطانیہ کا باشندہ ہے اس پر برطانیہ کے قوانین نافذ ہوتے ہیں' ایران یا پاکستان کے نہیں۔ انعام دے کر یا جذباتی اپیل کر کے اس طرح ایک غیر ملکی کو مروانا گویا انٹرنیشنل بدامنی کا جواز فراہم کرنا ہے۔" یہ انتباہ ہے مسلمانوں کے لیے کہ رشدی کو مروانے کی کسی قسم کی کوئی کوشش سے بین الاقوامی قانون حرکت میں آسکتا ہے۔ اس کے بعد بیچارے مسلمانوں کو دنیا میں کہیں بھی کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ الامان والحفیظ!

"توہینِ رسالت" اور "توہینِ ریاست" مولانا کو چونکہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے اس لیے برطانیہ کے قوانین توہینِ رسالت (Blasphemy) اور توہینِ ریاست (Contempt of State) کے فرق کی وضاحت بھی ناگزیر مجبوری تھی۔ اس سلسلے میں دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

"برطانیہ میں سترھویں صدی سے ایک قانون موجود ہے جو مسیحیت کے خلاف کفریہ کلمات (Blasphemy) کو قابلِ سزا جرم قرار دیتا ہے مگر اس تعزیری قانون کے ہوتے ہوئے برطانیہ میں ایک فلم بنائی گئی جو سراسر قانون کے منشاء کے خلاف ہے۔ اس فلم کا نام ہے:

The Last Temptation of Christ.

اس فلم میں نعوذباللہ مسیحؑ کی جنسی زندگی کے مناظر دکھلائے گئے ہیں۔ یہ فلم برطانیہ میں کھلے طور پر دکھائی جا رہی ہے مگر مذکورہ قانون ہونے کے باوجود اس فلم پر آج تک کوئی پابندی نہیں لگائی گئی نہ اس کے بنانے والوں کو کوئی سزا دی گئی۔ اسی طرح برطانیہ کی ایک برعکس مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں "پیٹر رائٹ" (Peter Wright) ایک انگریز ہے جو ریٹائرڈ ہونے کے بعد اب آسٹریلیا میں رہتا ہے وہ برطانیہ کے محکمہ انٹیلی جنس میں اعلیٰ آفیسر تھا۔ اس نے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام "سپائی کیچر" (Spy Catcher) ہے۔ اس کتاب میں برطانیہ کے محکمہ جاسوسی کے راز بتائے گئے ہیں۔ پیٹر رائٹ نے اپنی یہ کتاب لندن کے ایک پبلشر کے ہاتھ فروخت کی مگر اس کی اشاعت سے پہلے ہی حکومت برطانیہ کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے فوراً یہ کہہ کر اس پر پابندی لگا دی کہ یہ کتاب سرکاری رازوں کی پردہ داری کے خلاف ہے۔ مصنف اور پبلشر کی تمام کوششوں کے باوجود یہ کتاب چھپ نہ سکی۔ 1988ء میں یہ کتاب ایک بیرونی ملک میں چھاپی گئی تاہم برطانوی حدود میں اس کتاب کا داخلہ ممنوع ہے۔ تقابلی مثال پر غور کیجئے۔ ایک ہی ملک ہے' وہاں "توہینِ مسیحؑ" کا واقعہ ہوتا ہے مگر قاعدہ قانون کے ہوتے ہوئے اس پر پابندی نہیں لگائی جاتی۔ دوسری طرف اسی ملک میں توہینِ ریاست کا واقعہ ہوتا ہے تو حکومت اس

کے خلاف فوراً سرگرم ہو جاتی ہے اور پورا ملک اس کو اپنے اندر جگہ دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس فرق کی مولانا توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اس فرق کی کیا وجہ ہے ؟ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ برطانیہ "توہینِ ریاست" کی اہمیت سے واقف ہے مگر "توہینِ رسالت" کی اہمیت کا اسے احساس نہیں۔"

توہین نبوت کے بارے میں وہ یہی "بے حسی" مسلمانوں، مسلمان رہنماؤں اور مسلمان ریاستوں کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ توہینِ نبوت جس پر ان کے ایمان اور اعتقاد کا دارومدار ہے اسے قطعی کوئی اہمیت نہ دیں۔ اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی جس "ریاست" میں ہوں انہیں صرف اسی ریاست کی اہمیت کا احساس ہونا چاہیے تاکہ وہ برطانیہ کی طرح ریاست کو پوجمان شے (Fetish) تسلیم کر لیں۔

ایسی لغویات قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے صریح انکار ہے۔ جہاں تک قرآن اور حدیث کی تفسیر کا تعلق ہے اس بارے میں مسلمہ علمائے دین کے مقابلے میں ایک خود ساختہ مولوی وحیدالدین کے پراگندہ خیالات کو پرِکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے ہم اس پر کوئی تبصرہ کر کے اپنا اور قارئین کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔

جہاں تک ان کی قانونی معلومات کا تعلق ہے اس بارے میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ آئین اور قانون کی ابجد سے بھی واقف نہیں جس کا ثبوت خود آئین اور قانون کی زبان میں پہلے بھی کر دیا گیا ہے اور آئندہ بھی جہاں ضرورت ہو پیش کر دیا جائے گا۔

تاریخ پر وحیدالدین خان کا مجرمانہ حملہ :

تاریخی استقراء اور فلسفہ تاریخ تو بہت اونچی چیز ہے جو موصوف کے نابالغ ذہن کی دسترس سے باہر ہے، لیکن انہوں نے تاریخ اور واقعات کو مسخ کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

حضرت مسیح ؑ کی پاکیزہ زندگی پر جس ناپاک سیکسی فلم Last Temptation of Christ کو اسلامی نظریۂ حاکمیتِ الٰہی (Sovereignty of Allah) کے برخلاف اپنے سیکولر نظریۂ اقتدارِ ریاست (Sovereignty of State) کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اس بارے میں ان حقائق کو جان بوجھ کر چھپایا گیا ہے جس سے ان کے سیکولر نظریۂ ریاست اور اس الزام کی تردید ہوتی ہے جو انہوں نے مسلمانوں پر لگایا ہے۔ وہ مبینہ الزام ان ہی کے الفاظ میں درجِ ذیل ہیں :

"شتم (توہینِ پیغمبر ﷺ) کے معاملہ میں موجودہ زمانہ کے مسلمان ایک

عجیب تضاد میں مبتلا ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب مسئلہ بیان کرنا ہو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا کے پیغمبروں میں سے کسی بھی پیغمبر پر سب وشتم کرنا یکساں طور پر جرم ہے۔ وہ ہر طرح ایسے شاتم کو واجب القتل قرار دے دیتا ہے مگر عملی اعتبار سے ان کا حال یہ ہے کہ وہ صرف اپنے پیغمبر کے سب وشتم پر بھڑ کتے ہیں۔ جہاں تک دوسرے پیغمبروں کا تعلق ہے ان کے خلاف خواہ کسی قسم کی بھی گستاخی کی جائے ان کے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔"

یہ بات سراسر خلافِ واقعہ ہے۔ جن دنوں' متذکرہ بالا فلم مسیحؑ کی آخری ترغیبِ جنسی لندن کے سینما ہال میں دکھلائی جانے والی تھی' میں لندن میں موجود تھا۔ ہم نے اس فلم کی نمائش کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی۔ 22 ستمبر 1988ء کو سینما ہال کے سامنے پکٹنگ شروع ہوئی' جس میں عیسائی اور یہودیوں کا ایک گروہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہماری ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس نے برٹش فلمز انسٹیٹیوٹ کو باقاعدہ نوٹس دیا کہ اس فلم کی نمائش کو روک دیا جائے ورنہ فلمساز' سینما کے مالکان اور برٹش فلمز انسٹیٹیوٹ کے خلاف بلاس فیمی (Blas phemy) قانون کے تحت کارروائی کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں اس فلم کے خلاف میرے انٹرویو کے علاوہ مضامین لندن کے اخبارات میں شائع ہوئے جس کے نتیجہ میں لندن کے زیر زمین سٹیشنوں سے حضرت مسیحؑ کے ساتھ بازارِ حسن کی نیم برہنہ طوائف کے قد آدم پوسٹر ہٹائے گئے اور فلم بری طرح فلاپ ہو گئی۔

مسلمان خود کو حضرت ابراہیم' موسیٰ وہارون اور عیسیٰؑ اور تمام انبیاء کرام کا وارث سمجھتے ہیں۔ قرآن کے فرمان کے مطابق ان میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے البتہ فضیلت کا معاملہ اور ہے۔ اس لیے وہ کسی بھی پیغمبر کی توہین برداشت نہیں کر سکتے اور جو کچھ بھی ان کے بس میں ہو وہ کر گزرتے ہیں۔ مسلمان تو حضرت مسیحؑ کے خلاف فلم کی نمائش پر حرکت میں آگئے تھے۔ انہوں نے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا۔ قانونی نوٹس بھی برٹش حکومت کے متعلقہ ادارے کو دے دیا اور وہ کچھ کیا جو وہاں ان کے بس میں تھا۔ اگر وہاں کی حکومت نے اس گندی فلم کی نمائش کو روکنے کے لیے کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تو یہ وہاں کی حکومت کی کوتاہی (Omission) ہوئی جو بذاتِ خود جرم ہے اور وہاں کے پیروانِ مسیحؑ کی بے حسی ہے جس کی ستائش صرف وحید الدین خان جیسی ذہنیت کے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا الزام کی بنیاد وہ عجیب وغریب تضاد بتلاتے ہیں جس میں یہ مسلمان قوم مبتلا ہے' حالانکہ خود حضرت کی ذات اور ان کی کتاب میں تضاد کے ایسے ایسے نوادرات ملتے ہیں جو اور کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکتے۔ ایک طرف تو مسلمانوں پر الزام عائد کر رہے ہیں کہ وہ پیغمبر ﷺ

کے سوا کسی اور پیغمبر کی اہانت پر خاموش تماشائی بن جاتے ہیں لیکن اگر مسلمانوں نے ایسی کوئی حرکت کی تو اس پر بھی سخت ناراض ہو جاتے ہیں اور اس واقعہ کو "تخریب کاری" کے الزام کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "پاکستان کے انگریزی اخبار فرنٹیر پوسٹ میں کسی مغربی پرچہ سے ایک مضمون نقل کیا گیا۔ اس کے ساتھ آدم اور حوا کی ایک تصویر بھی تھی' وہ بھی فرنٹیر پوسٹ میں چھپ گئی۔ اس کے بعد ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں بپھرے ہوئے مسلمانوں نے اخبار کی وسیع عمارت کو گھیر لیا اور اس کو ساز و سامان سمیت جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس قسم کے واقعات ایک یا دوسری شکل میں ہو رہے ہیں جہاں مسلمانوں کو عمل کی آزادی حاصل ہے۔ مسلمان اپنی اسی ملی ہوئی آزادی کو "تخریب کاری" میں استعمال کر رہے ہیں اور اس کا نام انہوں نے اسلامی جہاد رکھا ہے۔ یہ جہاد نہیں بلکہ سرکشی ہے اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے یہاں بدترین جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر خود ہی منصف بن کر اس جرم کی سزا میں مسلمانوں کے خلاف اجتماعی سزائے موت کا فیصلہ بھی صادر کر دیا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ مگر اس فیصلہ پر عملدرآمد ان کے یا ان کی سرپرست طاقتوں کے بس کی بات نہیں اس لیے وہ حضرتِ ناصح کے بہروپ میں ناسمجھ مسلمان قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ وہ رشدی کی گالیوں کا' اس کی خرافات کا کوئی جواب نہ دیں۔ اس کی شرارتوں کو نظر انداز اور اسے کھل کھیلنے کا موقع دیں۔ مگر ناصح مشفق خود "اردو داں" طبقہ یعنی مسلمان قوم' مسلمان رہنماؤں' اس کے شہیدوں اور ملت کی برگزیدہ شخصیتوں کے خلاف نہ صرف تہذیب اور شائستگی سے گری ہوئی زبان استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کے خلاف گالیوں کے آزادانہ استعمال کو جائز بلکہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کی طرف تو بے محابا "احمق' نالائق' نادان' بے عقل" کے سنگ دشنام پھینکتے ہیں اور ان کے احتجاج کو "لغو' فضول' شور و غل' چیخ و پکار" کہتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اس احتجاج کی وجہ سے اسلام بھی ان کی نظر میں "وحشت اور بربریت کا مذہب بن چکا ہے" اس لیے انہیں یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ اس کی وجہ سے روئے زمین پر شاتمین کی قبروں کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دے گا۔ اسلام کی برگزیدہ ہستیوں' مسلمانوں کی محبوب شخصیتوں اور ان کے قائدین کے بارے میں انہوں نے جس طرح اظہار خیال کیا ہے اس کے چند نادر نمونے قارئین کی خدمت میں پیش ہیں :

امام ابن تیمیہؒ :

شیخ الاسلام مجدد دین امام ابن تیمیہؒ کو تفہیم قرآن و حدیث تفقہ فی الدین' فلسفہ منطق اور تمام علوم متداولہ میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ ان کے بدترین مخالف بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ پھر میدان جہاد میں ان کے کارناموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ذات میں اتنے صفاتِ عالیہ جمع کر کے انہیں مجتہد اور مجدد کے بلند مقام کے لیے منتخب فرمایا اور ساتھ ہی ایک

ایسا مرد مجاہد بھی بنادیا جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار کا جوش اور جذبہ سرایت کیے ہوئے تھا۔ علامہ شبلیؒ جیسے بلند پایہ عالم اور اسلامی مورخ نے امام ابو حنیفہؒ امام غزالیؒ امام رازی شاہ ولی اللہؒ جیسی ہمہ مقتدر دینی شخصیتوں میں سے صرف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کو ہی مجدد دین و ملت کے منفرد اور ممتاز مقام پر فائز دیکھا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد جیسی نابغہ روزگار شخصیت بھی صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی ذات کو امامت اور مجددیت کی سزاوار سمجھتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سات صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج تک ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر پیدا نہیں ہوا۔ مگر اس دور کا ایک قلم کار وحید الدین خاں امام ابن تیمیہ کی ذاتِ گرامی اور ان کی گراں قدر تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" جو توہین رسالت کے موضوع پر قرآن کی آیاتِ مبینات احادیث رسول ﷺ ائمہ فقہ کے متفقہ استنباط کی روشنی اور خود اپنی عالمانہ بصیرت اور براہین قاطع اور زورِ استدلال سے "شتم رسول" کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے مستند ترین کتاب ہے تمام اسلامی مکاتب فکر اس کتاب کو بطور سند پیش کرتے ہیں مگر ابن تیمیہ کی کتابوں کے بارے میں ایک طفلِ مکتب وحید الدین خاں کی جسارت ملاحظہ فرمائیے لکھا ہے:

> ابن تیمیہ کی کتابیں تجربہ اور استدلال کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی نہیں ہوتیں۔ "الصارم المسلول" بھی اس اعتبار سے کوئی معیاری کتاب نہیں۔ اس میں انہوں نے طفلانہ باتیں کہی ہیں اور ان کی توجیہ مضحکہ خیز حد تک بے معنی ہے۔ "ابن تیمیہ کی دلیل دھاندلی ہے۔"

خدا کی شان تو دیکھو کہ گل چڑی گنجی
حضور بلبلِ بستاں کرے سخن سنجی

ابن قیم چونکہ امام ابن تیمیہ کے ہم خیال لوگوں میں سے ہیں اس لیے ابن قیم نے شتمِ رسول کے مسئلہ کو حرمتِ رسول ﷺ کا مسئلہ بنادیا ہے۔ اس طرح اس کو حقوق العباد کے تحت لائے ہیں مگر وہ اسے ان حضرات کی ذاتی توجیہہ کہہ کر رد کرتے ہیں۔

امام خمینی اور مولانا ابوالحسن ندوی:

ایران اور ہندوستان کی ان دو بزرگ شخصیتوں کے بارے میں ایک اخباری بیان کے ذریعہ انہیں اسلامی قانون کی توہین کا مرتکب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ایران کے آیت اللہ خمینی نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ شیطانی آیات کے مصنف سلمان رشدی کو قتل کردیں۔ اسی کے ساتھ ایرانی حکومت نے

اعلان کیا کہ وہ قاتل کو اسی کے معاوضہ میں ایک بڑا انعام دے گی۔"

مولانا ابوالحسن ندوی نے امام خمینی کی تائید کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امام خمینی اس اعلان میں حق بجانب ہیں۔ اسلام میں پیغمبر اسلام کی توہین کے مجرم کی سزا یہی ہے کہ اس کو قتل کیا جائے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"سلمان رشدی نے اگر پیغمبر اسلام کی توہین کی تھی تو میرے نزدیک امام خمینی اور مولانا ندوی جیسے لوگ اسلامی قانون کی توہین کر رہے ہیں، کیونکہ اسی طرح کسی کو قتل کروانا ہرگز اسلام کا واقعہ نہیں مگر ساری دنیا کا مسلم پریس بہ یک زبان خمینی کی طرفداری میں کھڑا ہو گیا ہے۔"

"ایران میں نام نہاد اسلامی انقلاب کے بعد انقلابیوں کے ہاتھوں پیش آنے والے وحشیانہ واقعات نے ساری دنیا میں لوگوں کو اسلام سے بیزار کر دیا۔"

"ایران کا انقلاب صرف اینٹی شاہ انقلاب تھا نہ کہ کوئی اسلامی انقلاب جسے خلاف واقعہ طور پر اسلامی انقلاب کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام بدنام ہو کر رہ گیا۔"

مولانا محمود الحسن :

پاک و ہند کی بہت بڑی دینی درسگاہ کے بانی اور آزادئ ہند کے مجاہد رہنما شیخ الہند مولانا محمود الحسن پر بھی ان کے ایک شعر کا حوالہ دے کر توہینِ مسیح " کا الزام عائد کر دیا اور حیران ہیں کہ توہینِ رسالت کو جرم سمجھنے والی قوم نے انہیں زندہ کیسے اور کیوں چھوڑ دیا۔ اس سلسلہ میں ان کی نعت کا ایک شعر انہوں نے نقل کیا ہے :

مردوں کو کیا زندہ، زندوں کو مَرنے نہ دیا
مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابنِ آدم

معلوم نہیں تھا کہ خان صاحب شعر و ادب کے معاملہ میں اتنے کور ذوق واقع ہوئے ہیں کہ وہ ایک سادہ سے شعر کے معنی و مفہوم کو بھی نہ سمجھ سکے۔ خان صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر اقبال پر بھی حملہ کر دیا۔

علامہ اقبالؒ :

علامہ اقبال بھی اپنے اشعار کی وجہ سے خان صاحب کی نظر میں کافر و زندیق اور مشرک ہیں۔ اقبال کی اپنی زندگی ہی میں ان کی ایک نظم "آفتاب" پر لاہور کے ایک مولوی دیدار علی نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اقبال اپنے دور کے مولوی اور ملا حضرات سے

گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگِ مسلمانی

مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے بعد آنے والے دور کا ایک "ماڈرن ملا" وحید الدین ان سب سے بازی لے جائے گا۔ حضرت ملا نے علامہ کے بارے میں لکھا ہے اور لکھتے وقت علامہ کا یہ "مشرکانہ" شعر بھی ان کے پیش نظر ہو گا جس میں وہ کہتے ہیں:

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

اس شعر کی تشریح وہ یوں فرماتے ہیں:

یہ مسلمان جن کو ان کے نام نہاد رہنماؤں نے "محتسب کائنات" کے منصب بلند پر بٹھا رکھا ہے' ان کے احتساب کا اگلا شاید وہ آسمانی اقدام ہو گا جس کو ان کے محبوب شاعر نے ان شاندار الفاظ میں بیان کیا ہے:

در دشتِ جنونِ من جبریلِ زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

اقبال کا یہ شعر خان صاحب کے فتویٰ کے مطابق سراسر "کافرانہ" اور "مشرکانہ" ہے۔ اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے سخن فہمی عالم بالا معلوم شد۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ:

"اردو داں طبقہ" کے شاعر اقبال کے بعد خان موصوف نے اسلامیان ہند کے قائد محمد علی جناح جو "انگریزی داں" تھے ان کو بھی ہدف تنقید بنانا ضروری سمجھا۔ مسلمانوں کی آزاد مملکت کے لیے ان کی بے مثال قربانیوں کو بہ یک جنبشِ قلم مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "موجودہ پاکستان محمد علی جناح کی دین نہیں بلکہ حقیقتاً وہ محمد بن القاسم ثقفی کی دین ہے۔" قائداعظم نے موصوف کی مضمون نویسی سے بہت پہلے ہی یہ کہا تھا کہ پاکستان اسی وقت بن گیا جب کہ سرزمین ہند پر پہلے مسلمان نے قدم رکھا تھا۔ اپنی وفات سے ایک دن قبل انہوں نے اپنے معالج خصوصی ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے فرمایا:

"تم جانتے ہو جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے۔ یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہ کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسول خدا کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان

وجود میں آیا۔اب پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافتِ راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی 11 ستمبر 1988ء)

ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی یہ ڈائری جوان کے اپنے قلم کی تحریر شدہ ہے پاکستان میں چھپ چکی ہے۔

مسلمانوں کے قائد نے اپنی وفات سے قبل یہ اعلان حق کیا تھا کہ زمین پر بادشاہت دینے والی ذات خدا کی ہے۔ مگر اقبال کو ان کے ایک شعر کے حوالہ سے "کافر" اور "مشرک" کہنے والا شخص پاکستان کو اللہ کی دین کہنے کی بجائے محمد بن قاسم کی دین کہہ رہا ہے۔اس سے بڑھ کر کفر و شرک اور کیا ہو سکتا ہے؟ محمد بن قاسم کے اعلیٰ ترین مجاہدانہ کردار سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس بھارتی باسی کو اس کی سیادت کسی اور وجہ سے پسند ہے۔اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے:

"جب وہ (محمد بن قاسم) ہندوستان سے واپس ہو کر دمشق گیا تو اہلِ ہند نے اس کے لیے اس کا مجسمہ بنا کر اس کی تعظیم اور تقدیس کی۔"

عبدالقادر عودہ شہید:

عبدالقادر عودہ شہید مصر کی سپریم کورٹ کے عہدۂ جلیلہ سے اس لیے مستعفی ہوئے تھے کہ ایک مسلمان جج غیر اسلامی قانون نافذ نہیں کر سکتا۔اس کے بعد وہ اخوان کے نائب مرشد عام ہو گئے اور اپنی ساری زندگی اسلامی قانون کو برپا کرنے کے لیے وقف کر دی۔ اسلامی قانون اور موجودہ بین الاقوامی قانون پر ان کی کتابیں مستند (Authoritative) تسلیم کی جاتی ہیں۔ عبدالقادر عودہ جیسی گراں مایہ شخصیت کو فراعنۂ مصر کی اولاد جمال ناصر نے اپنے خلاف بغاوت کے الزام میں شہید کروا دیا تھا۔ان سے متعلق بھی وحید الدین اپنی نیش زنی سے باز نہیں رہ سکے۔ عودہ شہید نے اپنی بلند پایہ تصنیف "التشریع الجنائی فی الاسلام" میں بین الاقوامی قانون کے اسلامی نقطہ نظر کو پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

"ہم مسلمان بین الاقوامیت پر یقین رکھتے ہیں اور ہمارا قانون جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہر مسلمان پر لاگو ہوتا ہے وہ چاہے جہاں بھی اقامت پذیر ہو۔"

اس قانون کی زد میں شاتم رسول رشدی براہ راست آتا ہے اس لیے اس کی حمایت میں بھارتی مضمون نویس وحید الدین خاں کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی۔ کہتے ہیں:

"اس (اسلامی بین الاقوامی) کے حوالہ سے مضمون نگار (عبدالقادر عودہ

شہید) نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ جمہور فقہا کے نزدیک اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے "قومی سرحدوں" کو کوئی اہمیت نہیں۔ سلمان رشدی اگر مسلم ملک سے باہر برطانیہ کا باشندہ ہے تب بھی وہاں جا کر اس کو قتل کیا جائے گا اور ایسا کرنا عین اسلامی ہوگا۔ مگر یہ ایک لغویات ہے جس کا کوئی فقیہ قائل نہیں۔" اللہ رے فقیہانہ بصیرت!

غازی علم الدین شہید:

1926ء میں ایک مسلمان نوجوان نے سوامی شردھانند کو قتل کیا جس نے رنگیلا رسول ﷺ نامی کتاب لکھی تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ اس کی بیوہ ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خوشی خوشی اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ ناموس رسول کی حفاظت کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ پر قربان ہو جائے مگر مولانا کی رائے میں: "ہمارا کہ ملک کی تاریخ میں اس (شردھانند) کو شہید کا مقام دیا گیا۔ حقیقت میں اس قسم کے کسی عمل کو ناموسِ رسول ﷺ کے نام پر بے فائدہ جان دینا تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کو ناموسِ رسول ﷺ کی حفاظت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ قربانی نہیں نادانی ہے جس کا تعلق نہ عقل سے ہے نہ اسلام سے۔"

قدرت اللہ شہاب:

قدرت اللہ شہاب حکومت پاکستان کے اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں، پاکستان کے ممتاز ادیبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی سوانح عمری شہاب نامہ کو پاک و ہند کے ادبی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے شہاب نامہ میں اپنے بچپن کے ایک واقعہ کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کی نفسیات کا تجزیہ کیا ہے:

> "رسولِ خدا ﷺ کے متعلق اگر کوئی بد زبانی کرے تو لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے کی بازی لگا بیٹھتے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے یا برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں بلکہ تجربہ تو یہی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموسِ رسول ﷺ پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا، ظاہری طور پر نہ تو وہ علم و فضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عامی مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شانِ رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے، اس کی بنیاد عقیدہ سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک

جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔"

مولوی صاحب موصوف نے قدرت اللہ شہاب کے مسلمانوں کی قومی نفسیات سے متعلق بیان کو درست کہا ہے اور ساتھ ہی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کا اس قسم کا جذبہ اور عقیدت گمراہی ہے۔ پھر یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ قدرت اللہ شہاب اور یہ مسلمان "بے دین" ہیں: "جو لوگ اس خوش عقیدگی میں جی رہے ہیں وہ قیامت کا انتظار کریں' اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک نیا دین تھا جو انہوں نے گھڑ رکھا تھا۔" مگر حضرت کی اس خبر کے بعد تو قیامت سے پہلے ہی مسلمان قوم کو اپنا انجام معلوم ہو گیا۔

اب قیامت کے انتظار کی کیا ضرورت باقی رہی' خود قیامت اس "گمراہ" "بے دین" قوم کے سامنے حضرت کی شبیہ مبارک کی صورت میں موجود ہے۔

احمد دیدات اور بال ٹھاکرے:

احمد دیدات ہماری تنظیم ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کے لائف ممبر اور بین الاقوامی مسلمان شخصیت ہیں۔ انہوں نے مذاہبِ عالم کا گہرا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور بلند پایہ خطیب بھی ہیں۔ اسلام کے مقابلہ میں انہوں نے دنیا کے تمام مذاہب کو چیلنج کیا ہے۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں ایک جملہ "اسلام کی موجودگی میں دوسرے ادیان کی ضرورت باقی نہیں رہی" اور زورِ خطابت میں کہہ دیا کہ "ان سب کو بل ڈوز کر دو"(Bulldoze Them all) اس پر مسلمان سامعین نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا جس پر مولوی وحید خان اپنا غصہ ضبط نہ کر سکے اور چیخ اٹھے اور احمد دیدات کا مقابلہ فرقہ پرست بھارتی لیڈر سے کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "احمد دیدات صاحب یا دوسرے مقرروں کے اس قسم کے الفاظ مسلمانوں کو بہت اچھے لگتے ہیں۔ وہ ان پر تالیاں بجاتے ہیں۔ اگر یہی لفظ دوسرا شخص بولے تو وہ غصہ ہو جائیں گے۔ مثلاً ہندوستان میں بال ٹھاکرے اگر یہ کہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بل ڈوز کر دو تو تمام مسلمان مشتعل ہو کر ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔ اسی قسم کا دوطرفہ معیار موجودہ امتحان کی دنیا میں ہرگز چلنے والا نہیں۔"

رشدی اور لیڈی ڈیانا:

وحید الدین خان اس دوہرے معیار کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے جو ان کی معیاری مملکت برطانیہ اور وہاں کے آزاد پریس کے رویہ سے پرنسس ڈیانا کی حادثاتی موت پر

رشدی کے ریمارکس کی وجہ سے دنیا کے سامنے آیا ہے۔ سارا برطانوی پریس رشدی کی اس بات پر کہ ''بے قابو جنسی خواہشات نے لیڈی ڈیانا کو مار ڈالا۔'' سخت غیض و غضب کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ برطانیہ کے کثیرالاشاعت روزنامہ ''ٹائمنر'' نے رشدی کے آرٹیکل کو شیطانی خیالات قرار دیا ہے۔ اس پر وہیں کے ایک ہفت روزہ رسالہ آؤٹ لک (Out Look) نے بڑا صحیح تبصرہ کیا ہے:

> ''رشدی نے جب برطانوی عوام کی محبوب شہزادی کے خلاف کوئی بات لکھی تو اس کے خلاف سخت غم و غصہ کا اظہار کر رہے ہیں، حالانکہ جب اس کی تحریر کردہ کتاب میں ان کے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کی شان میں گستاخی کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے تھے، اس وقت یہی برطانوی عوام (اور ان کے ایک ذہنی غلام وحیدالدین خان) اور پریس آزادئ تحریر اور آزادئ اظہار خیال کے چیمپئن بنے بیٹھے تھے۔ مگر اب برطانوی عوام اور پریس کو معلوم ہوا ہے کہ رشدی واقعی شیطان ہے۔''

تاریخی شخصیت:

مولانا کو خبر نہ تھی کہ برطانوی عوام اور برطانیہ کا آزاد پریس اتنی جلد رشدی کے بارے میں پینترا بدلے گا۔ جب کوئی ان کی پسندیدہ شخصیت پرنسس ڈیانا کے متعلق سیکس کے حوالے سے کوئی ایسی بات کرے جو انہیں ناپسند ہو تو وہ اسے ہیرو سے شیطان بنا دیں گے۔ حالانکہ مولانا نے رشدی کے لیے برٹش لاء اور بین الاقوامی قوانین کا تحفظ فراہم کرنے اور اسے دنیائے ادب کا ہیرو بنانے کے بعد اس کو تاریخ کی بڑی ''نامور شخصیتوں'' اور ''شہیدانِ حق'' کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے لکھا تھا: ''تاریخ میں بہت سے سچے اور بڑے لوگ گزرے ہیں جن کو وقت کے ظالموں نے قتل کیا ہے۔ اس تاریخی پس منظر میں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ مقتول کا رشتہ ان گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، اس کو ہیرو بنا دیتے ہیں۔ اس طرح مخالفین کے ہاتھوں سے قتل ہونا اس کو ''شہیدانِ حق'' کی فہرست میں شامل کر دیتا ہے۔''

آگے چل کر مولانا فرماتے ہیں: ''یہ کوئی فرضی بات نہیں، سلمان رشدی کے اعلانِ قتل کے بعد عملاً یہی بات پیش آئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی تائید میں ٹائمز آف انڈیا کا ایک مضمون ڈھونڈ نکالا ہے۔ اس مضمون میں رشدی کو تاریخ کی ان ہستیوں اور شخصیتوں کے ہم پایہ قرار دیا ہے جن کو ان کے مخالفوں نے قتل کر دیا تھا یا قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مثلاً سقراط، مسیحؑ، گلیلو، مارٹن لوتھر وغیرہ۔ حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلام ﷺ جن کو مکہ کے لوگوں نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ گلیلو کو اپنی آخر عمر تک اپنے گھر کے اندر نظر بند کر دیا گیا تھا۔ یہی مقدر رشدی کا

آج ایک نئی صورت میں ہو سکتا ہے۔" ایسی بے ہودہ، احمقانہ اور شر انگیز باتیں وہی شخص کہہ سکتا اور لکھ سکتا ہے جس میں خیر اور شر کی تمیز باقی نہ رہی ہو۔

خیرِ اعلیٰ اور وحیدالدین............یاللعجب!

"آزادیٔ فکر" اور "اظہارِ رائے کی آزادی" کو اس زمانہ کی سب سے بڑی قدر اور خیر اعلیٰ کا درجہ دے کر رشدی اور تمام گستاخانِ نبوت کے لئے ایسی کمین گاہیں تیار کی جارہی ہیں جہاں سے وہ آزادی کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ اور انبیائے کرام کی شان میں بے محابا دشنام طرازی کریں تاکہ دین وایمان کی بنیادیں منہدم اور مسمار ہو کر رہ جائیں۔ "آزادیٔ فکر" اور "آزادیٔ اظہارِ رائے" کے بارے میں ہم وحیدالدین ہی کے مغربی پیشوا اور رہنماؤں کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اور واضح کیا ہے کہ جس چیز کو وہ "آزادیٔ فکر" اور "آزادیٔ اظہارِ رائے" سمجھ رہے ہیں وہ اصل میں ذہنی انتشار اور نظم وضبط سے عاری افکار ہیں جنہیں کوئی معاشرہ، کوئی جماعت اور کوئی ریاست اپنے آئین اور قانون میں جگہ دینے اور انہیں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ "آزادیٔ افکار" اور "آزادیٔ اظہارِ رائے" کی طرح انہوں نے "خیر اعلیٰ" کو بھی غلط معنی پہنائے ہیں۔ اسلام میں انسان کو اپنی جبلت کے رجحانوں اور اپنے فکر وعمل پر قابو پانے اور ان کو احکامِ الٰہی کے تابع نظم وضبط کا پابند کرنے کا نام "خیرِ اعلیٰ" ہے۔ یہی زمانہ کی نہیں بلکہ زندگی کی وہ سب سے بڑی قدر جو اللہ کے رسول ﷺ کی بدولت انسانیت کو نصیب ہوئی اس لیے وہ کائنات کی ایسی محبوب ترین ہستی ہیں جن کے نام وناموس پر مسلمان اپنی ہر عزیز اور محبوب چیز کو قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اس کے نزدیک ان کی ذاتِ گرامی ہی اصلِ دین اور عینِ ایمان ہے۔ کفر ودین کی اس حقیقت کو اقبال نے بڑے ہی دلنشین پیرایۂ اظہار کے ذریعہ اپنے اس شعر میں نمایاں کیا ہے:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اور ساتھ ہی وحیدالدین خان جیسے فتنہ پرور ابنائے زمانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصرِ ما با ما چہ کرد
عصرِ ما ما را ز ما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰ بیگانہ کرد

اے ذوق وشوق اور سوز ودرد سے ناآشنا انساں تجھے خبر بھی ہے کہ اس حیلہ ساز زمانہ نے ہمارے ساتھ کیا حرکت کی ہے۔ اس کمبخت نے ہم کو اپنے وجہِ وجود سے دور کر کے ہمیں حسن وجمالِ مصطفیٰ کے نور سے محروم کر دیا ہے۔

شتمِ رسول ﷺ اور وحید الدین خاں

پروفیسر ظفر علی قریشی

چند دن ہوئے جناب محمد متین خالد نے بھارتی نژاد متنازعہ مصنف وحید الدین خاں کی کتاب "شتمِ رسول کا مسئلہ، قرآن و حدیث اور فقہ و تاریخ کی روشنی میں" مجھے دی اور فرمائش کی کہ میں اس پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں نے کتاب کو بغور پڑھا تو یہ نظر آیا کہ اس کے مندرجات جمہور مسلمانوں کے مسلک کے قطعاً خلاف واقع ہوئے ہیں۔ اگرچہ مصنف نے بڑی چابک دستی سے حقائق اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور تحقیق کی آڑ میں مغرب کی ہم نوائی میں مسلمانوں کی ایک بھونڈی تصویر پیش کی ہے۔

وحید الدین خاں نے نہ صرف جید علمائے متقدمین و متاخرین مثلاً امام ابن تیمیہؒ، مولانا انور شاہؒ کشمیری، ایرانی مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی، مولانا ابوالحسن علی ندوی بلکہ جملہ تمام علماء پر نہایت جارحانہ انداز میں حملہ کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے کہ یہ حضرات اسلام کے اصولوں سے قطعاً نابلد ہیں بلکہ غلط روش پر چلتے رہے ہیں اور چل رہے ہیں اور ان حضرات کا نقطہ نظر دعوت اسلامی کے سراسر منافی واقع ہوا ہے۔

بالفاظ دیگر وحید الدین خاں نے علی الاعلان یہ دعویٰ کیا ہے کہ چودہ صدیوں میں اس مسئلہ کو اگر کوئی مسلمان سمجھ کر پرکھ پایا ہے تو وہ خاں صاحب ہیں۔ باقی علماء کرام فاش غلطی پر ہیں اور اسلام کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں اور انہوں نے دنیا میں اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ ایک "وحشی اور غیر مہذب دین" کی ہے اور علمائے کرام نے ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کر دیا ہے اور مغرب سے براہ راست تصادم اور خطرہ مول لے لیا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ خاں صاحب کچھ نہایت ضرورت سے زیادہ اپنی ہمہ جہتی علمیت پر نازاں ہیں اور انہوں نے جارحانہ انداز میں علمائے متقدمین اور متاخرین پر اپنی ٹیڑھی ترچھی تحریروں سے اگرچہ خوب لے دے کی ہے اور سوادِ اعظم کی خوب گت بنائی ہے لیکن ان کی تحریروں کے چند صفحات پڑھنے کے بعد ہی ان کی

علمی بے بضاعتی اور اسلام کی تعلیمات سے بیزاری کا احساس ابھرا ہے اور انہوں نے پورے مسئلہ کو غیر مسلموں اور بالخصوص مغرب کی عینک سے دیکھ کر چیستان بنا ڈالا ہے اور اسلام پر نہایت ہی بھونڈا اور رکیک قسم کا حملہ کیا ہے' جس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے اور وہ بھی اس ادعٰی کے ساتھ کہ وہ مسلمان ہیں اور وہ بھی "اصلی" اور "حقیقی"۔

اب ہم ان کے "ارشادات عالیہ" کی طرف آتے ہیں۔ پہلے باب میں خامہ فرسائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"موجودہ زمانہ کے لکھنے اور بولنے والے مسلمانوں کے پاس مسلمان کی حیثیت کو بتانے کے لیے جو الفاظ ہیں' وہ کیا ہیں۔ وہ ہیں خدائی فوجدار' محتسب کائنات' خلیفہ اللہ فی الارض وغیرہ۔ اس قسم کے تمام الفاظ بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی ہیں۔ قرآن میں پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تم صرف نصیحت کرنے والے ہو۔ تم لوگوں کے اوپر داروغہ نہیں ہو (انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر) مگر موجودہ زمانہ کے مسلمانوں نے عملاً اس آیت کو الٹ دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہمارا کام نصیحت اور وعظ کہنا نہیں ہے بلکہ داروغہ بن کر لوگوں کے اوپر حکمرانی کرنا ہے"۔ (مذکورہ کتاب' صفحہ ۵)

مسلمان کی حیثیت بتانے کے لیے خاں صاحب نے مسلمانوں کی طرف جو الفاظ منسوب کیے ہیں' وہ تو قرآن حکیم کی آیات مبارکہ کے تراجم ہی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد باری ہے:

انی جاعل فی الارض خلیفہ (سورہ بقرہ' ۳۰)

"میں زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب بنا رہا ہوں"۔

دوسری جگہ امت مسلمہ کی بابت فرمایا:

کنتم خیر امہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر (آل عمران' ۱۱۰)

"تم ایک بہترین امت ہو جو نیکی کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو"۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ خاں صاحب نے کس طرح یہ کہہ ڈالا ہے کہ یہ الفاظ بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی ہیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ کے معانی کس طور غیر اسلامی قرار پائے جا سکتے ہیں؟ اس کے برعکس خاں صاحب کے خود الفاظ لغویت کی حد تک غیر اسلامی کہے جا سکتے ہیں اور دین و دانش' ہوش و خرد کو خیرباد کہنے کے مترادف ہیں۔

وحید الدین خاں کے استہزائیہ اور متکبرانہ طرز تحریر کو نظرانداز کرتے ہوئے ان سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ کی روشنی میں امت مسلمہ کا کیا یہ فریضہ نہیں بنتا کہ وہ نیکی کی طرف بلائیں اور بدی کو روکیں؟ اس فریضہ کی ادائیگی پر "خدائی فوجدار" اور "محتسب کائنات" کی پھبتی کسنا کسی طور سے جائز نہیں ہے۔ ان کے متکبرانہ طرز تحریر سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خاں صاحب قرآن حکیم کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اگرچہ بزعم خود اپنے آپ کو مفسر قرآن اور علامتہ الدھر قرار دے رہے ہیں۔ ان کے یہ "ارشادات" ان کی جہالت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

جہاں تک حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت آیت (انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر) (سورۃ الغاشیہ' ۲۲-۲۳) (تم نصیحت کرنے والے ہو' داروغہ نہیں ہو) کا تعلق ہے' اس کا تعلق جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں حضور علیہ السلام کی لوگوں کی بھلائی سے متعلق ایک دلی خواہش کا اظہار تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام لے آئیں اور یہ بات آپ کو پریشان کیے رکھتی تھی۔ اس کا ذکر ایک دوسری آیت میں کیا گیا ہے:

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین (سورہ الشعراء' ۳)

"شاید آپ اپنے تئیں ہلاک کر لو گے کہ یہ لوگ مومنین کیوں نہیں ہوتے"

یعنی ارشاد باری ہے کہ تمہارا کام نصیحت کرنا ہے۔ ان پر داروغہ بننا نہیں ہے۔ دلوں کو پھیرنا اور حساب لینا ہماری ذمہ داری ہے۔

یہ باتیں حضور علیہ السلام ہی سے متعلق تھیں۔ اس آیت کو مسلمانوں پر چسپاں کرنے' ان کو داروغہ بنانے کا تک کہاں سے آگیا اور مسلمان' دشمنوں کے مقابلہ میں کون سی ایسی مادی طاقت رکھتے ہیں کہ "داروغہ" بن سکیں۔

دوسری جگہ خاں صاحب لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانے کے مسلمان نہ صرف یہ کہ دعوت کا کام نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ مسلسل طور پر دعوت کو قتل کرنے میں مشغول ہیں۔ دوسری قوموں کو سیاسی حریف سمجھنا' ان کے مقابلہ میں احتجاجی اور مطالباتی مہم چلانا' ایسے جھگڑے کھڑے کرنا جس کے نتیجہ میں داعی اور مدعو کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں' اس طرح کی تمام سرگرمیاں دعوت کی فضا کو بگاڑتی ہیں۔ وہ دعوت اور نصیحت کی قاتل ہیں۔ مگر ساری دنیا کے مسلمان ہر روز انہیں دعوت کش

سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اصاغر تو درکنار ان کے اکابر بھی یہ سوچ نہیں پاتے کہ ایسا کر کے وہ اپنے خلاف خدا کے غضب کو بھڑکا رہے ہیں۔ انہیں دعوت کش سرگرمیوں میں سے ایک سرگرمی وہ ہے' جو "شتم رسول" کے خلاف مسلمان ہر جگہ جاری کیے ہوئے ہیں۔ اور جس کا ایک نمایاں مظاہرہ سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" کی اشاعت کے بعد ۱۹۸۹ء میں سامنے آیا ہے۔ اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا۔ اس کے باوجود وہ مسلمانوں کے اصاغر و اکابر کے درمیان اس لیے جاری رہا کہ دعوتی شعور سے محرومی کی بنیاد پر انہوں نے وہ کسوٹی کھو دی تھی' جس پر جانچ کر وہ معلوم کر سکیں کہ ان کی کون سی روش اسلام کے مطابق ہے اور کون سی روش اسلام کے مطابق نہیں"۔ (ص۶)

پھر مزید لکھتے ہیں کہ:

"مسلمانوں کے اوپر اپنے عقیدہ کے اعتبار سے لازم ہے کہ وہ داعی اور مدعو کی اصطلاحوں میں سوچیں وہ اپنی انفرادی اور قومی سرگرمیوں کی تشکیل میں دعوت کو اصل معیار بنائیں۔ وہ دعوت کی مصلحت کو تمام دوسری مصلحتوں پر مقدم رکھیں۔ وہ ہر نقصان کو گوارا کر لیں مگر دعوت کا نقصان کسی قیمت پر گوارا نہ کریں۔ مسلمانوں کے اس داعیانہ منصب کا لازمی تقاضہ ہے کہ وہ ہرگز کسی ایسی سرگرمی میں مبتلا نہ ہوں جو دعوت کے مزاج کے خلاف ہو یا دعوت کے امکانات کو برباد کرنے والی ہو"۔ (ص۶-۷)

خاں صاحب کو سلمان رشدی کی رسوائے زمانہ کتاب کے خلاف مسلمانوں کا اضطراب اور اس میں سرگرمی دکھانا سراسر غیر اسلامی نظر آیا۔ مسلمانوں کو دعوت کا کام کرنا چاہیے جو نہیں کر رہے بلکہ دعوت کو قتل کرنے میں مصروف ہیں۔ دوسری قوموں کو حریف سمجھنا اور ان کے مقابلہ میں احتجاجی اور مطالباتی مہم چلانا اور جھگڑے کھڑا کرنا جس میں داعی اور مدعو کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں' وہ دعوت کی قاتل ہیں۔ اور وہ ایسی سرگرمیوں سے "خدا کے غضب کو بھڑکا رہے ہیں" اور یہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ وہ دعوتی شعور کی محرومی سے عاری ہو چکے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میں خاں صاحب کے یہ "ارشادات عالیہ" پڑھ کر ایک دم سکتہ میں آگیا کہ آیا یہ الفاظ ایک ایسے شخص کے ہیں جو بزعم خود علامتہ الدہر' مفسر قرآن' اسلام کی صحیح اور سچی تشریح اور

توضیح پیش کرنے کا مدعی اپنے آپ کو کہتا ہے۔

ان سے کوئی پوچھے کہ ملعون سلمان رشدی کی رسوائے زمانہ کتاب کے مندرجات معلوم ہونے کے بعد جس میں پیغمبر اسلام علیہ الف تحیتہ والسلام' ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور دیگر اکابرین اسلام کے خلاف نہایت ہی ناپاک' توہین آمیز کلمات' بیہودہ اتہامات اور بے سروپا الزامات کی بے پناہ یورش کی گئی ہو' کوئی راسخ العقیدہ مسلمان خاموش رہ سکتا ہے؟ اور جب کہ یہ بھی معلوم ہو گیا ہو کہ پورے مغرب کا پریس اور میڈیا اور وہاں کی تمام حکومتیں ملعون رشدی کی پاسبانی اور حمایت میں اپنی پوری مادی قوت جھونک رہی ہوں تاکہ رشدی کی کتاب کی بے پناہ اشاعت اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم سے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ و السلام کی ذات ستودہ صفات پر کیچڑ خوب خوب اچھالا جائے اور اسلام کی دیگر مقتدر ہستیوں کو بھی تضحیک و تذلیل کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے اور صلیبی جنگوں کی خون آشام یادوں کو جس میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح سے بہایا گیا تھا' از سر نو تازہ کیا جائے اور نئی صلیبی جنگ کا آغاز کیا جائے اور اپنی بدباطنی اور اسلام دشمنی کے خوابیدہ بغض و عناد کے طومار کو پھر سے اجاگر کیا جائے' تاکہ اپنی گندی ذہنیت کی تسکین کی جائے۔

اس بھیانک مغربی یلغار کے مقابلہ میں بے سرو سامان مسلمان اپنی طاقتور دنیاوی مادی قوت کے فقدان کے باوجود اپنے داعی اعظم علیہ الصلوۃ و السلام اور دیگر مقتدر ہستیوں کی شان میں گستاخانہ تحریروں اور بے ہودہ الزامات سے بھرپور کتاب کی اشاعت اور ترویج کو رکوانے کے لیے یا پابندی لگوانے کے لیے اپنی سی کوششیں کرنے کے لیے میدان میں آنکلیں تو ان کا یہ عمل وحید الدین کو بلاشبہ "لغویت کی حد تک غیر اسلامی" نظر آیا ہے۔

معلوم نہیں کہ ان صاحب کی خودساختہ "دعوت اسلامی" جس کے خدوخال ابھی واضح طور پر سامنے نہیں آئے اور جس کی تعریف و توصیف میں وہ زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس "دعوت اسلامی" میں پیغمبر علیہ الصلوۃ و السلام اور دیگر مقتدر ہستیوں کے تقدس اور احترام کو ملحوظ رکھنے کا کوئی مقام ہے' یا وہ اسلام کی من مانی تشریحوں' توضیحوں' حقائق اور واقعات کو توڑ مروڑ کر مسلمانوں کے سیدھے سادے موقف کو الٹی سیدھی تعبیروں کے ذریعہ اور تحقیق کی آڑ میں یورپ کے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر کیچڑ اچھالنے میں ان کے ممد و معاون بننے کا ناپاک فریضہ سرانجام دے سکیں۔

صحیح دعوت اسلامی جس کی بنیاد قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ہیں۔ اس میں تو کہا گیا ہے۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھتھم

"نبی کریم ﷺ مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں"۔

(سورہ احزاب' ۶)

اور ارشاد نبوی ہے۔ "تم صحیح طور پر مومن نہیں ہوگے جب تک کہ میں تم کو تمہارے والدین اولاد اور دنیا کے سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔(بخاری و مسلم)

اس کے برعکس وحید الدین خاں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ابولہب اور عبداللہ بن ابی اور ان کے متبعین کے نقش قدم پر چل کر اپنی الٹی سیدھی منطق' تدلیس و تاویل کے ذریعہ ملعون رشدی کی ہمنوائی میں میر جعفر اور میر صادق کا رول ادا کرنے کے لیے میدان میں آدھمکیں اور بے سروسامان مسلمانان عالم جو اپنے نبی پاک ﷺ اور دیگر مقتدر ہستیوں کے واجب الاحترام تقدس کو سرفراز اور سربلند کرنے کی کوششیں کریں تو خاں صاحب کو یہ سب کچھ "مجنونانہ ایجی ٹیشن" نظر آئے اور اس طرح سے وہ دشمنان اسلام کی سب و شتم کی سازش میں ان کا آلۂ کار بن جائیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے "روح محمد ﷺ نکالنے کی ناپاک کوشش میں ان کی مدد معاون بن جائیں۔

بسوخت عقل ز حیرت ایں چہ بو العجبی است

اب ان کے دیگر "ارشادات عالیہ" کی طرف آتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ بڑے محقق اور مفسر قرآن ہیں۔ لیکن ان کی تحریروں کے چند صفحات پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ تحقیق کے میدان میں بھی کورے کے کورے ہیں اور نری جہالت کے علمبردار ہیں۔

سلمان رشدی نے جس کہانی کی بنیاد پر اپنی کتاب کا نام "شیطانی آیات" رکھا ہے' وہ کہانی سب سے پہلے سنہ ۵ نبوی میں مکہ میں وضع کی گئی ہے۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے خاں صاحب لکھتے ہیں:

"قدیم عرب میں تین بڑے بت تھے۔ لات' عزیٰ اور منات۔ ان بتوں کو اس زمانہ میں بہت بڑی چیز سمجھا جاتا تھا۔ ان بتوں کی بڑائی بیان کرنے کے لیے لوگوں نے طرح طرح کے کلمات وضع کر رکھے تھے۔ یاقوت الحموی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔

واللات والعزی ومناہ الثالثہ الاخری ھوءلاء الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔

"قسم ہے لات اور عزیٰ کی اور تیسرے منات کی' یہ سب بلند مرتبہ دیویاں ہیں

ان کی سفارش ضرور متوقع ہے"۔

رسول اللہ ﷺ پر مکہ میں سورۃ النجم کی مذکورہ آیتیں اتریں تو آپ نے حسب معمول ایک مجمع میں ان کو سنایا۔ وہاں مسلمانوں کے ساتھ کچھ مشرک بھی موجود تھے' رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جب یہ الفاظ نکلے۔

افرء یتم اللت والعزی ومناہ الثالثہ الاخری

تو بعض مشرکین نے اس میں اپنے الفاظ ملا دیئے' اپنے بتوں کے نام سن کر وہ فوراً وہ الفاظ بول پڑے جو ان بتوں کی نسبت سے پہلے سے ان کے ہاں رائج تھے اور جن کو وہ ان بتوں کے نام کے ساتھ جوڑ کر کہا کرتے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے۔

تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتجی

ان دوسرے الفاظ کا کوئی بھی تعلق پیغمبر اسلام سے نہ تھا۔ آپ نے تو صرف اول الذکر الفاظ (افرایتم اللات والعزی ومناہ الثالثہ الاخری۔ فرمائے تھے۔ ثانی الذکر الفاظ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتجی۔ تمام تر مشرکین کے الفاظ تھے' جن کو انہوں نے آواز میں آواز ملا کر اپنی طرف سے کہہ دیا' یہی بات بعض مفسرین نے ان الفاظ میں کہی ہے:

"شیطان نے مشرکوں کے کان میں یہ الفاظ ڈال دیے' پس مشرکوں نے گمان کر لیا کہ یہ خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا' وہ دراصل شیطان کا کلام تھا' نہ کہ رسول رحمان ﷺ کا کلام"۔
("تفسیر ابن کثیر" الجزالثالث' صفحہ ۲۳)

(مذکورہ کتاب' صفحہ ۴۲-۴۳)

پھر لکھتے ہیں:

"واقعہ کی سادہ شکل وہی ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے مگر اسلام کے کچھ مخالفوں نے اس واقعہ کو غلط صورت دے کر ایک خودساختہ کہانی بنائی۔ انہوں نے مشرکین کے قول کو پیغمبر کا قول قرار دے دیا اور کہا کہ پیغمبر اسلام پر سورۃ النجم اتاری جا رہی تھی' جب اس کا سلسلہ مناۃ الثالثہ الاخری تک پہنچا تو اس کے بعد شیطان نے مذکورہ الفاظ آپ پر القاء کر دیئے' آپ نے قرآن کی آیت کے ساتھ اس کو ملا کر مجمع میں پڑھ دیا۔ بعد میں آپ کو غلطی کا احساس ہوا تو آپ نے اعلان کیا کہ مذکورہ کلام خدا کا کلام نہیں تھا' وہ شیطان کا کلام تھا۔ یہ کہہ

کر اس کو قرآن سے حذف کر دیا گیا۔

یہ ساری کہانی جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ بالکل لغو ہے اور اس سے بھی زیادہ لغو بات یہ ہے کہ اس کو تاریخی حیثیت دے کر اس کی روشنی میں ایک پورا افسانہ بنایا جائے اور اس کی بنیاد پر پورے قرآن کو کلام خداوندی کے بجائے نعوذ باللہ کلام شیطانی قرار دینے کی کوشش کی جائے"۔ (مذکورہ کتاب' ص ۴۳)

خاں صاحب نے ابن کثیر کی جو روایت بیان کی ہے اس میں تحریر ہے کہ شیطان نے مشرکین کے کان میں یہ الفاظ ڈال دیئے۔ پس مشرکین نے گمان کر لیا کہ یہ خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا ہے۔ مگر مصنف موصوف نے چار جگہ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ یہ کہانی مشرکین مکہ نے وضع کی تھی۔

۱- فرضی کہانی (کہانی کے یہ ابتدائی مصنفین بھی اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں) (ص ۳۵)

۲- سلمان رشدی نے جس کہانی کی بنیاد پر اپنی کتاب کا نام شیطانی آیات رکھا ہے' وہ سب سے پہلے سنہ ۵ نبوی میں مکہ میں وضع کی گئی۔ (ص ۳۶)

۳- بعض مشرکین نے اس میں اپنے الفاظ ملا دیئے۔ (ص ۴۲)

۴- اسلام کے کچھ مخالفوں نے اس واقعہ کو غلط صورت دے کر ایک خودساختہ کہانی بنائی۔ انہوں نے مشرکین کے قول کو پیغمبر کا قول قرار دے دیا۔ (ص ۴۳)

۵- اس لغو قصہ کے ابتدائی مصنف مکہ کے مشرکین تھے۔ (ص ۵۰)

خاں صاحب لکھتے ہیں:

"سلمان رشدی نے اپنا یہ نظریہ اس قصہ کی بنیاد پر کھڑا کیا ہے' جس کو غرانیق کا قصہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس وقت گھڑا گیا جبکہ رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں تھے۔ اس لغو قصہ کے ابتدائی مصنف مکہ کے مشرکین تھے۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو ان مشرکین کے اوپر آپ کو مکمل قابو حاصل ہو گیا مگر آپ نے یہ اعلان نہیں فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں' جنھوں نے غرانیق کا جھوٹا قصہ گھڑا ہے۔ انہیں قتل کر کے ان سب کو جہنم رسید کر دو۔ اس کے برعکس آپ نے ان سے یہ فرمایا کہ:

اذھبوا فانتم الطلقاء۔ "جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

(مذکورہ کتاب' صفحہ ۵۰-۵۱)

خاں صاحب اپنے آپ کو بڑا محقق اور مفسر گردانتے ہیں لیکن ان کی یہ تاویل اور استدلال سرے سے غلط ہے۔ جیسا کہ میں واضح کرتا ہوں کہ انہوں نے واقعہ کو غور سے نہیں پڑھا ہے

اور نہ پرکھا ہے اور تبصرہ کر ڈالا ہے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں سلمان رشدی نے اپنی کتاب کا عنوان "منٹگمری واٹ کی کتاب محمد ایٹ مکہ" کے صفحہ ۱۰۱ سے لیا ہے، جہاں وہ اسے بطور Sub Heading استعمال کرتا ہے۔ واٹ نے اپنی کتاب میں مشہور مصنف ابن جریر طبری کی تاریخ اور تفسیر کے دو حوالوں سے بحث کی ہے۔ ایک کا سلسلہ محمد بن کعب القرظی تک پہنچتا ہے۔ محمد بن کعب القرظی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۴۰ ہجری میں پیدا ہوا اور ۱۱۸ یا ۱۲۰ ہجری میں انتقال کر گیا۔

(ابن حجر عسقلانی "تہذیب التہذیب" جلد ۹، ص ۴۲۰، بخاری "تاریخ کبیر" جلد اول، ص ۲۱۶-۲۱۷)

اس قصہ کا بانی یہی شخص نظر آتا ہے۔ اس کا باپ کعب بنو قریظہ کی تباہی کے موقع پر کم سن تھا۔ اس لیے قتل نہیں کیا گیا۔ محمد بن کعب نے بنو قریظہ کی تباہی کا بدلہ لینے کے لیے غالباً یہ قصہ گھڑا ہے۔ کیونکہ اس قصہ کا سلسلہ نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور نہ اہل بیت کے کسی فرد تک جاتا ہے۔ تو حضور علیہ الصلوۃ و السلام کے وصال کے سو سال بعد اس کو اس واقعہ کی تفاصیل کیسے معلوم ہو گئی جو اس نے بیان کر دی؟

نیز ابن جریر طبری تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے اور تفسیر اور تاریخ وغیرہ کی کتابیں لکھیں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں نہ طبری کا وجود تھا اور نہ محمد بن کعب القرظی کا، نہ اس قصہ کا کوئی ذکر تھا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں یہ واقعہ ہی نہیں ہوا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا تو اس قصے کے مندرجات پر کسی طرح کے رد عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ واقعہ ۵ سنہ بعثت کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد ۴۰ بھی نہیں ہوتی تھی اور قریش کے مظالم سے تنگ آ کر چند نفوس تو حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور چند صحابہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام کے پاس رہ گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ آپ ۶ سنہ بعثت میں مسلمان ہوئے ("ابن ہشام" جلد اول، ص ۳۴۲، "صحیح بخاری" جلد پنجم، ص ۱۴۱) تو پہلی مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایک طرف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسری طرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور چند نفوس کے ساتھ کعبہ میں داخل ہوئے تھے تو ۵ سنہ بعثت میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا خانہ کعبہ میں سورہ النجم کو تلاوت کرنا اور شیطان یا مشرکین کا اس میں الفاظ کے ملا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور سب سے زیادہ وزنی بات تو یہ ہے کہ سورہ النجم کی اندرونی شہادت بتاتی ہے کہ یہ سورت ۱۲ سنہ بعثت میں نازل ہوئی۔ یعنی ہجرت کے ایک

سال قبل۔ ایک آیت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دوسری بار حضرت جبرائیل کو سدرہ المنتہیٰ پر اترتے دیکھا و لقد راہ نزلہ اخری عند سدرہ المنتہی ("صحیح بخاری" جلد ششم، ص ۱۷۵-۱۷۶، باب تفسیر سورہ النجم، "صحیح مسلم" جلد اول، ص ۱۱۰، باب ذکر فی سدرۃ المنتہیٰ) تمام مفسرین، مورخین اور یورپ کے مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل وقوع پذیر ہوا۔ ("تفسیر طبری" جلد ۲۷، ص ۵۰-۵۲، "تفسیر روح المعانی" جلد ۲۷، ص ۵۰، ابن کثیر "السیرۃ النبویہ" جلد دوئم، ص ۱۱۰، "صحیح بخاری" جلد ششم، صفحات ۱۷۵-۱۷۶، باب تفسیر سورہ النجم، "صحیح مسلم" جلد اول، ص ۱۰۹-۱۱۰، باب معانی قول لقد راہ نزلہ الاخری) یعنی ۱۲ سنہ بعثت میں یہ سورہ نازل ہوئی تھی۔ سو یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ سورہ سنہ ۵ بعثت میں نازل ہوئی ہو اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو خانہ کعبہ میں پڑھا ہو؟ یہ ناممکن بات ہے۔

مغرب کے تمام سیرت نگار اور مورخین اس واقعہ کو حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف بہت کچھ اچھالتے ہیں کہ آپ ﷺ اقتدار حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت تک تسلیم کر لیتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سراسر بہتان طرازی ہے جس کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

میں نے اس موضوع پر اپنی کتاب "حضور نبی کریم اور ان کے مغربی ناقدین" زبان انگریزی لکھی ہے۔

Prophet Muhammad and His Western Critics. A Critique of W. Montgomery And Others. Lahore 1992.

اس کی دوسری جلد صفحات ۶۱۵ لغایت ۶۷۲ میں ہر پہلو سے ایک محققانہ بحث کی ہے اور اس کا نہایت مدلل اور مسکت رد لکھا ہے اور اس بحث کو مشہور اطالوی مستشرق لیون کائتانی Leone Caetani کی کتاب Annali Dell Islam کے اقتباسات پر ختم کیا ہے۔ کائتانی حضور نبی کریم ﷺ کا سخت مخالف واقع ہوا ہے۔ مگر وہ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تسلیم کرتا ہے کہ محمد بن کعب القرظی والی سند قطعاً غلط ہے اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو ان کی ساری دعوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا وغیرہ۔ تو وحید الدین خاں کا یہ کہنا کہ فتح مکہ پر ان مشرکین پر غلبہ پا جانے کے بعد ان کو چھوڑ دیا، یہ سب غلط ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر سنہ ۵ بعثت میں یہ سورہ نازل ہی نہیں ہوئی تھی اور سرے سے یہ

واقعہ ہی نہیں ہوا تو مجرمین کو چھوڑ دینے وغیرہ کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

اس طرح وحید الدین کا تمام "تحقیقی کارنامہ" کہ مشرکین مکہ نے یہ قصہ گھڑا' بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے حضور نبی کریم ﷺ کے الفاظ کہ اذھبوا فانتم الطلقاء فتح مکہ کے موقع پر تمام مکہ کے لوگوں کے لیے استعمال کیے تھے۔ لیکن اس وقت بھی تو مختلف جرائم کے مجرمین کے قتل کا حکم دیا تھا۔ بعض قتل کیے گئے تھے اور بعض چھوڑ دیے گئے تھے۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد دوم' ص۴۰۹' ابن کثیر "السیرۃ النبویہ" جلد سوئم' ص ۵۶۳-۵۶۷)

اب اور "ارشادات عالیہ" کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"موجودہ زمانے کے مسلمان نہ صرف یہ کہ دعوت کا کام نہیں کر رہے ہیں' بلکہ وہ مسلسل طور پر دعوت کو قتل کرنے میں مشغول ہیں۔ دوسری قوموں کو سیاسی حریف سمجھنا' ان کے مقابلہ میں احتجاجی اور مطالباتی مہم چلانا' ایسے جھگڑے کھڑے کرنا' جس کے نتیجہ میں داعی اور مدعو کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں۔ اس طرح کی تمام سرگرمیاں دعوت کی فضا کو بگاڑتی ہیں۔ (ص۶)

ایک جگہ اور تحریر کرتے ہیں:

"مسلم رہنماؤں کو یہ جاننا چاہیے تھا کہ اس معاملہ میں ان کا اقدام کوئی سادہ اقدام نہیں ہے۔ یہ پوری مغربی دنیا کے "مذہب" پر براہ راست حملہ ہے...... اس طرح یہ لڑائی' مسلمان بمقابلہ رشدی نہیں رہی' بلکہ مسلمان بمقابلہ مغرب بن گئی ہے"۔ (مذکورہ کتاب' ص ۶۲-۶۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"یہ بھی نہیں سوچتے کہ جو لڑائی وہ چھیڑ رہے ہیں' اس میں دوسرا فریق چھری ثابت ہو گا اور وہ خود خربوزہ کی مثال بن کر رہ جائیں گے"۔ (ص۷)

ان سے کوئی پوچھے کہ لڑائی میں پہل مسلمانوں نے کی ہے یا ملعون رشدی نے پہل کی ہے' جس کو یورپ نے پوری تقویت سے آگے بڑھایا ہے۔

وہ خود کئی جگہ یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ رشدی نے جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر لغو ہے اور پیغمبر اسلام اور دیگر ہستیوں کے خلاف لکھا ہے۔ مسلمان دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ محمد رسول اللہ ان کے پیغمبر برحق اور روحانی پیشوا ہیں تو کیا مغرب کے ارباب اقتدار اور دیگر متعلقہ اداروں کو دنیا کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو نظر انداز کر دینا زیب دیتا ہے؟ کیا مغرب کا اس شیطانی

کتاب کی ہمنوائی میں مسلمانوں کا حریف بننا معقول قسم کی مہذب انسانی تہذیب و تمدن کے مقتضیات کے خلاف اقدام نہیں ہے؟ لیکن مغرب کا ضمیر مردہ ہوچکا ہے۔ ان سے کسی قسم کی بھلائی کی توقع عبث ہے۔

خان صاحب "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" پر عمل کرتے ہوئے ہر بات میں مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دے رہے ہیں کہ مغرب چھری ہے اور مسلمان خربوزہ۔ یعنی مسلمان کا وہی حشر ہوگا' جو چھری اور خربوزہ میں فریق ثانی کا ہوتا ہے۔

لیکن پیغمبر اسلام علیہ الف تحیہ والسلام نے جو تعلیم دی ہے اس میں باطل کے آگے خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو' سرنگوں ہونا نہیں سکھلایا اور خود اپنے اسوہ سے اپنی عمدہ مثال پیش کی ہے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے جب مکہ میں اپنی دعوت کا آغاز کیا اور بتوں کی مذمت اور توحید کی دعوت شروع کی تو قریش مکہ' جو وہاں بہت طاقتور تھے۔ حضور کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور دھمکی دی کہ یا تو اپنے بھتیجے کو اپنی دعوت سے باز رکھو ورنہ ہم سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت ابوطالب بہت پامردی سے آپ ﷺ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس دفعہ قریش سے قدرے مرعوب ہو کر نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں' جو وہ خود اٹھا نہ سکیں۔ جب آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ شفیق چچا بھی حمایت سے ہچکچا رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا تھا:

> "چچا جان! واللہ اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں کہ میں اس بات کو چھوڑ دوں تو ایسا نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود غلبہ عطا نہ فرمائے یا میں خود ہلاک نہ ہو جاؤں"۔
>
> ("سیرت ابن ہشام" جلد اول' ص ۲۶۶)

یہ معرکتہ الآرا جواب چار دانگ عالم میں صدیوں سے گونج رہا ہے اور مسلمانوں کے لیے مشعل ہدایت کا کام دے رہا ہے۔

وحید الدین خاں جیسے قماش کے لوگ مسلمانوں کو یورپ کی چھری سے کیا ڈراتے ہیں۔ مسلمان اپنے نبی پاک ﷺ کی حرمت کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کو اپنی انتہائی سعادت مندی اور خوش بختی خیال کرتے ہیں۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

(علامہ اقبال)

دوسرے وحید الدین خاں ایک سخت قسم کی غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں بلکہ ایک طرح کے مالیخولیا میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "اس قسم کی سرگرمیاں (مسلمانوں کی) دعوت کی فضا کو بگاڑتی ہیں"۔ (ص ٦)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"یہ حالات اس درجہ موافق تھے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد یورپ اور امریکہ میں اسلامی دعوت کا کام اپنے آپ ہونے لگا"۔ (ص ٦٣)

پھر فرماتے ہیں:

"یہ حقیقت ہے کہ مختلف اسباب کے تحت موجودہ مغربی دنیا میں اسلامی دعوت کے نئے امکانات کھلے ہیں"۔ (ص ٦٥)

خاں صاحب کی یہ سخت غلط فہمی ہی نہیں ہے بلکہ حالات کو نہ سمجھ پانے کی سخت حماقت میں مبتلا ہو کر "احمقوں کی جنت" میں رہنے کے مصداق کہلائے جا سکتے ہیں۔ روس کی شکست و ریخت کے بعد امریکہ کے ایک سابق صدر نے بیان داغ دیا تھا کہ اب مغرب کو اسلام سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔ اسی طرح کا ایک بیان ناٹو (Nato) کے سیکرٹری جنرل نے دیا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ اسلام سے نمٹا جائے اور دونوں ملکوں کے سابق رویہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں کی مخالفت میں سب سے بڑھ کر امریکہ اور انگلستان پیش پیش ہیں۔ سربیا ہو یا کشمیر، فلسطین کا قضیہ ہو یا کوئی اور مسلمانوں کا معاملہ، یہ دونوں طاقتیں، ان کے عوام اور پریس وغیرہ سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف پوری مستعدی سے نبرد آزما ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور انگلستان جیسے سخت اسلام دشمن ممالک کے مسلسل جارحانہ رویے کے پیش نظر ان کے سایہ عاطفت اور سرپرستی میں پروان چڑھنے والی "دعوت اسلامی" جس کے علمبردار وحید الدین خاں ہوں، ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اسلام بیزاری اور اسلام سے غداری کے مترادف نہیں ہوگی؟

اس ضمن میں، میں یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کے سواد اعظم، علمائے کرام اور وحید الدین خاں کے درمیان چند مزعومات کی تشریح و توضیح کے بعد المشرقین کی وجہ سے دونوں کے نقطہ ہائے نظر مختلف ہوگئے ہیں۔

خاں صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں:

"قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی ذات کا اصل پہلو آپ کا اسوہ ہونا بتایا گیا

ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کے مسلمانوں نے آپ کی ذات کا اصل پہلو آپ کا "اعظم" ہونا قرار دے دیا ہے۔ یہی انحراف ساری خرابیوں کی جڑ ہے' رسول کو اگر آپ اسوہ اور نمونہ سمجھیں تو اس سے پیروی کا ذہن پیدا ہوتا ہے۔ اس کی بجائے اگر آپ رسول کو اعظم و اکبر سمجھیں تو اس سے فخر کا ذہن ابھرے گا۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں یہ مظہر پوری طرح دیکھا جا سکتا ہے' ان کے اندر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اختیار کرنے کا جذبہ تو بالکل مفقود ہے' حقیقی اتباع رسول سے ان کے اکابر بھی خالی ہیں' ان کے اصاغر بھی' البتہ آپ کو شہنشاہ کونین' سرور کائنات اور فخر موجودات کہہ کر اس پر فخر کرنے کا جذبہ اتنا زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کی خاطر وہ ساری دنیا میں دھوم مچانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں"۔ (ص ۹۴)

سب سے پہلے تو وحید الدین کی حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں گستاخانہ زبان کے استعمال کو دیکھتے ہیں تو اس میں توہین رسالت کا پہلو ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔

آخر کار بلی تھیلے سے باہر آگئی اور وحید الدین خاں کی ساری "اسلامی دعوت" کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا اور وہ اپنے اصلی روپ میں نمودار ہو ہی گئے۔ لیکن یہ ہرزہ سرائی کرتے وقت کچھ بھی نہ سوچا' جو منہ میں آیا' ہانک دیا۔ ان کا یہ کہنا کہ مسلمانوں نے رسول اللہ کو اعظم و اکبر تو بنا لیا مگر اسوہ حسنہ نہ اپنا سکے۔ بالکل لغو بات ہے۔ اس کا نہ سر ہے نہ پیر۔

اسوہ حسنہ (عمدہ نمونہ) کہتے کس کو ہیں؟ کس مقدس ہستی کی پیروی اسوہ حسنہ کہلائی جا سکتی ہے۔ وہ ذات والا تبار جو ہر طرح سے ہر جہت سے قابل تقلید نمونہ بننے کی اہل ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں نظریات (نظریہ سواد اعظم اور نظریہ وحید الدین خاں) میں کون سا نظریہ صحیح ہے اور کونسا باطل اور مردود ہے۔

اس موقع پر قرآن حکیم کی رہنمائی یہ مشکل حل کر سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فان تنازعتم فی شی فردوہ الی الہ والی الرسول (سورہ النساء' ۵۹)

"اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول ﷺ (کے حکم) کی طرف رجوع کرو"

بقول خان صاحب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو اعظم و اکبر بنا لیا ہے۔ بالفاظ دیگر

نعوذ باللہ وہ اعظم و اکبر نہیں ہیں۔ لیکن قرآن حکیم تو بہانگ دہل کہہ رہا ہے۔

وانک لعلی خلق عظیم (سورہ القلم '۴)

"اور بے شک اے رسول تم تو اعلیٰ اخلاق کے حامل ہو"۔

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے خلق عظیم کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "عظیم" کا لفظ ہی آپ کی ذات والا صفات کی عظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔

جس ذات گرامی کی بابت ارشاد الٰہی ہو کہ وہ ہر لمحہ' ہر لحظہ اور ہر آن سبحانہ تعالیٰ کی نظروں کے سامنے ہے اور جس کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہے' اس کے بلند مقام اور رفیع درجات کا کیا عالم بیان ہو سکتا ہے' شیخ سعدی نے بجا طور پر "بلغ العلیٰ بکمالہ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ علم و حکمت سے آراستگی' یہ معرفت ربانی کی [illegible] نوازشیں' یہ رشد و ہدایت کا مسلسل فیضان ہی تو ہے جس کے باعث آنحضرت ﷺ کی بعثت کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک احسان عظیم سے تعبیر فرمایا جو ان کی عظیم المرتبت شخصیت کو مرکز ہونے پر صریح دلالت کرتی ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمہ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔

"اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں سنوارتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"۔ (آل عمران '۱۶۴)

اسی مضمون کو اسی قبیل کی دوسری آیتوں میں بھی ارشاد فرمایا ہے:

"وہی ہے جس نے (عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔ (الجمعہ '۲)

ان آیات میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا فریضہ منصبی بیان فرمایا ہے۔

اولاً یہ کہ رسول انہیں کی قوم میں سے اور انہیں کی جنس بشریت میں سے ہے۔

دوسرے ان کا فریضہ یہ ہے کہ آیات الٰہی پڑھ کر سنائیں۔
تیسرے یہ کہ ان لوگوں کا تزکیہ نفس کریں۔
چوتھے یہ کہ کتاب الٰہی کی تعلیم دیں' اس کے اسرار و رموز' غوامض اور نکات' محکمات اور متشابہات وغیرہ کی تشریح و توضیح کریں۔

پانچویں' اپنی دینی بصیرت اور حکمت خداداد سے جو معرفت الٰہی اور فیضان باری سے منور ہے' دوسروں کو بہرہ ور کریں اور حکمت و دانائی کی باتیں بتائیں' اس فہم رسالت یا ملکہ نبوت کو قرآن حکیم حکمت کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور عرف عام میں وحی غیر متلو کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان آیات کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ کا فریضہ رسالت صرف آیات الٰہی کے پڑھنے سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان کی تشریح و توضیح کرنا بھی آپ کا فرض ہے۔ اس کے علاوہ اپنے متبعین کا تزکیہ نفس کرنا فرائض منصبی میں شامل ہے۔ جس کی بجا آوری میں وحی الٰہی اور نور نبوت دونوں سے اکتساب ضروری ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ کا فریضہ محض ایک نامہ بر کا نہیں ہے' بلکہ وہ صحیح معنوں میں معلم اور ھادی ہیں جو اپنے پیروؤں کی فلاح اور بہبود پر مامور من اللہ ہیں۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم کی جو تشریح اوپر بیان کی گئی ہے' اس کی تائید مزید قرآن حکیم کی دیگر آیات سے بھی ہوتی ہے۔ ایک جگہ جناب رسالت مآب کی نسبت ارشاد ہے:

> یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبئث ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم۔
>
> "وہ (پیغمبر ﷺ) ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے' ان کو دور کرتے ہیں"۔ (الاعراف' ۱۵۷)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جو کچھ رسول اللہ فرمائیں' وہ کیا جائے اور جس سے روکیں رک جائیں' جس کو وہ حلال قرار دیں' وہ حلال ٹھہرے اور جس کو وہ حرام قرار دے دیں' وہ حرام ٹھہرے۔ اس حقیقت کو ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں فرمایا:

> وما انزلنا علیک الکتاب الالتبین لھم الذی اختلفوافیہ وھدی ورحمتہ لقوم یومنون O
>
> "اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ جن امور

(دین) میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ آپ (عام لوگوں پر اس کو ظاہر فرما دیں۔
ایمان والوں کی ہدایت (خاصہ) اور رحمت کی غرض سے" (النحل ۶۴)
ایک اور جگہ فرمایا:

وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔

"تو رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رک جایا کرو۔ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے میں بڑا سخت ہے"۔ (الحشر ۷)

رسول اللہ ﷺ کی جلالت مرتبت اور صحیح مقام کو پہچاننا ان آیات سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے، جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو ذات سبحانہ سے نور بصیرت عطا ہوا ہے، اس کی روشنی میں جب وہ لوگوں کے قضایا کے فیصلے کریں تو ان کو بسرو چشم مسلمانوں کو قبول کرنا چاہیے اور اگر ذرا بھی دل میں تنگی یا گرانی محسوس کی تو ایسے لوگوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ آیات کے الفاظ یہ ہیں۔

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ

"یقیناً ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اس کے مطابق کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھا دیا ہے"۔ (النساء ۱۰۵)

ایک جگہ فرمایا:

انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا

"ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ (ایمان والے) کہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا"۔ (النور ۵۱)

ایک اور جگہ فرمایا:

وما کان لمومن ولا مومنہ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرہ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ

فقد ضل ضللا مبینا○

اور کسی مومن یا مومنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا' وہ صریح گمراہی میں جا پڑا" (الاحزاب'۳۶)

بلکہ ایک جگہ تو رسول اللہ کی حیثیت زیادہ واشگاف الفاظ میں یوں ظاہر فرمائی:

فلا و ربک لا یئومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما○

"سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو' آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں' اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں"۔ (النساء'۶۵)

ان آیات میں سارا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ میں جو کچھ درج ہے اس کے علاوہ جو رسول اللہ کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیں وہ بھی اسی طرح سے واجب الاطاعت اور واجب العمل ہے جیسا کہ وحی الہی کا کوئی فیصلہ جو قرآن حکیم میں مذکور ہے' ان میں اصلاً کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔

اس خصوصی مقام کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی ذات گرامی کو نمونہ تقلید قرار دیا اور ان کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مترادف ٹھہرایا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر

"تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہتر نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو"۔ (الاحزاب'۲۱)

ایک جگہ فرمایا:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

"اے نبی! کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا"۔ (آل عمران'۳۱)

اطاعت رسول کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی"۔ (النساء' ۸۰)

حقیقت امر یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ سنت رسول اللہ کا اتباع لازمی و لابدی ہے کیونکہ بار بار قرآن حکیم "اطیعوا اللہ" کے ساتھ "اطیعوا الرسول" کا جملہ لاتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ کی حیثیت رسالت ایک نمایاں مقام اور درجہ رکھتی ہے' اور دین میں حجت اور سند ہے۔ قرآن حکیم میں بار بار آپ کے بشر ہونے کی حیثیت کا اعادہ کیا ہے کیونکہ آپ کی عظیم الرتبت شخصیت کی وجہ سے دھوکہ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ جیسا کہ عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا دھوکہ لگ گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ وہ محض عام انسانوں جیسے انسان تھے اور ان کا وہ خاص مقام نہیں ہے' ایک دوسری طرف بھٹک جانا ہے۔ وہ خالق ارض و سما کے نمائندہ ہیں' اس کے فرستادہ اور رسول ہیں' اس کی بارگاہ میں ان کا خصوصی مقام ہے' ان سب حقیقتوں سے چشم پوشی کیسے کی جا سکتی ہے؟ کیا ان ہی کی شان میں یہ آیات نہیں آئی ہیں:

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ (الفتح' ۱۰)

ایک جگہ فرمایا:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی

"اور آپ نے (خاک کی مٹھی) نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی" (الانفال' ۱۷)

ایک اور جگہ فرمایا:

وما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین

"اور ہم نے آپ کو دنیا جہان کے لیے (اپنی) رحمت بنا کے بھیجا ہے"۔ (الانبیا' ۱۰۷)

ان اللہ وملکتہ یصلون علی النبی یا یھا الذین امنو صلوا علیہ وسلموا تسلیماO

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اس پیغمبر پر' اے

ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو"۔ (الاحزاب' ۵۶)

کیا قرآن حکیم میں نبی ﷺ کے حفظ مراتب کی بابت تاکیدی احکام نازل نہیں ہوئے ہیں جو ان کی عظیم شخصیت اور بلند مرتبہ کو ظاہر کرتے ہیں؟

یا یھا الذین امنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ الایہ

"اے ایمان والو اپنی آواز کو پیغبر کی آوازوں سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہیں کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو"۔ (الحجرات' ۲)

"النبی اولی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھتھم

"نبی کریم ﷺ مومنین کے ساتھ خود ان کی جانوں سے قریب تر ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں" (الاحزاب' ٦)

کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کی نافرمانی موجب تباہی اور بربادی نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الذین یحادون اللہ ورسولہ اولئک فی الاذلین

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبر کی مخالفت کرتے ہیں' یہ لوگ ذلیل ترین ہیں"۔ (المجادلہ' ۲۰)

الم یعلموا انہ من یحادد اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدا فیھا ذلک الخزی العظیم O

"کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی مخالفت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی سو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے' اس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور یہ بڑی رسوائی ہے؟" (التوبہ' ٦۳)

ومن یعص اللہ و رسولہ و یتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین O

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ضابطوں کی حدود سے باہر نکل جائے گا' اسے وہ دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا' اس

میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اسے ذلت دینے والا عذاب ہو گا"۔ (النساء' ۱۴)

مندرجہ بالا آیات میں منصب رسالت کی جو تشریح اور توضیح کی گئی ہے ان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ منصب رسالت ہر کس و ناکس کو نہیں دیا جاتا۔ اس کے لیے حق تعالیٰ سبحانہ مخصوص ہستیوں کا انتخاب فرماتے ہیں۔

نیز انبیاء علیہم السلام کی یہ برگزیدہ جماعت اپنی سرشت اور طینت میں لازماً صابر' شاکر' راستباز' نیکوکار' صالح اور امین ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی علم و حکمت سے آراستگی' رشد و ہدایت کا سلسلہ فیضان ان کی پوری زندگی میں جاری اور ساری رہتا ہے۔ ان کو دینی بصیرت اور روحانی بصارت اتنی اعلیٰ اور ارفع قسم کی دی جاتی ہے کہ جس سے وہ ہر عقدہ لاینحل کی گرہ کشائی کر سکیں۔

جہاں تک حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا تعلق ہے' وہ اسی سلسلہ نبوت کی ایک کڑی ہیں جن کی علم و حکمت سے آراستگی' معرفت ربانی کی پیہم نوازشیں رشد و ہدایت کا مسلسل فیضان ہی تو ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کی بعثت کو مسلمانوں پر ایک احسان عظیم قرار دیا ہے۔

اس ذات گرامی کو جس کی اعلیٰ صفات حمیدہ اور اخلاق فاضلہ سے متصف ہونے پر ان کو "خلق عظیم" کے لقب سے نوازا گیا ہے' یعنی وہ نبی جو ہر حیثیت سے اور ہر جہت سے ایک بلند مقام پر فائز ہے۔ ان کی یہ سب عمدہ صفات اور اعلیٰ اخلاق کے حامل ہونے کے باعث مسلمانوں کے لیے ان کو ایک بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) قرار دیا ہے۔

لیکن خاں صاحب اس موضوع کو بھی اپنی الٹی تاویل اور غلط منطق سے خلط مبحث کر کے من مانی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ جو سراسر لغو ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ کی ذات کا اصل پہلو آپ کا اسوہ ہونا بتایا گیا ہے مگر موجود زمانے کے مسلمانوں نے آپ کی ذات کا اصل پہلو آپ کا "اعظم" ہونا قرار دیا ہے۔ یہی انحراف ساری خرابیوں کی جڑ ہے"۔ خاں صاحب کی یہ تاویل انتہائی نامعقول' بے ربط اور بے ہنگم ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے حامل ہونے کے باعث ہی ایک عمدہ نمونہ (اسوۂ حسنہ) قرار دیا گیا ہے۔ بالالفاظ دیگر آپ ﷺ ایک عظیم المرتبت اور رفیع الدرجات ہستی ہیں۔

بالالفاظ دیگر خاں صاحب منصب رسالت کی تشریح اور توضیح میں قرآن حکیم کی متعدد آیات جو حضور ﷺ کی عمدہ خوبیوں اور عمدہ اخلاق سے متصف ہونے سے متعلق ہیں' اور آپ کے منصب رسالت کے صحیح خدوخال کو واضح کرتی ہیں' ان سب کی نفی کرتے ہیں۔

افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (بقرہ' ۸۵) (کیا تم کتاب کے

بعض حصوں کو ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو) پر عمل پیرا ہو رہے ہیں۔ ایک طرح سے قرآن حکیم کا صریحاً انکار کر رہے ہیں۔ یہ تو کھلی منافقت ہے اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔

لیکن وحید الدین خاں کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ سواداعظم حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو اعظم اور اکبر سمجھیں اگرچہ وہ ہر طور اور ہر طرح سے اس کے مستحق ہیں۔ وہ تو اس معاملہ میں اس سے بھی آگے بڑھ رہے ہیں اور کھلم کھلا پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں جو شان رسالت کے منافی نظر آتے ہیں اور جس کو کوئی صحیح العقیدہ شخص استعمال کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مگر موجودہ زمانہ کے لحاظ سے مسلمانوں کا دین اسلام نہیں ہے بلکہ ہیرو پرستی ہے۔ انہوں نے خدا کو اپنا خدا نہیں بنایا، البتہ پیغمبر کو انہوں نے اپنا ہیرو بنا لیا ہے۔ پیغمبران کا قومی ہیرو ہے نہ کہ حقیقی معنوں میں خدا کا رسول، یہی وجہ ہے کہ خدا کی توہین کی جائے تو وہ غیر جانبدار بنے رہتے ہیں اور اگر کوئی شخص رسول کے بارے میں توہین کا کلمہ بولے تو فوراً بھڑک اٹھتے ہیں"۔ (ص۹۶)

خاں صاحب اپنے ہی الفاظ کی رو سے خود حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات پر طنزیہ آمیز الفاظ لکھنے کی صورت میں اپنے اوپر خاک ڈال رہے ہیں اور اپنے آپ کو باطل ثابت کر رہے ہیں۔ ان کے یہ الفاظ کہ مسلمانوں کا مذہب اسلام نہیں بلکہ ہیرو پرستی ہے اور انہوں نے پیغمبر کو اپنا قومی ہیرو بنا لیا ہے، نہ کہ خدا کا رسول، اس کا نہ سر ہے نہ پیر۔ ان کے یہ الفاظ توڑ مروڑ کر غلط مبحث کرنا دروغ گوئی اور تضاد بیانی کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔

اگر مسلمان حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں اور ان کے خلاف کسی قسم کی تضحیک و تذلیل اور سوء ادبی ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں اور اس ضمن میں ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں تو ان کے منصب رسول کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی قسم کی ہیرو پرستی کی وجہ سے ہے۔ اور دنیا کے مسلمان ایک قوم نہیں ہیں، مسلمانوں کی بیشتر اقوام ہیں۔ وہ ایک ملت ضرور ہیں نہ کہ قوم۔ تو یہ کہنا کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو قومی ہیرو بنا لیا ہے، بالکل غلط تاویل ہے۔

خاں صاحب کے یہ توہین آمیز کلمات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ان کے دل و دماغ

میں ایک آویزش اور کشمکش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذاتی مفادات نے ان کے دل و دماغ پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ وہ ان مفادات کی خاطر ہر قسم کی دروغ گوئی' یاوہ گوئی کرنے پر تل جاتے ہیں۔ کبھی ان کا پرانا اسلامی تشخص ان کو حق بات کہنے پر اکساتا ہے تو خواہشات اور مفادات کا شیطانی غلبہ پورے طور سے ان پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اور وہ اول فول بکنے لگتے ہیں۔ ہر قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں۔ اور پیغمبر اسلام علیہ الف تحیتہ والسلام پر رکیک حملے کرنے سے بھی باز نہیں آتے ہیں۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

میں اب اس ہیرو پرستی کی بحث کو سمیٹتے ہوئے ایک مشہور فرانسیسی مورخ کے الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔ اس کے الفاظ کا ماحصل یہ ہے کہ کسی بھی معیار سے جانچا جائے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے بڑھ کر کوئی اور شخص عظیم نہیں کہلایا جا سکتا۔

آنحضرت ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرانسیسی مورخ لامارتاں (La Martin) اپنی کتاب "تاریخ ترکیہ" جلد اول' صفحہ ۲۷۶-۲۸۰ (Historie de la Turkie, tome 1, pp. 276-80) بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب (Le Prophet de la Islam Tome II pp. 668-669) میں رقم طراز ہیں:

"دنیا میں کسی انسان نے محمد ﷺ کے نصب العین سے بلند نصب العین اپنے سامنے نہیں رکھا۔ یہ عظیم الشان نصب العین کیا تھا' خدا اور بندے کے درمیان توہمات کے پردے اٹھا دینا' خدا کو انسان کے قلب میں رچا دینا' انسان کو خدائی صفات کے رنگ میں رنگ دینا اور صدہا باطل خداؤں کی بجائے خدا کا منزہ اور مقدس تصور پیش کرنا۔ آج تک کبھی کسی انسان نے اتنے بڑے کام کا بیڑا نہیں اٹھایا' جس کے وسائل اور ذرائع اس قدر محدود ہوں اور مقصد اتنا دشوار اور اس کی قدر سے باہر ہو...... نصب العین کی بلندی' وسائل کی کمی اور پھر نتائج ایسے درخشاں حاصل کرنا اگر یہ کسی انسان کی غیر معمولی قابلیت کا معیار نہیں تو کون ہے' جو اس میدان میں محمد ﷺ کے مقابلہ میں کسی دوسرے انسان کو پیش کرنے کی جرات کر سکتا ہے۔ دنیا کے اور بڑے بڑے انسانوں نے صرف اسلحہ' قانون یا سلطنتیں پیدا کیں' وہ زیادہ سے زیادہ مادی قوتوں کی تخلیق کر سکے جو اکثر

اوقات خود ان کی آنکھوں کے سامنے راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں۔ لیکن اس انسان کے صرف جیوش و عساکر' مجالس قانون ساز' وسیع سلطنتوں' قوموں اور خاندانوں کو ہی حرکت نہیں دی بلکہ ان کروڑوں انسانوں کے قلوب کو بھی' جو اس زمانہ کی آباد دنیا کے ایک تہائی حصہ میں بستے تھے' اور اس سے بھی زیادہ اس شخصیت نے قربان گاہوں' دیوتاؤں' مذاہب و مناسک' تصورات اور معتقدات بلکہ روحوں تک کو ہلا دیا..... اس نے ایسی قومیت کی بنیاد رکھی' جس نے دنیا کی مختلف نسلوں اور زبانوں کے امتزاج سے ایک امت واحدہ پیدا کر دی۔ یہ لافانی امت اور باطل خداؤں سے سرکشی اور تنفر اور ایک خدائے واحد کے لیے والہانہ عشق..... اس نے تمام باطل خداؤں کی عبادت گاہوں کو ڈھا دیا اور ایک تہائی دنیا میں آگ لگا دی۔

"اس کی پاک زندگی' اس کی توہم پرستی کے خلاف جنگ' مکی دور میں طرح طرح کے مصائب کا حیرت انگیز استقلال اور صبر سے مقابلہ کرنا' پھر اس کی ہجرت اور دعوت رشد و ہدایت' خدا کی راہ میں غیر منقطع جہاد' اپنے مقصد کی کامیابی پر یقین محکم اور نامساعد حالات میں اس کی مافوق البشر جمعیت خاطر' فتح و کامرانی میں تحمل و عفو' کسی سلطنت سازی کے لیے نہیں' بلکہ خالص خدائی مقاصد کی کامیابی کے واسطے۔

اس کی شبانہ روز نمازیں' دعائیں' اپنے معبود سے راز و نیاز کی باتیں' اس کی حیات' اس کی رحلت اور بعد وفات اس کی مقبولیت یہ تمام حقائق کس قسم کی سیرت کی گواہی دیتے ہیں۔

عظیم مفکر' بلند پایہ خطیب' پیغامبر' مقنن' سپہ سالار' نہ صرف اجسام بلکہ اذہان و قلوب پر غلبہ پانے والا' صحیح نظریہ حیات کو علی وجہ البصیرت قائم کرنے والا' بہت سی سلطنتیں اور ان سب پر آسمانی بادشاہی کا بانی...... یہ ہیں محمد ﷺ

ان تمام معیاروں کو اپنے ساتھ لاؤ' جس سے انسان کی عظمت اور بلندی کو ناپا اور پرکھا جا سکتا ہے' اس کے بعد بتاؤ کہ کیا دنیا میں اس سے بزرگ تر اور کوئی انسان کبھی ہوا ہے؟"

اے کہ بر تخت سیادت از ازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اب وحید الدین خاں کی ساری تحریر کے ماحصل کی طرف آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر شتم کے اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ صدیوں سے تمام علماء اور تمام مسلم حکمران اس معاملہ میں مجرمانہ غلطی کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ بار بار سب و شتم کا واقعہ ہونے کے باوجود انہوں نے اس مسئلہ پر عمل نہیں کیا۔ نہ علماء نے قتل کے فتوے دیے اور نہ حکمرانوں نے ایسے لوگوں کو قتل کرایا"۔ (ص ۱۰۱' کتاب مذکور)

خاں صاحب کی یہ دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں۔ علماء اور فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کے سب و شتم کرنے والوں کے لیے قتل کے صریح فتوے دیے ہیں اور جہاں کہیں کوئی سب و شتم کا واقع پیش آیا ہے' اس شخص (خواہ مرد یا عورت) کو قتل کیا گیا ہے اور حکمرانوں نے بھی کوتاہی نہیں برتی۔

خاں صاحب نے دریدہ دہنی سے امام ابن تیمیہ کی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" پر بے جا' لے دے کی ہے۔ وہ علم میں اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بہت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

وحید الدین خاں جیسے لوگ ان کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ اس سلسلے میں خاں صاحب نے ایک مشہور مصنف اور ان کی کتاب کا ذکر نہیں کیا' جس کے سامنے ان کی ساری جھوٹی عمارت کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔ میری مراد قاضی عیاض کی کتاب "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" سے ہے۔ ایک اور جگہ ان کی لن ترانی ملاحظہ ہو:

"سارے قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود ہی نہیں' جس میں یہ حکم دیا گیا کہ شاتم کو قتل کر دو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام تر ایک خود ساختہ مسئلہ ہے۔ اس کا خدا کی کتاب سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ص ۱۱۷)

لیکن وہ اپنے باطل نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس قرآن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک اسی طرح واجب الاطاعت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ میں نے قرآن حکیم کی روشنی میں منصب رسالت پر بحث کرتے ہوئے متعدد آیات ایک جگہ جمع کر دی ہیں کہ فرمان رسول قطعاً طور پر واجب الاطاعت ہے۔ ایک آیت کا یہاں ذکر کرتا ہوں:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

"جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی" (النساء' ۸۰)

فتح مکہ کے موقع پر حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے حکم دیا کہ سب کو امان ہے۔ بجز چند انسانوں کے اور ان کے نام بھی بتائے اور فرمایا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے پردے کے پیچھے بھی چھپے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دو۔ مختلف لوگوں کے قتل کی وجہ ان کے غلط اقدامات تھے۔ کسی نے کسی کو قتل کیا تھا' مگر ان میں سے عبداللہ بن خطل کا قصور سب و شتم تھا۔ اور اس کی دو باندیاں تھیں' جو حضور کی شان میں ہجویہ اشعار گایا کرتی تھیں۔ یعنی سب و شتم کے جرم کی سزاوار تھے۔ عبداللہ بن خطل اور اس کی ایک باندی قتل کر دیے گئے۔ دوسری بھاگ گئی تھی۔ بعد ازاں آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ دوسرا شخص الحویرث بن نقید تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے' وہ گستاخی کیا کرتا تھا اور آپ کو ایذا دیا کرتا تھا۔ یعنی سب و شتم کا مرتکب تھا۔ وہ بھی آپ کے حکم کے مطابق قتل کر دیا گیا۔

ان سب کے قتل سے متعلق حوالہ جات' السیرۃ النبویہ' ابن ہشام تحقیق مصطفیٰ السقا ابراہیم الابیاری اور عبدالحفیظ الثلبی مصطفیٰ البابی الحلبی قاہرہ' ۱۳۷۰ ہجری ۱۹۰۰ء طبع دوم' صفحات ۴۱۰-۴۱۱)

("انساب الاشراف" للبلاذری' تحقیق ڈاکٹر محمد حمیداللہ' "دارالمعارف" مصر' جلد اول' ص۳۵۹-۳۶۰' "طبقات ابن سعد" بیروت' ۱۳۷۶ھ' جلد ثانی' ص۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱' "السیرۃ النبویہ" ابن کثیر تحقیق مصطفیٰ عبدالواحد' مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی' قاہرہ ۱۳۸۰ھ' جلد ثالث' ص۵۶۵-۵۶۷' "عیوان الاثر لابن سید الناس" مکتبہ القدسی قاہرہ' ۱۳۰۶ھ' جلد دوم' صفحات ۱۷۵-۱۷۶)

وحید الدین خاں نے امام تیمیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انہوں نے کعب بن اشرف کے قتل کا ذکر کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس کو سب و شتم کی بنا پر قتل کیا گیا تھا (ص۷۰-۷۳) مگر حقیقت یہ ہے کہ کعب بن اشرف کو بار بار نقض عہد (غداری) کی بناء پر قتل کیا گیا۔ کعب بن اشرف دوسرے عام مخالفین کی طرح سب و شتم کے الفاظ بولتا تھا مگر اس کے قتل کا سبب اس کا نقض عہد تھا۔ نہ کہ سادہ طور پر صرف سب و شتم"۔ (ص۱۲۱)

خاں صاحب کا یہ بیان بھی غلط ہے۔ مشہور مصنف قاضی عیاض نے اپنی مشہور کتاب "الشفاء" میں تحریر کیا ہے کہ کعب بن اشرف کو اس کے سب و شتم کی وجہ سے قتل کیا گیا نہ کہ اس کے شرک کی وجہ سے۔ کعب بن اشرف کے قتل کے سلسلہ میں "صحیح بخاری" میں درج ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

من لكعب بن اشرف قد آذى الله و رسوله فقال محمد بن مسلمه يارسول الله ﷺ اتحب ان اقتله قال نعم

" آپ نے فرمایا کون ہے جو مجھے کعب بن اشرف سے (نجات دلائے) جس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں"۔

("صحیح بخاری" جلد پنجم، ص ۱۱۵-۱۱۶، محمد علی صبیح و اولادہ، "صحیح مسلم" جلد پنجم، ص ۱۸۲، محمد علی صبیح و اولادہ)

عبدالرزاق بن ہمام رحمتہ اللہ تعالیٰ کے مقام اور مرتبہ سے اہل علم واقف ہیں۔ یہ امام بخاریؒ کے جلیل القدر استاد اور تبع تابعی ہیں۔ ان کا دور دوسری صدی ہجری کے آغاز کا دور ہے۔ ان کے مجموعہ احادیث کا نام "المصنف" ہے۔ جس میں انہوں نے "سب النبی" کا علیحدہ باب قائم کیا ہے۔ یہ احادیث ۹۷۰۴ سے شروع ہو کر ۹۷۰۸ پر ختم ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ۹۷۰۴ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں دشنام طرازی کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "کون ہے جو ہمارے اس دشمن کی خبر لے گا" اس پر جناب زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا "میں حاضر ہوں"۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جا کر اس گستاخ رسول ﷺ کو واصل جہنم کیا۔

حدیث نمبر ۹۷۰۵ ایک بدبخت عورت حضور ﷺ کو گالیاں دیتی رہتی تھی۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

حدیث نمبر ۹۷۰۶ ایک نصرانی شخص کے قتل کے بارے میں ہے جس نے حضور کو گالیاں دی تھیں جس پر اس کو قتل کر دیا گیا تھا۔

حدیث نمبر ۹۷۰۷ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی تکذیب کی۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "جاؤ اور اگر وہ مل جائے تو اسے قتل کر دو"۔

حدیث نمبر۹۷۰۸ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا جس نے سرکار رسالت ماب علیہ الصلوۃ والسلام کی تکذیب کی' اس کی گردن مار دی جائے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ابن التیمی کے والد نے سنا جسے ابن التیمی نے صاحب "المصنف" عبدالرزاق بن ہمام سے بیان کیا۔

سنن ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتی تھی۔ ایک شخص نے ہمیشہ کے لیے اس کا منہ بند کر دیا۔ (یعنی اسے مار دیا گیا) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دیا۔ (اس کے ورثا کو قصاص یا دیت کا حق دار نہیں سمجھا گیا)

قاضی عیاض نے دیگر اور اشخاص کا بھی ذکر کیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے تھے اور گالی دینے کے جرم کی بنا پر قتل کیے گئے تھے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

یہ تمام واقعات وحید الدین خاں کے موقف کو کلی طور سے رد کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ترجمہ کتاب الشفاء

"ہم سے شیخ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن غلبون نے بسند خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی کسی نبی کو گالی دے تو تم اس کو قتل کرو اور جو کوئی میرے کسی صحابی کو گالی دے' تو تم اس کو مارو اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم کیا اور فرمایا کہ کعب بن اشرف کے لیے کون ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے اور اس کی جانب ایک شخص (یعنی محمد بن مسلمہ) کو روانہ فرمایا جس نے اس کو برخلاف اور مشرکوں کے بلا دعوت دھوکہ سے قتل کر ڈالا۔ اور آپ نے اس کے قتل کو محض اپنی ایذاء کے ساتھ معلل فرمایا تھا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا اس کو قتل فرمانا شرک کے سبب نہ تھا۔ بلکہ اذا کے سبب تھا اور علی ہذا قتل ابی رافع کا براء نے کہا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا تھا اور آپ کی مخالفت پر لوگوں کی اعانت کرتا تھا اور علی ہذا فتح مکہ کے روز آپ کا قتل ابن خطل اور اس کے دونوں چھوکریوں کا حکم کرنا جو آپ کی گالیوں کو گایا کرتی تھیں۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیا کرتا تھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے دشمن سے کون کفایت کرے گا؟ تو خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں یارسول اللہ' تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روانہ فرمایا۔ پس انہوں

نے اس کو قتل کر ڈالا اور علی ہذا کافروں میں سے بھی آپ نے بہت سے کافروں کے قتل کا حکم دیا ہے جو آپ کو تکلیف پہنچاتے اور گالی دیتے تھے۔ جیسے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط اور فتح مکہ سے پہلے اور نیز اس کے بعد آپ نے بہت سے لوگوں کے قتل کا عہد کیا تھا۔ چنانچہ وہ سب قتل کیے گئے، مگر وہ لوگ جنہوں نے اسلام کے قبول کرنے میں جلدی کی اور قبل اس کے کہ مسلمان ان پر قابو پائیں، وہ اسلام لے آئے۔ اور بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آواز دی کہ اے جماعت قریش، میرا کیا حال ہے کہ میں تمہارے درمیان جبراً قتل کیا جاتا ہوں۔ تو اس پر نبی اللہ ﷺ نے اس کو جواب دیا کہ تیرے کفر اور افترا کے سبب جو تو نے رسول اللہ ﷺ پر باندھا تھا۔

ابن قانع نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے اپنے باپ کو کو سنا کہ وہ آپ کی شان میں بہت بری بات کہتا ہے تو میں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ سو یہ نبی اللہ ﷺ کو ناگوار نہیں گزرا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہوا ہے کہ ایک اندھے کی ام ولد نبی اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور وہ اس کو ڈانٹا رہتا تھا اور وہ باز نہ آتی تھی۔ چنانچہ ایک رات اس نے نبی اللہ ﷺ کی شان میں کچھ بکنا اور گالیاں دینا شروع کیں تو اس اندھے نے اس کو مار ڈالا اور نبی اللہ ﷺ کو اس کی خبر کی تو آپ نے اس کا خون ہدر فرما دیا۔

اب ہم وحید الدین خاں کے دوسرے مفروضے کی طرف آتے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں یا حکمرانوں نے توہین رسالت کے مرتکب لوگوں کو سزائیں نہیں دیں، قطعاً بے بنیاد ہے۔

ہم پہلے جناب محمد اسمٰعیل قریشی کی کتاب "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" کے چند صفحوں کے اقتباسات پیش کرتے ہیں، جس میں بلاد شرق میں قانون توہین رسالت کے تحت جن لوگوں کو سزا دی گئی ہے، درج ہے۔

اس کے بعد مسلم سپین میں مسلمان حکمران خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی کے عہد حکومت میں عیسائیوں نے توہین رسالت کا منظم طور سے ارتکاب کیا تھا اور ان کو اسلامی اصولوں کے مطابق

سزا دی گئی تھی۔

یہ سب واقعات وحید الدین خاں کے مزعومہ دعویٰ کہ مسلمان حکمرانوں نے توہین رسالت کے مجرموں کو سزا نہیں دی' کا پورے طور سے رد اور تردید کرتی ہے اور ان کی مذموم کوشش کہ مسئلہ مسلمانوں کا گھڑا ہوا ہے اور کسی کو ایسی سزائیں نہیں دی گئیں' کلی طور سے باطل قرار دیتی ہے۔

بلاد مشرق میں قانون توہین رسالت ﷺ

ماخوذ از ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ
مصنفہ محمد اسمٰعیل قریشی' ایڈووکیٹ' لاہور

جزیرۃ العرب میں قرن نبوت اور دور خلافت کے بعد بھی تنقیص رسالت کی سزا' سزائے موت برقرار رہی ہے۔ جس کی تصدیق صاحب "المصنف" کے اس بیان کردہ واقعہ سے ہوتی ہے جس میں ایوب بن یحییٰ نے عدن میں ایک نصرانی کو بطور حد یہی سزا دی۔ جس کی توثیق اس وقت کے حکمران عبدالملک نے کر دی تھی۔

اسی طرح بلاد شام میں بھی یہی قانون نافذ رہا ہے' جس کے تحت ایک نصرانی کو امام ابن تیمیہؒ اور شیخ الحدیث علامہ زین العابدین کے استغاثہ پر ماخوذ کیا گیا تھا۔ مصر میں بھی اسی قانون کے مطابق فیصلے ہوتے رہے ہیں کیونکہ وہاں تمام مکاتب فقہ جن کی اپنی اپنی علیحدہ عدالتیں قائم تھیں' اسی سزا پر متفق تھے۔

اسپین میں جب تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی ہے' وہاں کی تمام عدالتوں میں اسی قانون حد پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ جس کا ذکر قرطبہ کے چیف جسٹس ابوالفضل قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفا" میں کیا ہے۔ اسی کتاب میں ابن حاتم کے مقدمہ کا ذکر بھی کیا ہے جس کو گستاخی رسالت مآب ﷺ کے جرم پر علمائے اندلس کے متفقہ فیصلہ کی بناء پر واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔

ترکیہ اور سمرقند اور بخارا میں اسی قانون اسلامی کا ذکر ہمیں علامہ آلوسی اور علامہ ابواللیث سمرقندی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ افغانستان میں اسی قانون کے تحت مرتد کو سنگسار کیا گیا تھا۔ ایران میں آج بھی یہی قانون سزائے موت' برطانیہ اور دوسرے یورپی ملکوں سے سفارتی تعلقات کی

پرواہ کیے بغیر نافذ ہے اور اسی کے تحت گستاخ رسول سلمان رشدی کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ بدبخت یورپ اور امریکہ کے حفاظتی خول کے اندر زندہ درگور ہے۔

ہندوستان میں جب تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی ہے' اسی قانون حد کے تحت مجرموں کو سزا دی جاتی رہی ہے۔

ان میں سے مغل دور حکومت کے دو اہم مقدمات کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔ ایک مقدمہ تو اکبر کے دور سے متعلق ہے جبکہ جاہل' ان پڑھ بادشاہ کو اس کے خوشامدی اور چاپلوس درباریوں نے' جن میں فیضی اور ابوالفضل پیش پیش تھے' اسلام سے بیگانہ کر دیا تھا اور اکبر مکمل طور پر ہندو مہارانیوں کے زیر اثر تھا۔ تمام کاروبار حکومت دین الٰہی کے نام سے سیکولر خطوط پر چل رہے تھے۔ اس تاریخی مقدمہ کا ذکر تفصیلی طور پر ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی "منتخب التواریخ" میں کیا ہے' جو درج ذیل ہے:

"عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ (شیخ عبدالنبی قاضی القضاۃ) کے پاس ایک استغاثہ بھیجا' جس میں بیان کیا گیا کہ وہاں مسلمان ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیے ہوئے تھے' لیکن ایک سرکش مالدار برہمن نے سارا عمارتی ساز و سامان اٹھوا لیا اور اس سے صنم کدے کی تعمیر شروع کروا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ کیا تو اس نے گواہوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی اس نے سخت توہین کی۔ شیخ موصوف نے اس کو طلب کیا لیکن اس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا' جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھجوایا اور وہ اسے لے آئے۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا' بیان کیا اور کہا کہ اس بات کی تحقیق ہو گئی ہے کہ اس نے گالیاں دی تھیں۔

اس کی سزا کے معاملہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے اسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا اور دوسرا اس کے خلاف تعزیر اور جرمانہ پر زور دے رہا تھا۔ اس معاملہ میں بحث طول پکڑ گئی۔ شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے۔ ہم سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔ شاہی محل کی بیگمات اس کی رہائی کے لیے سفارشیں کرتی رہیں' لیکن بادشاہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا اس لیے اس نے رہائی کا

حکم بھی نہیں دیا۔ شیخ نے جب اس کے قتل کے لیے زیادہ اصرار کیا تو بادشاہ نے وہی جواب دیا ہم تو تم سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب جانو کرو (کیونکہ اس معاملہ کا تعلق شرع سے ہے) جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اس برہمن کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں اس کی گردن ماری گئی"۔

ملا عبدالقادر بدایونی جو اس مقدمہ کی ساری روداد سے واقف تھے' اس سلسلہ میں آگے بیان کرتے ہیں:

"اچانک دور سے بادشاہ کی نظر مجھ پر پڑی اور کہا "آگے آؤ" میں جب سامنے پہنچا تو پوچھا کیا تم نے بھی یہ مسئلہ سنا ہے کہ "اگر ایک شخص کے قتل پر ننانوے روایتیں ہوں اور رہائی کے لیے صرف ایک روایت ملتی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہ اس ایک روایت کو ترجیح دے" میں نے کہا "جی ہاں! ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور فرماتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان الحدود و العقوبات تدرو بالشبہات میں نے اس کا مطلب فارسی میں سمجھایا کہ شبہات سے سزاؤں میں کمی ہو جاتی ہے۔ نہایت افسوس کے ساتھ پوچھا "کیا شیخ اس مسئلہ سے واقف نہ تھا"۔

ہندو رانیوں اور خوشامدی درباریوں کے اکسانے کے باوجود اکبر کو بھی یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ شیخ سے اس بارے میں باز پرس کر سکے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ علماء کی اکثریت شیخ موصوف کی تائید میں ہے۔

دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دور حکومت اور اسی لاہور سے متعلق ہے جس کا ذکر ایک ہندو مورخ ڈاکٹر بی۔ ایس نجار (Dr. B.S. Nijjar) نے اپنی کتاب "پنجاب آخری مغل دور حکومت میں" (Punjab Under The Later Mughals) جبکہ زکریا خان (۱۷۰۷-۱۷۵۹) گورنر پنجاب تھا' اس طرح کیا ہے:

"حقیقت رائے باگھ مل پوری' سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا۔ جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ بھٹہ نامی سکھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو مسلمانوں کے اسکول میں داخل کیا گیا تھا۔ جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کہیں (یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ واقعہ ایک متعصب ہندو مورخ لکھ رہا ہے' جس کا مقصد سکھوں اور ہندوؤں کے ذہن کو مسلمانوں کے خلاف زہر آلود کرنا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ پہلے

عرض کیا گیا ہے' اسلام نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ کسی مذہب کے رہنماؤں کو برا بھلا نہ کہیں تاکہ انتقاماً خدا یا رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا امکان ہی پیدا نہ ہو۔ مسلمان تو حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبر ہیں اور ان کے دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے پیروان مذہب سے بڑھ کر احترام کرتے ہیں اور انہوں نے رام چندر جی یا ان کے اوتار کرشن کی تاریخی عظمت سے کبھی انکار نہیں کیا اور نہ ہندوؤں کو ان کی رسوم و عبادات سے روکا جبکہ ان کے مذہب میں بتوں کی پرستش سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں وہ گرو نانک کو توحید کے مبلغین میں سمجھتے ہیں اس لیے مسلمان استاد پر یہ الزام کہ اس نے ہندو اوتاروں کی توہین کی' قرین قیاس نہیں بلکہ خلاف حقیقت معلوم ہوتا ہے)"۔

پھر یہی مصنف اسی سلسلہ میں آگے لکھتا ہے:

"حقیقت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام ﷺ اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے لاہور عدالتی کارروائی کے لیے بھیجا گیا۔ اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔ کچھ ہندو افسر زکریا خاں (جو اس وقت گورنر لاہور تھا) کے پاس پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے لیکن زکریا خاں نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظرثانی سے انکار کر دیا جس کے اجراء میں پہلے مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی۔ یہ سال ۱۷۳۴ء سن عیسوی کا واقعہ ہے جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی۔ لیکن خالصہ کمیونٹی نے آخرکار اس کا انتقام مسلمانوں سے لیا اور سکھوں نے ان تمام لوگوں کو جو اس واقعہ سے متعلق تھے' انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا"۔

جہاں تک اس واقعہ میں توہین رسالت کی سزا کا تعلق ہے' وہ درست ہے۔

مسلم ہسپانیہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام پر سب و شتم کرنے والوں کو قتل کیا گیا۔ مندرجہ ذیل تفاصیل ملاحظہ ہوں:

ہم یہاں چند مغربی مصنفین کا بھی ذکر کریں گے' جنہوں نے بیان کیا ہے کہ مسلم ہسپانیہ

میں خلیفہ عبدالرحمٰن دوم کے عہد حکومت میں عیسائی پادریوں کو نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا خبط ہوگیا تھا اور ان سب کو اسلامی قانون کے مطابق سزائے موت دی گئی۔

رافیل الثمیرا "تاریخ ہسپانیہ" میں لکھتا ہے:

"عبدالرحمٰن دوم کے دور حکومت میں قرطبہ کے ایک پادری الوارو کا' ایک اور پادری ایولوجیو اور دو لڑکیوں فلورا اور ماریا کے ہمراہ' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کے الزام میں قرطبہ میں سر قلم کیا گیا' یہ ایک ایسا جرم تھا' کہ جس کی سزا اسلامی قانون کے مطابق موت تھی۔ چرچ نے ان کی شہادت کی بنا پر انہیں ولیوں کا درجہ دے دیا"۔

("تاریخ ہسپانیہ"---- پرنسٹن نیو جرسی (پانچواں ایڈیشن) ۱۹۶۲ء' صفحہ ۹۸)

ول ڈیورانٹ اپنی کتاب "عہد مذہب (Age Of Faith) میں رقم طراز ہے:

"..... پرفیکٹس نامی ایک پادری نے محمد ﷺ کے بارے میں اپنی سوچ سے چند مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے "شہادت" کا درجہ حاصل کیا۔ ان مسلمانوں نے پادری سے وعدہ کیا تھا کہ اس کا راز فاش نہیں کریں گے۔ لیکن پادری کے اظہار بیان کی شدت سے انہیں ایسا صدمہ پہنچایا کہ انہوں نے اس کی مخبری حکومت سے کر دی۔ قاضی نے کچھ مہینوں کے لیے پادری کو جیل بھیج دیا۔ اس امید پر کہ اس کے نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا ہو' لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا' چنانچہ اسے سزائے موت دی گئی۔ مسلمانوں نے اس کی گردن مارنے پر خوشی کا اظہار کیا جبکہ عیسائیوں نے اسے ولی بنا کر دفن کیا۔

یولوجیس کی قیادت میں تشدد پسندوں (Zealots) کا ایک گروپ تشکیل دیا گیا' جن کا مقصد بر سرعام نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا تھا اور وعدۂ جنت پر خوشی خوشی شہادت قبول کرنا تھا۔ (ڈیورانٹ نے آئزک' سانچو اور دیگر پادریوں کے نام لکھے ہیں جن کے توہین رسالت کے جرم پر سر قلم کیے گئے)

ڈیورانٹ مزید لکھتے ہیں:

"تشدد پسند اس پر مسرور ہوئے' لیکن بہت سے عیسائی پادریوں اور عام دنیاداروں نے حصول "شہادت" کے اس جنون کی مذمت کی۔ انہوں نے ان تشدد پسندوں سے کہا: "سلطان نے ہمیں مذہبی آزادی دے رکھی ہے' تو پھر یہ جنون کیوں؟" سلطان عبدالرحمٰن کی طلب کردہ عیسائی بشپوں کی کونسل نے ان

تشدد پسندوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں تنبیہ کی کہ اگر انہوں نے اپنی شورش جاری رکھی تو ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ یولوجیس نے اراکین کونسل کو بزدل قرار دیا۔

(فلورا اور ماریا نے تشدد پسند تحریک کے زیر اثر نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور ان کے سر قلم کر دیے گئے)

یولوجیس نے، جس کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے، "شہیدوں کو پکارا" اور "پادریوں، راہبوں اور عورتوں نے عدالت کی جانب مارچ کیا، توہین رسالت کی موت اور سزا پائی (۸۵۲ء) خود یولوجیس نے بھی سات برس بعد "شہادت" کمائی۔ اس کی موت کے بعد یہ تحریک ختم ہوگئی"۔

(ول ڈیوراں، "عہد مذہب" (Age of faith) نیویارک، ۱۹۵۰ء صفحات ۳۰۰-۳۰۱)
"کیمبرج میڈیول ہسٹری" کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۲ء جلد سوم، صفحات ۴۱۶-۴۱۷)

مسلم ہسپانیہ کا عظیم مورخ ڈوزی اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"سب سے بڑھ کر پادری تھے جو شدید پیچ و تاب کھاتے تھے۔ جبلی طور پر وہ محمد ﷺ کے پیروکاروں سے نفرت کرتے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کی تعلیمات کے بارے میں وہ انتہائی باطل نظریات رکھتے تھے یا جس طرح وہ عربوں کے درمیان رہتے تھے، تو ان کے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز آسان نہ تھی کہ وہ ان معاملات میں سچائی سے آگہی حاصل کرتے، لیکن انہوں نے اڑیل انداز سے، سرچشمے کے اس قدر قریب ہونے کے باوجود اس حصول آگہی سے انکار کرتے ہوئے مکہ کے پیغمبر ﷺ سے متعلق ہر قسم کے مضحکہ خیز افسانے پر اعتبار کرنے اور اس کی تشہیر کرنے کو ترجیح دی خواہ ایسے افسانے کا ماخذ کچھ بھی تھا"۔

("ہسپانوی اسلام"--- رین ہارٹ ڈوزی، ابتدائیے اور نوٹس کے ہمراہ، ایف جی سٹوکس کا ترجمہ کردہ لندن، ۱۹۲۳ء، صفحہ ۲۶۸)

ایک اور جگہ ڈوزی لکھتا ہے:

"درحقیقت پادری دین اسلام کے بارے میں انتہائی باطل نظریات پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے دیگر ہم مذہب جو زیادہ باخبر تھے، انہیں اس امر کا یقین دلانے میں ناکام رہے کہ محمد ﷺ عربی نے پاکیزہ اخلاق کا درس دیا ہے۔ یہ سعی

لاحاصل تھی کیونکہ کلیسا کے خادم اسلام کو روحی مظاہر پرستی میں شمار کرتے تھے اور اسے شیطان کی تخلیق کردہ صنم پرستی قرار دیتے تھے"۔

("ہسپانوی اسلام"--- آر ڈوزی' صفحہ ۲۷۱)

ایک اور مصنف اسی انداز میں لکھتا ہے:

"نویں صدی کے وسط میں عبدالرحمٰن دوم کے عہد حکومت میں ایک بڑی جوابی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی' جس نے "شہادت" کی بالارادہ جستجو کی شکل اختیار کر لی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے صاف اور سیدھے طریق عبادت میں کبھی مداخلت نہ کی تھی' لیکن جب بہت سے عیسائی مرد و زن نے اسلام پر دشنام طرازی اور پیغمبر اسلام ﷺ پر ملامت کا سلسلہ شروع کیا تو مسلمان قاضیوں نے انہیں موت کی سزائیں دیں"

("مورش کلچر ان اسپین" ٹائٹس برک ہارٹ' لندن' ۱۹۷۲ء' صفحات ۲۶-۲۷)

وحید الدین خاں نے اپنے اختتامیہ میں کہا ہے کہ یہ اسلام اور عیسائیت کی جنگ نہیں لیکن ہے اور ضرور ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے کردار کے بیان میں اہل مغرب کا مبنی بر تعصب اور جانبدارانہ رویہ ملاحظہ کریں:

پیغمبر اسلام ﷺ کا ممنون احسان ہونے کے بجائے کہ انہوں نے مشرق کے عیسائیوں کو بازنطینی چرچ کی حلقہ بگوشی اور ظلم و ستم سے نجات دلا کر ان کی حالت سدھاری' اقلیم فکر کی بہت سی جہات میں مغرب کے عیسائیوں کو تہذیبی ترقی عطا کی اور دنیا میں تہذیب اور سائنس کی عمومی ترقی کا باعث بنے---- عیسائی اور مغربی مصنفین نے جواب میں شارع اسلام ﷺ کی شخصیت کی ممکنہ حد تک انتہائی مسخ شدہ تصویر پیش کی ہے:

فلپ کے حتی اپنے کتاب "اسلام اور مغرب" میں لکھتا ہے:

"ماضی کی صلیبی جنگوں کی یادیں اور آئندہ نسلوں کے لیے آنے والی صلیبی جنگوں کی توقعات صدیوں تک جاری و ساری رہیں۔ مجوسیت' بدھ ازم اور دیگر مذاہب کو' جو بہت ہی کم پھلے پھولے' کبھی بھی اس قدر سب و شتم اور مذمت کا نشانہ نہیں بنایا گیا' جتنا اسلام کو۔ بنیادی طور پر یہ خوف' عناد اور تعصب تھا' جس نے اسلام کے بارے میں اہل مغرب کے خیالات میں رنگ آمیزی کی اور ان کے رویے کو غلط نہج پر ڈال دیا۔ اسلامی عقائد' دشمن کے عقائد تھے' اس لیے اگر باطل نہیں تو مشتبہ ضرور تھے"۔

("اسلام اور مغرب"---- پرنسٹن یونیورسٹی پریس' ۱۹۶۲ء' صفحات ۴۸-۴۹)

ڈبلیو کانٹ ویل اسمتھ اپنی تصنیف "اسلام ان ماڈرن ہسٹری" میں اسی طرح کا موقف اختیار کرتا ہے:

"تاریخ بتاتی ہے کہ کسی بھی دوسری تہذیب کی نسبت عالم اسلام سے اہل مغرب کے تعلقات ابتداء ہی سے بنیادی طور پر مختلف رہے ہیں۔ دونوں کی شروع ہی سے ایک مشترک حد بندی رہی ہے' جس کے معنی ہیں کہ ان میں پیہم معرکہ آرائی رہی ہے اور بسا اوقات تو ایک کھلی جنگ کی صورت رہی ہے۔ یورپ نے گزشتہ تیرہ صدیوں سے اسلام کو اپنے لیے اپنا دشمن اور خطرہ ہی سمجھا ہے..... اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ محمد ﷺ کو دنیا کے دیگر عظیم مذہبی پیشواؤں سے کہیں زیادہ مغرب میں بہت کم اچھے طور پر پیش کیا گیا ہے اور وہاں اسلام دنیا کے کسی بھی بیرونی عقیدے کی نسبت انتہائی کم پسندیدہ رہا ہے۔ کارل مارکس اور کیمونزم کے آغاز تک مغربی تہذیب کو پیغمبر ﷺ ہی کا شروع کردہ اور منظم کردہ سنگین چیلنج درپیش رہا ہے' جس کا پوری تاریخ میں اہل مغرب نے سامنا کیا ہے"۔

("اسلام ان ماڈرن ہسٹری" اے مینٹر بک ۱۹۵۹ء' صفحات ۱۰۹-۱۱۰)

جے جے سانڈرس کہتے ہیں:

"اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پیغمبر عربی ﷺ کو عیسائیوں نے کبھی بھی ہمدردی اور التفات کی نظر سے نہیں دیکھا جن کے لیے حضرت عیسیٰ کی شفیق اور معصوم ہستی ہی آئیڈیل رہی ہے۔ عیسائیت کو اسلام سے پہنچنے والے نقصانات اور وہ پروپیگنڈا جو صلیبی جنگوں کے دور میں پھیلایا گیا' غیر جانبدارانہ رائے کے لیے ممد اور معاون نہ تھے اور اس وقت سے لے کر تقریباً آج تک محمد ﷺ کو متنازعہ لٹریچر میں بطور..... پیش کیا گیا ہے۔ بے ہودہ کہانیاں پھیلائی گئیں اور طویل عرصے تک ان پر یقین کیا جاتا رہا ہے"۔

("عہد وسطیٰ کے اسلام کی تاریخ"----- ایڈیشن دوم' لندن ۱۹۶۶ء صفحات ۳۴-۳۵)

ڈبلیو منٹگمری واٹ اپنی کتاب "اسلام کیا ہے؟" میں رقم طراز ہے:

"مشکل یہ ہے کہ ہم اس گہرے تعصب کے وارث ہیں' جس کی جڑیں قرون وسطیٰ کے جنگی پروپیگنڈے میں پیوست ہیں۔ اب اس کا وسیع پیمانے پر اعتراف کیا

جانا چاہیے۔

تقریباً آٹھویں صدی عیسوی سے عیسائی یورپ نے اسلام کو اپنا عظیم دشمن سمجھنا شروع کیا جو عسکری اور روحانی دونوں حلقہ اثر میں اس کے لیے خطرہ تھا۔ اسی مہلک خوف کے زیر اثر عیسائی دنیا نے اپنے اعتقاد کو سہارا دینے کے لیے اپنے دشمن کو ممکنہ حد تک انتہائی ناپسندیدہ نظر سے پیش کیا۔ اگرچہ اس میں چند حقائق بھی مضمر تھے' بارہویں اور تیرہویں صدی میں تراشا گیا۔ اسلام کا تصور اہل یورپ کی فکر اور سوچ پر غالب رہا ہے۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں بھی ان کے کچھ اثرات باقی ہیں"۔

("اسلام کیا ہے؟"---- لندن ۱۹۶۸ء صفحات ۱-۲)

ایک اور جگہ ڈاکٹر واٹ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ:

"اسلام کے بارے میں ہمارا رویہ مجموعی طور پر غیر جانبدارانہ نہیں ہے۔ کسی حد تک اب بھی ہم عہد وسطیٰ کے جنگی پروپیگنڈے کے زیر اثر ہیں"۔

("ٹرتھ ان ریلیجنز" ایڈن برگ یونیورسٹی پریس' ۱۹۶۳ء صفحہ ۱)

خود مغربی مصنفین کے ان اعتراضات سے نظر آئے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کے بارے میں ان کا طرز عمل تعصب' نفرت اور عناد کے جذبات سے پراگندہ ہے اور انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کی ایک انتہائی مسخ شدہ تصویر پیش کی ہے۔ مرحوم جسٹس ایس۔ اے رحمان بجا طور پر ایک جگہ لکھتے ہیں:

"...... دیگر حضرات' جنہیں پختہ تعصب اور مذہبی نفرت نے اندھا کر رکھا ہے' وہ یک طرفہ جانبداری کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس پر اتر آئے ہیں کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت اور ان کے تاریخی مرتبے کو گھٹا کر پیش کریں' اور ان کی سیرت اور کارنامہ کو کینہ پرور تنقید کا ہدف بنائیں"۔

(خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب "پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کا پیغام" کا پیش لفظ---- لاہور)

مغربی مصنفین کے ان کھلے اور غیر مبہم اعترافات کے پیش نظر کیا کسی شخص کے لیے کسی قسم کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے کہ وہ ان مشتبہ مسخ شدہ اور بدنیتی پر مبنی مغربی روایتوں کا سہارا لے کر آنحضرت ﷺ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرے جس کی کوئی تک ہے نہ جواز؟ اور کیا ان جاہل بزعم خود "آزاد خیال" حضرات مثلاً وحید الدین خاں کے لیے اس بات کا

ذرہ برابر جواز بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گستاخان رسول ﷺ کی وکالت کریں اور ایسا کرنے کے لیے ان کے کیا محرکات ہیں؟ وہ محسن انسانیت ﷺ کے پاکیزہ و ارفع نام اور مقام و مرتبے کے تحفظ کے بجائے، جسے بدباطن غیر مسلم آلودہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان مجرموں کی حمایت کرتے زیادہ دکھائی دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے جرم کی پاداش سے بچ نکلیں۔

ایسی صورت میں کیا کوئی صحیح العقیدہ مسلمان، کسی شخص کو اس بات کی کھلی چھٹی دے سکتا ہے کہ وہ "لبرل ازم" (آزاد خیالی) کے نام پر یا غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ، یا اہل مغرب کے ممکنہ ردعمل کے نام پر نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے۔ کسی بھی صورت میں مسلمانوں کو بیرونی دباؤ کے آگے جھکنا نہیں چاہیے۔ اس بارے میں کوئی بھی بودی پالیسی مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہوگی جو اپنے پیارے نبی ﷺ کی حرمت اور ناموس کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دے سکتے ہیں۔

رشدی اور وحید الدین خاں

ڈاکٹر محسن عثمان ندوی

(اسسٹنٹ پروفیسر ویسٹ ایشین اسٹڈیز' جواہرلال نہرو یونیورسٹی' نئی دہلی)

اسلام کی تاریخ میں صراط مستقیم سے منحرف جو فرقے اٹھے' ان میں ایک فرقہ معتزلہ کا تھا۔ اس فرقہ کا انحراف یہ تھا کہ وہ فریب عقل کا شکار ہوگیا تھا۔ غیبی حقائق پر بھی جو ماوراء عقل تھے (نہ کہ مخالف عقل) اس نے عقل کی کمند پھینکی اور صرف وحی کی روشنی کو کافی نہیں سمجھا۔ یہ اعتزال جو بنو عباس کے دور کا فتنہ تھا' اور جس میں یونانی فلسفے سے مرعوبیت پائی جاتی تھی' رنگ و روغن کے فرق کے ساتھ بیسویں صدی میں بھی موجود ہے۔ اب اس میں قدیم یونانی فلسفے سے نہیں بلکہ جدید مغربی نظریات سے مرعوبیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بیسویں صدی میں ایسے عقلاء اور دانشور پائے گئے' جنہوں نے اسلام کی مسلم حقیقتوں کا انکار کر ڈالا۔ کیونکہ ان کی عقل خام کی ان حقیقتوں تک رسائی نہ ہو سکی۔ انہوں نے دور از کار تاویلوں سے کام لیا۔ معجزات کا انکار بھی اسی قبیل کا اعتزال تھا اور اب شاتم رسول ﷺ کے قتل کا انکار اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

یہ سزائے قتل موافق عقل ہے نہ کہ مخالف عقل۔ لیکن اس کے ادراک کے لیے مغرب کی ملحدانہ عقل نہیں' بلکہ اسلام کی مومنانہ عقل درکار ہے۔ جو لوگ بے لگام اظہار خیال کی آزادی کو "خیر اعلیٰ" کا درجہ دیتے ہوں' اور عشق رسول ﷺ کو اور نغمہ و شعر میں اس کے اظہار کو برا سمجھتے ہوں' وہ صراط مستقیم سے اسی طرح منحرف ہیں جس طرح ابتدائی صدیوں کے معتزلہ صراط مستقیم سے منحرف تھے۔ محبت رسول ﷺ میں سرشاری اور اس سلسلے میں حمیت و خودداری عین تقاضائے اسلام ہے۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ماز نام مصطفیٰ است
(اقبال)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت اور حب شدید (جس کا نام عشق ہے) فریب خوردگان مغرب کے نزدیک مریضانہ جذباتیت ہے۔ لیکن اسلام میں یہی صحت مندانہ عقل کی دلیل ہے اور اہل ایمان کی پہچان قرآن میں یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ سے حب شدید رکھتے ہیں:

"اور جو مومن ہیں' ان کو اللہ کے ساتھ نہایت شدید محبت ہے"۔

("البقرہ"' ۱۶۵)

اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے عاری ہونا اہل فسق کا شعار ہے اور اس پر اللہ کی طرف سے تہدید ہے:

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بیٹھ جانے کا تم کو اندیشہ ہو' اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو' اگر تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔ ("التوبہ"' ۲۴)

ایمان کے ذائقے سے وہی شخص آشنا ہو سکتا ہے جس کے دل میں خدا اور رسول ﷺ کی محبت ساری محبتوں پر غالب ہو:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین باتیں جس شخص کے اندر ہوں گی' وہ ایمان کی شیرینی کو پالے گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہر دوسری محبت سے زیادہ ہو اور یہ کہ خالص اللہ کے لیے کسی انسان سے محبت ہو اور یہ کہ وہ کفر کی طرف لوٹنا اسی طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالا جانے اسے ناپسند ہے"۔ ("بخاری و مسلم")

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میری ذات اس کے والدین' اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جائے"۔ ("بخاری و مسلم")

محبت و عشق ایسی چیز ہے' جس سے اطاعت و عبادت پر مواظبت پیدا ہوتی ہے اور غیرت و حمیت بھی انسان کے اندر بیدار ہوتی ہے اور وہ محبوب کے دشمن کا دشمن بن جاتا ہے اور اسی سے قربانی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ اور انسان سرفروشی کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ اور اسی سے

محبوب کے طریقوں کی نقل اور پیروی آسان ہو جاتی ہے۔ یہی محبت و عشق کی نفسیات ہے جس کی وجہ سے ہر مومن کے لیے اس کی آرزو اور جستجو کرنا ضروری ہے اور یہی بادیہ عشق اور محبت کا آب زلال ہے۔ جس کی حضور ﷺ نے خود دعا مانگی تھی:

"اے اللہ اپنی محبت کو میرے لیے آب سرد سے زیادہ محبوب بنا دے"۔

(ادعیہ ماثورہ، "حصن حصین")

اطاعت ثمرہ محبت ہے۔ اسی لیے عربی شاعر نے کہا ہے:

لو کان حبک صادقا لا طعتہ

ان المحب لمن یحب مطیع

"اگر تمہاری محبت صادق ہوتی تو تم ضرور اس کی فرمانبرداری کرتے کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے"۔

عارف رومی نے عشق و محبت کو تمام امراض کا علاج بتایا ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما   اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما   اے تو افلاطون و جالینوس ما

اصحاب رسول ﷺ کا عشق رسول ﷺ

صحابہ ؓ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے محبت و جاں بازی، عشق اور فداکاری کس درجہ تھی، اس کا اندازہ عروہ بن مسعود ثقفی کے بیان سے ہوتا ہے۔ وہ چشم دید واقعہ نقل کرتے ہیں:

"آپ ﷺ جیسے ہی کھکھار اور بلغم تھوکتے تو وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر آتا اور وہ اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا۔ اور جب آپ ﷺ کوئی حکم دیتے تو بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے اور جب آپ ﷺ وضو کرتے تو پانی کے قطروں کو ہاتھ پر لینے کے لیے ایسا لگتا ہے کہ لوگ لڑ پڑیں گے اور جب آپ ﷺ بات کرتے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے اور فرط تعظیم سے کوئی آپ ﷺ کو گھور کر نہ دیکھتا"۔ ("زاد المعاد")

عروہ بن مسعود ثقفی نے صحابہ ؓ کی محبت و جانثاری کا منظر دیکھا اور جب وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا تو اس نے یہ بیان دیا "لوگو! بخدا میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں،

بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھ اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں کہ جتنی محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔

ابو سفیان کی شہادت

کافروں نے صحابی رسول ﷺ حضرت **خبیب** رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ بن **دثنہ** کے قتل کا ارادہ کیا۔ قریش کے لوگ اس ارادے سے جمع ہوئے۔ ابو سفیان بن حرب بھی ان میں موجود تھے۔ قتل سے پہلے انہوں نے پوچھا زید، بخدا بتاؤ کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے اور ہم انہیں قتل کرتے اور تم اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہوتے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ حضور ﷺ کو ان کے مکان میں ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اہل و عیال میں آرام سے ہوں"۔

ابو سفیان نے شہادت دی:

"میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا، جتنی محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ سے کرتے ہیں"۔ ("حیاۃ الصحابہ" ص ۵۲۴)

آج کل کے نام نہاد روشن خیال اور عصریت کے دلدادہ حضرات کے نزدیک حضور ﷺ کے نام پر پروانہ وار نثار ہونا اور ان کے خلاف سب و شتم کرنے والے کو نہ برداشت کرنا جذباتیت اور مجنونانہ حرکت ہے۔ حالانکہ ایسے گستاخ اور دریدہ دھن کو برداشت نہ کرنا تقاضائے ایمان ہے۔ حکم شریعت ہے، اسی پر اہل دین کا اجماع ہے، یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے، یہی چودہ سو سال کی روایت ہے اور قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔

شاتم رسول ﷺ کی سزائے قتل سے انکار کا فتنہ

شاتم رسول ﷺ کے لیے سزائے قتل کی مخالفت اور اہانت رسول ﷺ پر احتجاج کو خلاف اسلام قرار دینا، دراصل مزاج اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور اجماع امت کی مخالفت ہے۔ گزشتہ چودہ سو سال میں یہ مسئلہ متفق علیہ رہا ہے اور کسی نے بھی شاتم رسول ﷺ کی سزائے قتل کا انکار نہیں کیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے تو اس موضوع پر ایک مکمل کتاب "الصارم

المسلول علی شاتم الرسول" کے نام سے لکھ دی ہے۔ حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اب شاتم رسول ﷺ کی سزائے قتل سے انکار کی دعوت اٹھی ہے اور اس فکر کے داعی ہیں' وحید الدین خاں' اسلامی مرکز کے صدر اور "الرسالہ" کے ایڈیٹر' انہیں بڑا اضطراب ہے' اس بات پر کہ ساری دنیا کے مسلمان' سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف احتجاج کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے قتل کا فتویٰ بھی صادر کر چکے ہیں۔ نہ صرف ایک سلمان رشدی' بلکہ تاریخ کے تمام شاتمین رسول ﷺ کو قتل سے بچانے میں انہوں نے وکیلانہ منطق اور غیر موزوں و غلط استدلال کی صلاحیتیں وقف کر رکھی ہیں۔ اس بارے میں ان کا موقف ان کے الفاظ میں یہ ہے:

❏ "موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا عام خیال یہ ہوگیا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی یا اس کا استہزاء ایک ایسا جرم ہے جو علی الاطلاق طور پر مجرم کو واجب القتل بنا دیتا ہے..... اس قسم کا مطلق نظریہ شرعی اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ اسلام میں اس کے لیے کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں ہے" ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

❏ "امتحان کی اس دنیا میں جہاں ہر ایک کو آزادی ہے' آپ کسی کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے کہ وہی الفاظ بولے جو آپ چاہتے ہیں کہ بولا جائے..... موجودہ زمانہ میں آزادی فکر خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ ("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹ء)

❏ "رشدی کے خلاف مسلمانوں نے قتل کا فتویٰ دے کر جو ہنگامہ برپا کیا' اس نے اسلام کے معاندین کو اس بات کا سنہری موقع دیا کہ وہ اس کو لے کر اسلام کو بدنام کریں۔ وہ تمام دنیا کو یہ تاثر دیں کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے۔ وہ قتل و خون کا دین ہے"۔ ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

❏ "رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے مسئلہ پر اٹھنے کے لیے صرف نفرت کا جذبہ کافی ہے جو مسلمانوں کے اندر کافی مقدار میں موجود ہے"۔ ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

❏ "رسول ﷺ کے نام پر رسول کے طریقے کی خلاف ورزی کی اس سے زیادہ سنگین مثال شاید پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملے گی"۔ ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

❏ "رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی بجائے خود مستوجب قتل جرم نہیں ہے"۔ ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

❏ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی علی الاطلاق طور پر

مستوجب قتل جرم ہے' وہ ایک ایسی بات کہتے ہیں جس کے لیے ان کے پاس قرآن و سنت کی کوئی دلیل موجود نہیں"۔ ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

❑ "سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کے مجنونانہ ایجی ٹیشن کا فائدہ کچھ نہیں ہوا"۔ ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

وحید الدین خاں نے رشدیات پر اپنے مضامین میں یہ چیلنج دیا ہے کہ شاتم رسول ﷺ کی سزائے قتل قرآن و سنت سے ثابت نہیں۔ اب ہم ذیل میں اس چیلنج کا جواب پیش کریں گے۔ قرآن و سنت آسمانی کتابوں' دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نظائر' فقہاء کے اقوال سے یہ شہادتیں پیش کریں گے کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا علی الاطلاق قتل ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے سبب کا پایا جانا ضروری نہیں۔

وجہ قتل:

ایک مسلمان شاتم رسول ﷺ دو سبب سے اپنی زندگی کا استحقاق کھوتا ہے۔

۱- شتم رسول بذاتہ مستوجب قتل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کافر اور ذمی کو سب و شتم رسول کے جرم میں قتل کیا ہے۔

۲- شاتم رسول اگر مسلمان تھا اور اس کے یہاں دو وجہ قتل جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک سب و شتم اور دوسرے ارتداد۔ یہ ارتداد کی نہایت سنگین قسم ہے۔ مسلمان پیغمبر پر سب و شتم سے مرتد اور کافر ہو جاتا ہے:

"اگر انبیاء میں سے کسی نبی پر سب و شتم کرے یا استخفاف کرے تو وہ بالاجماع کافر ہو جاتا ہے"۔ ("الفقہ المیسر' فی العبادات و المعاملات")

"حاصل یہ ہے کہ شاتم رسول کے کفر اور اس کے قتل کے درست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہی ائمہ اربعہ سے منقول ہے"۔ ("فتاویٰ شامی" جلد ۴' صفحہ ۲۶۰)

"جس شخص نے اللہ یا اس کے رسول یا اس کے فرشتے پر سب و شتم کیا' وہ کافر ہوا"۔ ("منہاج المسلم" صفحہ ۴۵۹)

"نبی یا کسی فرشتے پر اگر سب و شتم کی تو مرتد ہو جائے گا"۔ ("موسوعہ جمال عبد الناصر فی الفقہ الاسلامی")

شاتم رسول کو قتل سے بچانے والے وکیل کے لیے دو شکلیں رہ جاتی ہیں۔ یا تو وہ یہ کہے

کہ شتم رسول سے مسلمان مرتد نہیں ہوتا یا وہ یہ ثابت کرے کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل نہیں۔ جہاں تک پہلی شکل کا تعلق ہے' تو محمد بن سمعون کا قول یہاں تک ہے کہ شاتم رسول کے کفر اور عذاب میں جو شک کرے گا' وہ خود کافر ہو جائے گا۔

مسلمان شاتم رسول کے لیے دو وجہیں جو مستوجب قتل ہیں' جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک شتم اور دوسرے ارتداد۔ اب ہم قرآن و سنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے وہ دلیلیں پیش کریں گے' جن سے کہیں تو شتم کی وجہ سے سزائے قتل کا ثبوت ملے گا اور کہیں ارتداد کی وجہ سے قتل کی سزا ثابت ہوگی۔

یہودیت اور عیسائیت میں ارتداد کی سزا

صرف اسلام میں نہیں بلکہ دیگر آسمانی مذاہب میں بھی ارتداد کی سزا قتل ہے۔ چنانچہ تورات میں ہے:

"اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے' یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری بیوی' یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے' اگر تجھے پوشیدہ میں پھسلا دے اور کہے کہ آج دیگر معبدوں کی بندگی کر...... تو' تو اس سے ہرگز موافق نہ ہونا اور نہ اس کی بات سننا اور اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا نہ اس کی رعایت کرنا۔ بلکہ اسے خود قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرے ہاتھ بڑھیں اور بعد اس کے قوم کے ہاتھ اور تو اسے سنگسار کرنا تاکہ وہ مرجائے"۔ ("استثناء" ۱۳' ۶-۱۰)

اسی طرح عیسائیت میں ارتداد کی سزا قتل ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"دانستہ ارتداد ناقابل تلافی گناہ ہے۔ قتل اور زناکاری کے درجہ کا"۔

("انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس" ج ۶)

انگلستان میں ایک چھوٹے پادری نے جب تیرہویں صدی عیسوی میں ایک یہودی عورت سے شادی کرنے کے لیے دین عیسائیت کو چھوڑ دیا تھا تو اسے آکسفورڈ میں سترہ اپریل ۱۲۳۲ء میں جلا دیا گیا۔ (حوالہ سابق' صفحہ ۶۴۴)

قرآن سے استدلال

صاحب "الفقہ المیسر" نے مرتد کی سزائے قتل پر قرآن سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جس شخص کا ارتداد ثابت ہو جائے' اس کا خون ہدر (رائیگاں) ہے۔ کیونکہ اس نے بدترین قسم کے کفر کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور مرے کافر ہو کر تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے وہ دوزخ کے لوگ ہیں' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے"۔ ("الفقہ المیسر فی العبادات والمعاملات")

مذکورہ آیت کی تشریح

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"تنبیہ مسلمانوں کو بھی کر دی گئی ہے کہ اگر ان کے ظلم و ستم سے مرعوب ہو کر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور اسی حالت میں مرجائے گا اس کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو جائیں گے..... اس آیت میں ایک خاص نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اعمال کے اکارت ہونے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ آخرت میں مرتد ہو جانے والوں کے اعمال کا اکارت ہونا تو واضح ہے۔ البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کے اعمال کے اکارت ہونے کی شکل کیا ہو گی؟ ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو جاتا ہے' وہ اسلامی ریاست میں جملہ شہری حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ ریاست پر اس کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ اسی اصول پر اسلامی تعزیرات کا وہ قانون مبنی ہے جو مرتدوں کی سزا سے متعلق ہے"۔ ("تدبر القرآن" جلد اول)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی حطبت اعمالھم فی الدنیا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"پس ایسے شخص کے دنیا میں مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کا خون اور مال محفوظ نہ رہے گا' اس کو قتل کر دیا جائے گا"۔ ("تفسیر مظہری")

قرآن سے دوسرا استدلال

ترجمہ: "لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے دین میں اور ہم آیتوں کو علم والوں کے

لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو تم قتال کرو پیشوایان کفر سے کہ ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں تاکہ یہ لوگ باز آجائیں"۔ ("التوبہ" آیت ۱۲)

اس آیت کے رو سے مرتد اور طعن فی الدین اور شتم رسول کا مجرم واجب القتل ہوگا۔

چنانچہ علامہ سیوطی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"الاکلیل میں سیوطی نے کہا اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اس شخص کو قتل کیا جائے گا جس نے اسلام یا قرآن کے خلاف برے کلمات کہے یا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں برے الفاظ کہے"۔ ("محاسن التاویل" جلد ۵، صفحہ ۱۴۲)

صاحب "مدارک التنزیل" کہتے ہیں:

"اگر کوئی ذمی کھل کر دین اسلام کے خلاف زبان درازی کرے تو اس کا قتل درست ہے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ معاہدہ اس بات پر تھا کہ وہ زبان درازی نہ کرے گا اور جب اس نے زبان درازی کی تو عہد ٹوٹ گیا اور اس کا ذمہ ساقط ہوگیا"۔ ("مدارک التنزیل")

ابن حبان کہتے ہیں کہ آئمۃ الکفر کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔ ائمہ کی تصریح اہتمام و خصوصیت اور تاکید کے لیے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قاتلوا ائمتہ الکفر سے مراد ہے قاتلوا الکفار ("البحر المحیط")

صاحب "روح المعانی" کہتے ہیں:

"ائمہ کفار کے ذکر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ ان کا قتل سب سے ضروری ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر ائمہ کو قتل نہیں کیا جائے گا"۔ ("روح المعانی")

مولانا مودودی" آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس جگہ سیاق و سباق خود بتا رہا ہے کہ قسم اور عہد و پیمان سے مراد کفر چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کا عہد ہے۔ اس لیے ان لوگوں سے اب کوئی معاہدہ کر لینے کا سوال باقی ہی نہیں رہا تھا۔ پچھلے سارے معاہدے وہ توڑ چکے تھے۔ ان کی عہد شکنیوں کی بنا پر ہی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے برات کا اعلان انہیں صاف صاف سنایا جا چکا تھا۔ یہ بھی فرمایا دیا گیا تھا کہ آخر ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی

معاہدہ کیسے کیا جا سکتا ہے اور یہ فرمان بھی صادر ہو چکا تھا کہ اب انہیں صرف اسی صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ یہ کفرو شرک سے توبہ کر کے اقامت صلوۃ اور ایتائے زکات کی پابندی قبول کر لیں۔ اس لیے یہ آیت مرتدین سے جنگ کے معاملے میں بالکل صریح ہے۔ دراصل اس میں فتنہ ارتداد کی طرف اشارہ ہے۔ جو ڈیڑھ سال بعد خلافت صدیقی کی ابتداء میں برپا ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جو رویہ اختیار کیا' وہ ٹھیک اس ہدایت کے مطابق تھا جو اس آیت میں پہلے ہی دی جا چکی تھی"۔ ("تفہیم القرآن" جلد دوم)

احادیث سے استدلال

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو جرم شتم سے پہلے مسلمان رہ چکا ہو' مرتد ہو جاتا ہے اور شتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر اور پھر ارتداد کی بنا پر وہ مستحق قتل ٹھہرتا ہے۔ ذیل میں وہ احادیث بھی درج کی گئی ہیں' جن سے ارتداد کی وجہ سے سزائے قتل ثابت ہوتی ہے اور وہ حدیثیں بھی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شتم رسول کی بنا پر مجرم کو قتل کر دیا گیا۔

۱- مرتد کی سزائے قتل پر بخاری' مسلم اور ابوداؤد کی یہ حدیث شاہد ہے:

❑ "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان ہو اور شہادت دیتا ہو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں' اس کا خون تین جرائم کے سوا کسی صورت میں حلال نہیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے کسی کی جان لی ہو (اور قصاص کا مستحق ہو گیا ہو) دوسرے یہ کہ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے تیسرے یہ کہ اپنے دین کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے"۔ ("بخاری"' "مسلم و ابوداؤد")

❑ "ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (مسلمان) اپنا دین بدل دے' اسے قتل کر دو"۔ ("بخاری")

❑ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر یہ کہ اس شخص کا خون جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کیا یا مسلمان ہونے کے بعد کفر کیا یا کسی کی جان لی"۔ ("نسائی")

❑ "حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا پھر اس کے بعد معاذ بن جبل کو ان کے معاون کی حیثیت سے روانہ کیا۔ جب معاذ بن جبل وہاں پہنچے تو انہوں نے اعلان کیا کہ لوگو میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا فرستادہ ہوں۔ ابو موسیٰ نے ان کے لیے تکیہ رکھا تاکہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں۔ اتنے میں ایک شخص پیش ہوا جو پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا پھر یہودی ہو گیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ہرگز نہ بیٹھوں گا۔ جب تک یہ شخص قتل نہ کر دیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین دفعہ کہی جب وہ قتل کر دیا گیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے"۔ ("بخاری" "مسلم و ابوداؤد")

❑ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت جنگ احد کے موقع پر مرتد ہو گئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دی جائے"۔ ("بیہقی")

❑ "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت ام رومان مرتد ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر وہ توبہ کر لے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دی جائے"۔ ("دار قطنی" "بیہقی")

ارتداد کے بہت سے واقعات میں نفس ارتداد پر سزائے قتل دی گئی۔ گو کہ مخصوص بغاوت کی قیادت کا جرم ثابت نہیں ہوا کیونکہ نفس ارتداد خود ایک بغاوت ہے۔ اسی طرح سے شتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود بالذات پیغمبر اور بانی دین سے بغاوت ہے۔ الگ سے کسی باغیانہ تحریک کی قیادت کے جرم کا سرزد ہونا ضروری نہیں۔ درج ذیل احادیث پر غور کیجئے:

❑ "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی تھے۔ ان کی ایک ام ولد تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی تھی اور ان پر زبان طعن دراز کرتی تھی۔ صحابی اسے منع کرتے لیکن وہ باز نہ آتی۔ ایک رات وہ صحابی اٹھے اور پھاوڑے سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور اس پر بیٹھ گئے پس اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا لوگو' گواہ رہو کہ اس کا خون ہدر (رائیگاں) ہے"۔ ("ابوداؤد")

بلوغ المرام فی احادیث الاحکام (صفحہ ۱۳۴) میں ہے کہ نابینا صحابی والی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی کو برا کہنے والا شخص قتل کر دیا جائے گا اور مسلمان ہونے کی صورت میں وہ مرتد ہو جائے گا اور اس سے توبہ بھی طلب نہیں کی جائے گی"۔ ("بلوغ المرام فی احادیث الاحکام" صفحہ

□ "کعب بن اشرف ایک یہودی سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت پہنچاتا۔ اپنے اشعار میں صحابہ کی بیویوں کے بارے میں عشقیہ مضامین کہتا۔ جنگ بدر کے بعد وہ مکہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا۔ جب وہ مدینہ واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کون ہے جو کعب بن اشرف سے بدلہ لے۔ اس نے خدا اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔ انصار میں سے کچھ لوگ اس غرض کے لیے روانہ ہوئے اور جا کر اسے قتل کر دیا۔
(زاد المعاد' جلد دوم' صفحہ ۲۴۸)

□ "صحیح بخاری" میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ابن خطل کو اس وجہ سے کہ وہ شاتم رسول تھا' حرم میں قتل کروا دیا۔ "فتح الباری" میں اس واقعہ کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ ابن خطل خانہ کعبہ کا کپڑا پکڑ کر لٹکا ہوا تھا۔ ایک صحابی نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا جاؤ اسے قتل کر دو۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ("فتح الباری"' جلد ۴' صفحہ ۵۹' طبع لاہور)

□ کعب بن زہیر ایک شاعر خاندان کا چشم و چراغ تھا اور خود بھی ایک عظیم شاعر تھا۔ یہ کافر تھا اور نبی ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔ یہ بھی ان مجرمین کی فہرست میں شامل تھا' جن کے متعلق فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کا کپڑا پکڑے ہوئے بھی پائے جائیں تو بھی ان کی گردن مار دی جائے۔ لیکن یہ شخص بچ نکلا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف (۸ھ) سے واپس ہوئے تو کعب بن زہیر کے بھائی نے اسے خبر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے متعدد اشخاص کو اس بنا پر قتل کر دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ہجو کرتے تھے۔ اگر تمہیں اپنی جان بچانی ہے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر معافی مانگ لو۔ کعب بن زہیر پر زمین تنگ ہونے لگی اور جان کے لالے پڑتے ہوئے نظر آئے۔ چنانچہ وہ مدینہ گیا اور اچانک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور مشرف بہ اسلام ہوا۔

□ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جن مجرمین کا خون رائیگاں قرار دیا تھا' ان میں ابن خطل کی دو لونڈیاں بھی تھیں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ ان میں ایک کا نام قریبہ تھا جو قتل کر دی گئی تھی۔ اور اس کا جرم یہ تھا کہ وہ ہجویہ اشعار اپنی آواز میں گاتی تھی۔

□ مدینہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو عفک تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حارث بن سوید بن صامت کو قتل کرا دیا تو اس نے منافقت کا رویہ اختیار کیا اور حضور ﷺ کی شان میں

منظوم ہجو لکھی جس کا پہلا شعر یہ تھا:

لقد عشت و هرا و اما آن اری
من الناس دارا و لا مجمعا

حضور ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کوئی ہے جو اس کو قتل کر دے سالم عمیر اٹھے اور انہوں نے جا کر اس کو قتل کر دیا"۔ ("ابن ہشام" جلد ۴، صفحہ ۲۸۵)

☐ بنو امیہ کی ایک عورت تھی جس کا نام عصماء بنت مروان تھا۔ یہ شاعرہ تھی۔ ابو عفک کے قتل سے اسے ناگواری ہوئی اور اس کا نفاق ظاہر ہوا۔ ذات رسول ﷺ، آپ ﷺ کے مشن اور اہل اسلام کے خلاف اس نے اشعار میں ہرزہ سرائی کی۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کے قصیدہ کا جواب دیا۔ دونوں کے قصیدوں کے اشعار سیرت بن ہشام میں بھی مذکور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ کیا کوئی شخص نہیں جو انتقام لے اور اس عورت کو جا کر قتل کر دے۔ عمیر بن عدل الخطمی نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور اس کے گھر جا کر اسے قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور قتل کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا نصرت اللہ ورسولہ یا عمیر "عمیر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی"۔ ("ابن ہشام" جلد ۴، صفحہ ۲۸۵)

صحابہ کے آثار و نظائر سے استدلال

درج ذیل واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ذمی کو بھی شتم رسول کے جرم میں قتل کیا جائے گا اور یہ قتل وہ شخص بھی کر سکتا ہے جو سب و شتم اپنے کان سے سنے۔

"حضرت ابن علقمہ سے روایت ہے کہ غرفہ بن حارث الکندی ایک صحابیہ تھیں جن کا گزر ایسے شخص پر ہوا جو ذمی تھا۔ حضرت غرفہ نے اس ذمی کو اسلام کی دعوت دی، اس نے جواب میں نبی ﷺ کو گالی دی۔ حضرت غرفہ نے اسے وہیں قتل کر دیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا انہیں (یعنی ذمیوں کو) ہمارے عہد اور ذمہ کی وجہ سے اطمینان رہتا ہے۔ کہا گیا کہ ہم نے انہیں عہد اور ذمہ اس بات کا نہیں دیا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے بارے میں ہمیں ایذا پہنچائیں"۔ ("حیاۃ الصحابہ" جلد دوم، ص ۳۵۱)

وحید الدین خاں کی نظر سے مذکورہ بالا صحابہ کا واقعہ نہیں گزرا۔ ورنہ وہ یہ نہ لکھتے کہ "شتم رسول ﷺ سے مسلمانوں کے جذبات کا مجروح ہونا تعزیرات اسلام کی کوئی دفعہ نہیں"۔

علماء اسلام اور ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ:
شاتم رسول ﷺ (مسلمان) مرتد ہے۔
اور مرتد واجب القتل ہے۔
نتیجہ یہ نکلا کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے۔
اب ذیل میں وہ آثار و نظائر پیش کیے جاتے ہیں جن سے ارتداد پر سزائے قتل کا ثبوت ملتا ہے۔

۲۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد یمن اور نجد کے علاقے میں ارتداد کا فتنہ پھیل گیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مسیلمہ کذاب اور سجاح کی نبوت کو مان لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فتنہ ارتداد کو ختم کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور سرکوبی کے لیے انہوں نے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو روانہ کیا اور یہ ہدایت دی:

"عمان سے حضرموت اور یمن تک جو مرتدین ملیں' انہیں قتل کر دو"۔

۳۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عورت ام قرفہ نامی رہا کرتی تھی۔ وہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے توبہ نہ کرنے پر اسے قتل کرا دیا"۔ ("دار قطنی و بیہقی")

۴۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حاکم مصر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایک شخص اسلام لایا تھا پھر کافر ہو گیا پھر اسلام لایا پھر کافر ہو گیا۔ یہ فعل وہ کئی بار کر چکا ہے۔ اب اس کا اسلام قبول کیا جائے یا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جب تک اللہ اس کا اسلام قبول کرتا ہے' تم بھی کیے جاؤ اس کے سامنے اسلام پیش کرو۔ مان لے تو چھوڑ دو ورنہ گردن مار دو"۔ ("کنز العمال")

۵۔ چند آدمی کوفے میں مسیلمہ کذاب کی دعوت کو پھیلا رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر کی گئی۔ آپ نے جواب دیا کہ ان کے سامنے دین حق اور شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پیش کیا جائے۔ جو اس دعوت کو قبول کر لے اور مسیلمہ سے اظہار برات کرے' اسے چھوڑ دیا جائے اور جو دین مسیلمہ پر قائم رہے' اسے قتل کر دیا جائے۔ ("طحاوی" "کتاب السیر بحث استتابتہ المرتد)

۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص پکڑا ہوا لایا گیا جو مسلمان تھا۔ پھر کافر ہو گیا۔ آپ نے اسے ایک ماہ توبہ کی مہلت دی پھر اس سے پوچھا مگر اس نے توبہ سے انکار کر دیا۔ آخر آپ ﷺ نے اسے قتل کرا دیا۔ ("کنز العمال" جلد ۱' صفحہ ۸۰)

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے اور اس

کے بعد دوبارہ عیسائی ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سب لوگوں کو گرفتار کروایا اور انہیں بلا کر ان سے معاملہ دریافت کروایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم عیسائی تھے۔ پھر ہم نے اپنے اختیار سے اسلام قبول کر لیا مگر اب ہماری رائے ہے کہ عیسائیت سے افضل کوئی دین نہیں۔ اس لیے ہم پھر سے عیسائی ہو گئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ سب لوگ قتل کر دیے گئے۔ اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ ("طحاوی" کتاب السیر)

اجماع امت سے استدلال

کتاب و سنت اور سیرت و تاریخ کے واقعات اور ائمہ مجتہدین کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ شتم رسول اور ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے گزشتہ چودہ سو سال میں کسی مسلمان شاتم رسول کو زندہ نہیں چھوڑا کیونکہ گستاخی رسول ارتداد کو مستلزم ہے۔ قاضی عیاض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے:

"مسلمانوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے اور تنقیص کرنے والے کے قتل پر امت کا اجماع ہو چکا ہے"۔ ("الشفاء" جلد دوم' ص ۲۱۱)

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ امام ابوبکر بن منذر نے فرمایا کہ علماء اسلام کا اس پر مکمل اجماع ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہی مسلک ہے امام مالک" کا' امام لیث" کا' امام شافعی" کا' امام احمد" کا اور امام اسحاق" کا۔ ان ائمہ کے نزدیک شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ" اور ان کے شاگردوں اور امام ثوری" اور کوفہ کے دوسرے علماء اور امام اوزاعی کا قول بھی اسی طرح ہے۔ (حوالہ بالا' صفحہ ۲۱۵)

ارتداد کے سلسلے میں ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کے اقوال کو دیکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شاتم رسول مرتد ہے اور مرتد کی سزا بالاتفاق قتل ہے۔ اظہار خیال کی بے قید آزادی کو خیر اعلیٰ قرار دینے اور اس کی وکالت کرنے والوں کو یہ بات پسند آئے یا نہ آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی شریعت میں اس کی سزا قتل ہے اور اس بارے میں گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال میں سرے سے کوئی اختلاف پیش نہیں آیا۔ سب سے پہلے امام ابوحنیفہ" کا مسلک ملاحظہ ہو:

"مرتد پر حاکم استحباباً اسلام پیش کرے گا اور اس کے شکوک کا ازالہ کیا جائے گا اور وجوباً اور ایک قول کے مطابق بطور استحباب تین دن تک اسے قید کیا جائے

گا اور ہر دن اس کے سامنے دین اسلام پیش کیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں کہ اس نے اس سے مہلت مانگی ہو۔ اگر اس نے مہلت نہ مانگی تو اسی لمحہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ مگر یہ کہ اس کے اسلام کی امید ہو اور ایک قول یہ ہے کہ بلا توبہ کے اسے فورا قتل کر دیا جائے گا"۔ (شرح "الدر المختار" جلد ا' صفحہ ۴۸۹' "الفتاویٰ الہندیہ" جلد دوم' صفحہ ۲۵۳)

امام طحاوی نے اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" میں لکھا ہے۔ مرتد ہونے والے شخص کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یا نہیں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اگر امام اس سے توبہ کا مطالبہ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ پھر اگر وہ شخص توبہ کر لے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ان لوگوں میں ہیں' جنہوں نے یہ راہ اختیار کی ہے ("طحاوی" کتاب السیر) شاتم رسول کی توبہ کے بارے میں حنفی فقہ کے امام علامہ سرخسی کا قول آگے نقل کیا جائے گا۔

امام احمد بن حنبل کا مسلک فقہ حنبلی کی کتاب "المغنی" میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"مردوں اور عورتوں میں سے جو شخص اسلام سے پھر جائے اور وہ بالغ و عاقل بھی ہو تو اسے تین دن تک اسلام کی طرف بلایا جائے گا اور اس پر تنگی کی جائے گی اور وہ واپس اسلام کی طرف آگیا تو اس کی توبہ قبول ہوگی ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا"۔ ("المغنی" جلد ۱۰' صفحہ ۷۴)

امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے:

"وجوباً مرتد سے توبہ کرائی جائے گی...... اگر اس نے توبہ کی تو اسے چھوڑ دیا جائے گا ورنہ تلوار سے قتل کر دیا جائے گا"۔ ("الدسوقی" جلد ۴' صفحہ ۳۰۴)

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے:

"مرتد سے توبہ کرانے کے وجوب اور اس کے استحباب میں دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ توبہ واجب نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر توبہ کروانے سے پہلے اسے قتل کر دیا گیا تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں"۔ ("المہذب" جلد دوم' ص ۲۳۲)

نہ صرف ائمہ اربعہ مرتد کے قتل پر متفق ہیں بلکہ مختلف شیعی مسلک کے اندر اور دیگر مذاہب فقیہ کے علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ زیدی فقہ یہ کہتی ہے:

"مرتد سے اسلام کی طرف رجوع کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام نہ لائے

تو قتل کر دیا جائے گا"۔ ("شرح الازہار"' جلد ۴' صفحہ ۵۷۸)

امامیہ مسلک کی فقہ کی کتاب میں یہ ہے:

"مرتد سے توبہ کرائی جائے گی اور یہ مدت تین دن تک ہوگی اور مایوس ہونے پر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ خواہ شروع ہی میں مایوسی کیوں نہ ہو"۔ ("الروضتہ البھیہ"' صفحہ ۲۹۲)

مسلک ظاہریہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"مرتد کو اسلام کی طرف بلانا اور توبہ کرانا واجب نہیں ہے اگر وہ اسلام کی طرف رجوع نہ کرے تو اس پر حد قائم کرنا واجب ہے"۔ ("المحلی"' جلد ۱۱' صفحہ ۹۲)

شاتم رسول ﷺ سلمان رشدی کے قضیے میں ایک علمی بحث یہ اٹھی ہے کہ مرتد عن الاسلام کو قتل کرنے کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ ذمہ داری امام اور اولوالامر کی ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی تصریح ہے کہ ایک عام آدمی بھی مرتد کو اگر قتل کر دے تو اس پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ ارتداد کی وجہ سے وہ پہلے ہی مھدورالدم ہو چکا تھا۔

"اگر امام کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اسے قتل کر دے تو اس پر کچھ ضمان نہیں کیونکہ ردت کی وجہ سے اس کی عصمت زائل ہو چکی تھی"۔ ("بدائع الصنائع" جلد ۷' صفحہ ۱۳۴)

"اگر کسی غیر امام نے اس کی اجازت کے بغیر اسے قتل کر دیا تو اسے معذور سمجھا جائے گا" ("المھذب" جلد دوم' صفحہ ۲۲۳)

مذہب امامیہ میں ہے کہ جس شخص نے شاتم رسول کی زبان سے رسول کی شان میں گستاخی کی باتیں سنیں' اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خود اسے قتل کر دے۔

"امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ سے سرکش ہو تو اس کا خون ہر اس شخص کے لیے مباح ہے جو اس کو سنے اور ایسا ہی حکم ہے کہ اگر کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ پر سب و شتم کی تو جائز ہے اس کے سننے والے کے لیے اسے قتل کر دے"۔ ("شرائع الاسلام" صفحہ ۲۵۱)

علامہ ابن تیمیہؒ نے شتم رسول کے موضوع پر ایک مستقل کتاب "الصارم المسلول علی

شاتم الرسول" لکھی ہے۔ ان کے زمانے میں ایک بدبخت عیسائی توہین رسالت کا مجرم ہوا' انہوں نے مسلمانوں کو لے کر اس کے گھر کا محاصرہ بھی کیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے جو کچھ کیا' اسے دور جدید کی اصطلاح میں ایجی ٹیشن کہتے ہیں۔ اب وحید الدین خاں یہ فرماتے ہیں کہ شاتم رسول سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کو کوئی ایجی ٹیشن نہیں کرنا چاہیے تھا اور یہ سراسر مجنونانہ حرکت تھی۔

فقہ حنفی کی ممتاز شخصیت امام سرخسیؒ نے شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو' اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے رسول اللہ ﷺ پر شتم کیا۔ آپ کی توہین کی' دین یا شخصی اعتبار سے آپ پر عیب لگایا' آپ کی صفات میں کسی صفت پر نکتہ چینی کی تو چاہے یہ شاتم رسول مسلمان ہو یا غیر مسلم' یہودی ہو یا عیسائی یا غیر اہل کتاب' ذمی ہو یا حربی خواہ یہ شتم و اہانت عمداً ہو یا سہواً سنجیدگی سے ہو یا بطور مذاق وہ دائمی طور پر کافر ہوا۔ اس طرح پر کہ اگر وہ توبہ بھی کر لے تو اس کی توبہ نہ عنداللہ قبول ہوگی نہ عندالناس۔ اور شریعت مطہرہ میں متاخر و متقدم تمام مجتہدین کے نزدیک اس کی سزا اجماعاً قتل ہے"۔ ("خلاصۃ الفتاویٰ" جلد ۳' صفحہ ۲۸۶)

مذاہب اربعہ کی فقہ پر مشہور کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"ارتداد معاذ اللہ اس مسلمان کا کفر ہے جس کا اسلام ثابت ہو چکا ہو اور یہ ارتداد لازم آئے گا۔ صریح قول سے جیسے اس کا یہ کہنا میں خدا کا شریک ٹھہراتا ہوں یا کسی ایسے فعل سے جو بالکل ظاہری طور پر کفر کو مستلزم ہو یا کسی نبی پر سب و شتم سے جس کی نبوت پر امت کا اجماع ہو۔ یا نبی یا فرشتے کے بارے میں نقص کا الزام لگانے سے خواہ جسمانی نقص ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے لنگڑا پن اور مفلوج ہونا۔ ائمہ اربعہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ معاذ اللہ جس کا مرتد ہونا ثابت ہو جائے' اس کا قتل واجب ہے اور وہ مہدورالدم ہے"۔ ("الفقہ علی المذاہب الاربعہ" جلد ۵' صفحہ ۴۲۲-۴۲۳)

بیسویں صدی میں ایک کتاب "ستھیارتھ پرکاش" نامی شائع ہوئی تھی۔ اس کے چودھویں باب میں مسلمانوں کی دلآزاری کی گئی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف نہایت بے ادبی کی باتیں لکھی گئی تھیں۔ اس سلسلے میں ایک استفتاء کے جواب میں ہندوستان کے مسلم عالم دین

مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ نے احتجاج اور ایجی ٹیشن کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا:

"...... وہ کتاب دل آزار اور اشتعال انگیز ہونے میں محتاج کسی دلیل اور ثبوت کی نہیں' اس کو ممنوع الاشاعت قرار دینے کی جس قدر جدوجہد کی جائے' حق بجانب ہے۔ جو مسلمان اور دوسرے مذہب والے اس میں سعی کریں گے' وہ انسانیت' تہذیب اور شرافت کی خدمت کریں گے اور مذہبی حیثیت سے مسلمان انبیاء ﷺ کی توقیر و تکریم کی حفاظت کا اجر و ثواب پائیں گے"۔ ("کفایت المفتی" جلد اول)

عقلی دلیل

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح مجرد مذہب اور صرف رسوم و عبادات کا مجموعہ نہیں ہے اور نہ صرف انسان کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے بلکہ اس کا تعلق ریاستی و بین الاقوامی قوانین اور تعلقات سے بھی ہے۔ حدود کی تنفیذ اور تعزیرات کا اجراء' اس کے دائرہ احکام کے اندر داخل ہے۔ وہ مکمل شریعت اور ایک نظام زندگی ہے۔ کیا ایسے دین کے اندر اس بات کی ذرہ برابر بھی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ایک شخص پہلے تو اس دین کے لانے والے رسول کی وفاداری اختیار کرے۔ وفاداری کا عہد کر لینے کے بعد وفاداری کا قلادہ اتار پھینکے اور رسول کو اپنی ہرزہ سرائی اور سب و شتم کا ہدف بنائے اور اپنے اس مکر و فریب کے رویہ سے اہل ایمان کے دلوں میں شکوک کا بیج بوئے اور پھر اپنے اس جرم کے باوجود قابل تعزیر نہ ہو۔ اسلام عبادت بھی ہے اور ریاست بھی۔ دنیا میں کوئی ریاست اپنے باغیوں کو معاف نہیں کرتی۔ پھر اسلامی ریاست سے یہ کیوں توقع کر لی جائے کہ وہ اس دینی و دنیوی سربراہ اور خدا کے رسول کے خلاف سب و شتم کو معاف کر دے جس کی اطاعت ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ ہے اور جو ذات بنی نوع انسان میں سب سے افضل ہے۔ اور خود خالق کائنات نے جس کی مدح و ثنا کی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات مخلوقات میں اتنی ارفع ہے کہ جہاں ایک شخص اس دنیا میں کسی کا خون بہا کر قابل قصاص ہوتا ہے' وہاں آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی اور توہین سے ہی قابل قصاص بن جاتا ہے۔

اس دنیا کے بعض وضعی اور خود ساختہ قوانین کو دیکھئے۔ برطانیہ میں یہ قانون ہے کہ اگر اس کا کوئی شہری کسی ایسے اسٹیٹ کی شہریت لے لے' جو برطانیہ سے برسر جنگ ہو تو وہ قابل سزا ہوتا ہے اور یہ سزا موت بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام محض روحانیت اور اخلاقیات کا مجموعہ نہیں ہے۔ یہ

قوانین سلطنت اور سیاسی نظام کا بھی مجموعہ ہے۔ اس لیے ایسے دین میں پیغمبر اور شارعؐ کی توہین بذات خود ایک بغاوت اور پورے نظام کو توڑنے کے ہم معنی ہے اور جس طرح سے ریاستوں کے قوانین میں بغاوت کا جرم قابل تعزیر ہے' بالکل اسی طرح نظام اسلامی میں پیغمبر اسلام کی صرف توہین ہی مستوجب قتل ہے۔

برطانوی قوانین میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ جو شخص بادشاہ کو اس کے منصب یا اس کے اعزاز یا اس کے القاب سے محروم کرنے کی کوشش کرے' وہ قابل سزا ہے اور یہ سزا حبس دوام تک ہو سکتی ہے۔ جب ایک دنیوی بادشاہ کے بارے میں یہ قانون جمہوریت کے عہد میں چل سکتا ہے' جہاں آزادی رائے "خیر اعلیٰ" کی حیثیت رکھتی ہے تو احکم الحاکمین کے فرستادہ ذات پیغمبر کی بے حرمتی کرنے والے کو موت کی سزا کیوں نہیں دی جا سکتی؟ ایک نظام جن عناصر سے مرکب ہوتا ہے' اس کو منتشر کرنے یا اس کو پامال کرنے کی کوشش ہر جگہ قابل تعزیر جرم ہے۔ اور ایسی تمام کوششوں کو ہر جگہ پوری طاقت سے کچل دیا جاتا ہے۔

شیطانی آیات کے خلاف احتجاج

سلمان رشدی تاریخ کا سب سے بڑا شاتم رسول ہے۔ اس نے اپنی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" میں جو کچھ لکھا ہے' وہ رکاکت و ابتذال کا بدترین نمونہ ہے۔ نقل کفر اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن اسے دہرانے کی ہمت بھی آسانی سے نہیں ہوتی ہے۔ اس نے خدا کی شان میں بھی بے ادبی کی ہے۔

اس بدبخت نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے خلاف بھی دریدہ دہنی اور گستاخی کی باتیں لکھی ہیں۔ پھر اس نے ذات رسول حضور ﷺ کو "ماہونڈ" لکھا ہے جسے پہلے قدیم مستشرقین اسم گرامی محمد ﷺ کی جگہ پر لکھتے آئے تھے۔

اس شیطان صفت انسان نے امہات المومنین کو نعوذ باللہ قحبہ کا پیشہ کرنے والی عورتوں میں شامل کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ' حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خلاف صریح بدزبانی کی ہے۔

ایسی کھلی ہوئی گستاخی رسول ﷺ سے لبریز کتاب کے خلاف مسلمانوں کا وہی ردعمل ہوا' جو اسلام کی چودہ سو سالہ روایت کے مطابق ہے۔ احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے جس کی تصدیق اور اجماع امت سے جس کی توثیق ہوتی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے عہد میں ایک

نصرانی حاکم نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہے تھے۔ سلطان نے حطین کی جنگ کے بعد جب اس کو گرفتار کیا تو یہ کہتے ہوئے اسے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا:

"میں آج رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انتقام لے رہا ہوں"۔

آخر دور میں سلطان عبدالحمید کے زمانے میں فرانس میں جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک کمپنی نے فلم بنانے کا اعلان کیا تو سلطان نے اپنے سفیر کو اس کے خلاف احتجاج کا حکم دیا اور یہ کہا کہ اگر تمہاری بات نہ مانی جائے، تو سفارتی تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔

ہندوستان میں شیطانی آیات پر پابندی لگانے کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے شروع ہوا اور احتجاجی جلسے ہوئے تو وحید الدین خاں کا بیان اخبار میں آیا کہ "یہ سب کچھ اسلام نہیں ہے" صحیح تر بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا موقف اسلامی تھا اور وحید الدین خاں کا موقف غیر اسلامی۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا۔ جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے"۔ ("سورۃ مائدہ" آیت ۵۴)

غلط استدلال

وحیدالدین خاں نے اپنے مضامین میں اپنے موقف کی دلیلیں بھی پیش کی ہیں۔ ہم ان دلیلوں کا جائزہ لیتے ہیں جن سے قارئین کو باآسانی یہ معلوم ہو جائے گا کہ استدلال کا پایۂ چوبین کس قدر بے تمکین ہے۔

۱۔ دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی لیکن اس قدر گھناؤنے الزامات لگانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے کسی کو قتل نہیں کیا۔

جواب یہ ہے کہ یہ فریب کار از مغالطہ ہے۔ یہ کھلا ہوا قذف کا کیس ہے نہ کہ شتم رسول کا اور اس کیس میں ملوث بیشتر لوگوں پر حد قذف جاری بھی کی گئی تھی۔ چنانچہ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کو اسی کوڑے لگائے گئے تھے۔

۲۔ قرآن میں پیغمبروں کے ساتھ استہزاء کا جرم بار بار آیا ہے مگر مجرم کے لیے سزائے قتل کا اعلان سارے قرآن میں کہیں موجود نہیں۔

جواب یہ ہے اصل گفتگو تو اسلامی شریعت کے بارے میں ہو رہی ہے اور احادیث کے نصوص سے قتل کی سزا ثابت ہے۔ اور نص قرآنی سے بھی مفسرین نے اس کا اثبات کیا ہے اور بالفرض اگر صرف احادیث ہی سے قتل کی سزا ثابت ہوتی ہو تو کیا وہ منکرین حدیث کی طرح احادیث کا انکار کر دیں گے۔ شراب نوشی کی حد کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ یہ حد صرف حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے۔ وحید الدین خاں اس حد کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

۳ - رسول اللہ ﷺ دعوت اسلام کے لیے طائف تشریف لے گئے جہاں عبدیالیل اور دوسروں نے آپ ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کیں اور آپ ﷺ کا جسم خون آلود ہو گیا۔ ملک الجبال نے آکر آپ ﷺ کو سلام کیا اور کہا کہ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اگر آپ ﷺ کہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ملا کر طائف کی بستی کو پیس دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ارجوان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ و لا یشرک بہ شیئا "مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔

جواب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی مکی زندگی کا واقعہ ہے جب شریعت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ شریعت کا حکم بیان کیے جانے اور نافذ کرنے سے بہت پہلے کا واقعہ کسی بھی اعتبار سے اور کسی منطق سے شاتم رسول کی سزائے قتل سے انکار کی دلیل نہیں بن سکتا۔

۴ - دلیل یہ دی گئی ہے کہ سلمان رشدی نے اپنا یہ نظریہ اس قصے کی بنیاد پر گھڑا ہے جس کو غرانیق کا قصہ کہا جاتا ہے۔ یہ قصہ اس وقت گھڑا گیا جب آپ مکہ میں تھے اور آپ نے یہ اعلان نہیں فرمایا کہ اس واقعہ کے گھڑنے والوں کو قتل کر دو۔

جواب یہ ہے کہ وحید الدین خاں خود یہ اقرار کر رہے ہیں کہ یہ مدینے کی اسلامی حکومت قائم ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب شتم رسول کی سزا بیان نہیں کی گئی تھی۔ علاوہ ازیں وحید الدین خاں شتم کا لغوی مفہوم تو سمجھتے ہوں گے وہ یہ بتائیں کہ اس واقعہ کا شتم سے کیا تعلق ہے؟

۵ - سہل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کو آپ ﷺ نے ان کی گستاخیوں کے باوجود معاف کر دیا اور انہیں قتل نہیں کیا۔

وحید الدین خاں نے صحیح لکھا ہے کہ سیرت میں بعض ایسے واقعات مل جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب و شتم کے باوجود آپ ﷺ نے معاف کر دیا اور قتل نہیں کیا۔ اور سب سے نمایاں نام تو کعب بن زہیر ﷺ کا ہے، جن کا مدحیہ قصیدہ "بانت سعاد" مشہور ہے۔

افسوس یہ ہے کہ خاں صاحب صحیح تجزیہ نہ کر سکے کہ کیوں ایسا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی شاتم رسول کو کبھی معاف نہیں کیا گیا اور اس کے قتل پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین کا مکمل اجماع ہوگیا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی تھی اور بذریعہ وحی غیر متلو آپ کو متعلقہ شخص کے بارے میں یہ اطلاع بھی دے دی جا سکتی ہے کہ وہ ہدایت الٰہی سے بہریاب ہوگا اور اسلام قبول کر لے گا۔ مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات صاحب معاملہ ہے اور صاحب معاملہ کو یہ حق ہے کہ زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے۔ اسے قصاص کی مثالوں سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر خود مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کرنا چاہیں تو قاتل کا خون معاف ہو سکتا ہے اور اس کی زندگی بچ سکتی ہے۔ لیکن مقتول کے ورثاء کے سوا اور کسی کو معاف کرنے کا یہ حق نہیں ہے۔ اسی طرح خود پیغمبر ﷺ کو یہ حق تھا کہ کسی گستاخی کرنے والے کو معاف کر دے۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد اب کسی کو یہ حق باقی نہیں رہا کہ آپ ﷺ کی طرف سے معافی کا اعلان کرے۔ اسی لیے احناف اور بیشتر ائمہ' شاتم رسول کی توبہ کو قابل قبول نہیں سمجھتے ہیں۔ امام طحاوی" اور امام سرخسی کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے فتاویٰ اور فقہ کی مشہور کتاب "در مختار" کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے جس سے یہ ثابت ہوگا کہ شاتم رسول کی توبہ بھی قابل قبول نہیں:

> "مسلمان اگر مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ قابل قبول ہوگی سوائے اس مرتد کے جس کا کفر کسی پیغمبر پر سب و شتم کی وجہ سے ثابت ہو۔ بطور حد اسے قتل کیا جائے گا اور مطلقاً اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر سب و شتم کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی کیونکہ یہ تو حق اللہ ہے جبکہ سابق الذکر بندے کا حق ہے جو توبہ کر لینے سے زائل نہیں ہوتا ہے۔ اور یہی حکم ہوگا اس شخص کا بھی جو دل سے پیغمبر سے بغض و عداوت رکھے"۔ ("در مختار" جلد ۳' صفحہ ۳۱۶)

انسانیت کی نجات

وحید الدین خاں سزائے قتل کے انکار پر اپنے موقف پر زور دینے کے لیے فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ رحمت عالم بنا کر بھیجے گئے تھے۔ نہ کہ قاتل عالم" اگر وحید الدین خاں سزائے قتل کی حکمت پر غور فرماتے تو شاید یہ بات ان کی سمجھ میں آجاتی کہ شاتم رسول کی سزائے قتل

عین رحمت ہے اور اس میں انسانیت کی نجات مضمر ہے۔ قرآن میں قصاص کو زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے ولکم فی القصاص حیاۃ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

قصاص کو حیات اس لیے کہا گیا ہے کہ اس سے کشت و خون کی بدامنی سے انسانیت کو نجات ملتی ہے۔ شاتم رسول کا قتل دراصل پیغمبر کے کردار کے قتل کی کوشش کا انتقام ہے۔ اگر یہ انتقام نہ لیا جائے تو شتم رسول کا جرم غضب الٰہی کے نزول کو دعوت دے گا اور جب خدا کا غضب نازل ہوتا ہے تو قہر عالم آشوب بن کر جرم اور غیر مجرم سب کو یکساں طور پر اپنا نشانہ بناتا ہے اور ایک پورا خطہ ارضی عذاب کا شکار ہو سکتا ہے۔ اسی لیے شاتم رسول کا قتل غضب الٰہی کو روکنے کا ذریعہ ہے۔

اس دنیا میں ایک سفیر کی بے حرمتی پورے ملک کی بے حرمتی سمجھی جاتی ہے اور حکومت کی پوری مشنری بے حرمتی کرنے والے کے خلاف حرکت میں آجاتی ہے۔ پیغمبر کی حیثیت اس دنیا میں رب ذوالجلال کے سفیر کی ہے اور اس سفیر برحق کی توہین ذات رسالت کی بے حرمتی غضب الٰہی کے نزول کا سبب بنتی ہے۔ خدا کا غضب زمین پر نازل ہو کر ایک پوری آبادی کو تہس نہس کر دے۔ کیا اس سے ہزار درجہ بہتر یہ بات نہیں ہے کہ توہین رسول کے مجرم ہی کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے اور اس طرح انسانیت کی حفاظت کی جائے۔ لیکن اس حکمت کو سمجھنے کے لیے مومنانہ عقل درکار ہے۔ مغرب کی مادی عقل سے یہ حکمت سمجھ میں نہیں آسکتی۔

شاتم رسول کی سزا اسلامی شریعت میں متنازع فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ تاریخ اسلام کے کسی دور میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا گیا۔ لیکن دور جدید میں بعض اہل قلم مغربی نظریات سے اسی طرح متاثر ہو گئے۔ جس طرح پہلے فلاسفہ اور متکلمین یونانی افکار سے متاثر ہو چکے تھے۔ مغربی نظریہ ہے کہ آزادی فکر خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے اور ہر شخص کو حق ہے کہ جو چاہے لکھے اور شائع کرے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ اس مغربی نظریے کو قبول کر لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسے مسئلے سے اختلاف کیا گیا جس پر ہمیشہ علماء اسلام متفق رہے ہیں۔ وحید الدین خاں نے "الرسالہ" میں اپنے مضامین میں شاتم رسول کی سزائے قتل کا انکار کر دیا اور سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج کو جو محبت رسول کی علامت ہے' ایک مجنونانہ حرکت قرار دیا۔

وحید الدین خاں سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اجماع امت کے آگے اپنا سر جھکائیں گے اور صحیح بات کو تسلیم کر لیں گے۔ ہماری اس بحث کی تمام تر بنیاد فقہ' فتاویٰ' احادیث اور علوم اسلامیہ کی امہات الکتب پر ہے۔ اور خاں صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ فقہ اور علوم اسلامیہ کی امہات الکتب

کو دریا برد کر دینا چاہیے۔ کیونکہ ان کے خیال میں جب تک یہ کتابیں موجود ہیں' نہ اسلام کا صحیح تصور قائم ہو سکتا ہے اور نہ اسلام کے چہرے پر پڑے ہوئے گرد و غبار کو صاف کیا جا سکتا ہے اور نہ دین کی تجدید کا کام ممکن ہے۔ احادیث کا ایک معتبر ذخیرہ تیار کر کے باقی سب کو نذر آتش کر دیا گیا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔ جو شخص خاں صاحب کے ان نظریات کو جاننا چاہتا ہے' وہ ان کی کتاب "تجدید دین" پڑھ لے۔

مسلمان ناموس رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کر سکتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں کے باوجود عشق رسول ﷺ سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ناموس دین کی حفاظت کے لیے تیغ باقی نہیں رہ جاتی تو عشق ہی حصار کا کام دیتا ہے۔ یہ عشق یوں تو ایک چھوٹا سا مختصر سہ حرفی لفظ ہے لیکن دراصل یہ عظیم قوت کا سرچشمہ ہے اور طوفان کے مقابلے میں انسان کو ثابت قدم رکھتا ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں اگر مسلمانوں میں یہ قوت آفریں جذبہ ختم ہو گیا تو پھر ان کی حفاظت بہت مشکل ہے۔

ہم عشق رسول ﷺ ' ملی حمیت اور خودداری کو ختم کرنے والے نظریات کو ملت کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں' سلمان رشدی کی کتاب سے زیادہ خطرناک!

غلطی کہاں ہے؟

وحید الدین خاں نے آزادی فکر و رائے کو خیر اعلیٰ قرار دیا ہے اور آزادی کے مغربی تصور کی حمایت کی ہے۔ اس غلط موقف کے اختیار کرنے کے نتیجہ میں خاں صاحب غیر شعوری طور پر وہاں پہنچ گئے' جہاں وہ شعوری طور پر ہرگز جانا پسند نہیں کریں گے۔ دیکھئے اس غلط موقف کے اختیار کرنے کا انجام کیا نکلتا ہے

"رسول کو برا کہنا آزادی رائے ہے۔

اور ہر آزادی رائے خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ

رسول کو برا کہنا خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔

آزادی رائے کو خیر اعلیٰ قرار دینا مغربی فکر و فلسفہ سے مرعوبیت کی دلیل ہے۔ جدید علم کلام کا تقاضا یہ تھا کہ وہ عقلی دلیلوں سے یہ ثابت کرتے کہ ہر آزادی رائے خیر اعلیٰ نہیں ہے۔ اور شاتم رسول کی سزا قتل ہی ہونی چاہیے۔ جیسا کہ فی الواقع اسلامی شریعت میں ہے۔ عقلی

استدلال کا سلیقہ انہیں آتا ہے اور بہت سے اسلامیات پر لکھنے والوں سے زیادہ آتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مغربی نظریے کا وسواس ان کے اندر حلول کر گیا اور اس قصے میں وہ مسلمانوں کے مخالفین کے کیمپ میں شامل ہو گئے۔

وحید الدین خاں کے اس انحراف اور بعض دوسرے انحرافات کا سرچشمہ ان کا ناقص تصور دین ہے۔ (وحید الدین خاں کے فکری انحراف کو سمجھنے کے لیے مولانا مجیب اللہ ندوی کے مفصل مضمون بعنوان "وحید الدین خاں اور ملی مسائل" مطبوعہ ماہنامہ الرشاد' اعظم گڑھ اور راقم السطور کے مقالے "ملی تشخص سے دستبردار ہونے کی دعوت" مطبوعہ ماہنامہ الفیصل حیدر آباد ۱۹۸۹ء کا مطالعہ مفید ہو گا)

وحید الدین خاں کے اس انحراف اور بعض دوسرے انحرافات کا سرچشمہ ان کا ناقص تصور دین ہے۔ دور جدید میں ایک حلقہ سے دین کا تصور اس طرح پیش کیا گیا کہ اس کا سیاسی پہلو صحیح تناسب سے زیادہ ہو گیا۔ خاں صاحب اس پر تنقید میں ردعمل کی نفسیات کا شکار ہو گئے اور بالکل دوسری انتہا تک پہنچ گئے۔ انہوں نے دین کا ایسا تصور پیش کیا جو کلیسائی تصور سے پورے طور ہم آہنگ ہے۔ اس طرح سوا ماشہ غلطی کے جواب میں وہ سوا سیر کے برابر غلطی کر بیٹھے۔ انہوں نے مذہب کو انسان کا نجی معاملہ بنا دیا۔ حکومت' ریاست' اقتدار' قوت اور شوکت کی تمنا اور آرزو کو بھی انہوں نے دلوں سے نکالنے کی کوشش کی اور اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی ہر تحریک کو انہوں نے مطعون کیا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے جوگیانہ اور راہبانہ تصور دین میں شاتم رسول کی سزا قتل کیونکر ہو سکتی ہے۔

اسلام میں دین اور سلطنت ایک دوسرے کی نقیض نہیں بلکہ ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو الٰہی سلطنت بھی ہے اور ایسی سلطنت ہے جو سراپا دین ہے یہاں خدا اور "قیصر" کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ اسلام روحانیت بھی ہے اور سیاست بھی۔ دین بھی اور دنیا بھی۔ یہاں مذہب اور عبادتی نظام کے تحفظ کے لیے اقتدار کا حصول بھی مقصود ہے اور صحابہ کرام پر یہ امر پورے طور واضح تھا۔

مصارف زکوٰۃ کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی:

"صدقات فقراء کے لیے مساکین کے لیے اور اس کے محصلین کے لیے اور مولفتہ القلوب کے لیے ہے"۔ ("التوبہ" "٦٠)

مصارف زکوٰۃ کا ایک مصرف تالیف قلب قرار پایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم خرچ کرتے تھے۔ ابو سفیان' عفرع بن حابس'

عباس بن مرادس' صفوان بن امیہ اور عینیہ بن حصم میں سے ہر ایک کو تالیف قلب کے لیے آپ ﷺ نے سو سو اونٹ دیئے۔ صفوان نے ایک بار کہا کہ:

"حضور ﷺ مجھے عطا کرتے حالانکہ وہ میرے لیے سب سے زیادہ مبغوض تھے اور وہ مجھے دیتے رہے یہاں تک کہ وہ میرے لیے محبوب ترین بن گئے"۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عینیہ اور عفرع دونوں زمین طلب کرنے کے لیے آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو زمین لکھ دی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تحریر پھاڑ دی اور تالیف قلب کی مد بند کر دی اور یہ کہا:

"اب اللہ نے اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرمایا ہے اور تم سے مستغنی کر دیا ہے۔ اب اگر تم ثابت قدم رہتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کن ہوگی"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مولفتہ القلوب کے لیے مصرف زکوٰۃ کی مصلحت اسلام کے لیے عزت و غلبہ کا حصول تھا۔ انہیں قرآن کا یہ منشا معلوم تھا۔ چنانچہ اسلام کے غلبہ کے بعد یہ مصلحت مرتفع ہوگئی اور انہوں نے زکوٰۃ کی مد ختم کر دی۔ کیونکہ عزت و غلبہ کے بعد اس مد پر زکوٰۃ کا مصرف تحصیل حاصل تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

"اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق جاری کیا اور وہ حق بولتے ہیں"۔ (احمد امین "فجر الاسلام")

لیکن وحید الدین خاں جن کے تصور دین میں عزت و غلبہ' قوت و شوکت' سلطنت و حکومت کا عنصر ختم ہو چکا ہے' شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اختلاف کر بیٹھتے اور وہ اپنے نظریات وافکار کی روشنی میں زبان حال سے کچھ اس طرح کہتے ہوئے نظر آتے ہیں

"مولفتہ القلوب کی مد کو ختم کرنا بالکل غلط ہوگا کیونکہ عزت و غلبہ کا حصول سرے سے مقصد ہی نہیں ہے کہ جس کے بعد یہ مد ختم کر دی جائے مقصد تو بندگان خدا کے دین میں داخل کرنا ہے۔ اصل چیز وہ داعیانہ نگاہ ہے جو ہزاروں بندگان خدا کے "آج" میں چھپا ہوا "کل" دیکھ لے۔ اب جسے مولفتہ القلوب کی مد کو ختم کرنا ہے' وہ اسے ذاتی سرکشی کے نام پر کر سکتا ہے۔ اسلام کے نام پر اسے ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ قرآن و سنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ اس طرح کے فیصلے سے اسلام کی دعوتی تصویر بالکل بگڑ کر رہ جاتی ہے اور اگر دعوتی تصویر کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو عزت و غلبہ کو بالکل قربان کر دینا چاہیے۔ عزت و غلبہ کا مجروح

ہونا اتنا اہم نہیں جتنا کہ دعوتی مصلحت کا مجروح ہونا ہے"۔

وحید الدین خاں کے اس طرح کے فکری انحرافات مسلمانوں کے لیے کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی طاقتور اسلامی حکومت موجود ہوتی تو ان خیالات کی اشاعت کی اجازت نہ دیتی جو اسلام سے متصادم ہیں---- اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو..... ممکن ہے ان کے تازیانے کی مصروفیت بڑھ چکی ہوتی۔

لارنس آف انڈیا

حافظ شفیق الرحمٰن

کسی مسلمان کی اس سے بڑھ کر خوش طالعی اور خوش بختی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا شمار ان عاشقان رسول میں ہونے لگے جو فنا فی الرسول ہوتے ہیں۔ فنا فی الرسولؐ ہونے کا یہ اعزاز ان خوش قسمتوں کا مقدر بنتا ہے' جو سیرت رسولؐ کے آب و گل کے سانچے میں ڈھلے ہوں۔ بحمد للہ! برادرم محمد متین خالد کا شمار شمع رسالت مآبؐ کے ان پر سوز پروانوں میں ہوتا ہے' جنہیں اگلے وقتوں کے نغز گو شاعر نے عاشقان پاک طینت قرار دیا تھا۔ سید انفس و آفاق کی ذات ستودہ صفات سے عشق ہی سید العشق ہے۔ یہ عشق دنیا کا وہ واحد عشق ہے' جس میں عزت سادات میں اضافہ ہوتا ہے۔ عاشقان پاک طینت کے مقام و مرتبہ کا بیان ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہی وہ مقام ہے' جہاں علامہ اقبال جیسے قادر الکلام کو بھی اپنے عجز بیان کا اعتراف یوں کرنا پڑتا ہے کہ خدا مجھے نفس جبریل دے تو کہوں۔ اس عشق کی یہ بے پایاں نعمت خدائے لم یزل ہر کہ و مہ کو عطا نہیں کرتا۔ بادہ عشق نبیؐ دینے سے پہلے ساقی کائنات ظرف قدح خوار ضرور دیکھتا ہے۔ اس عشق کی متاع بے بہا سے وہ اپنے خاص خاص بندوں کو سرفراز کرتا ہے۔ یہی وہ لائق صد ہزار رشک اعزاز ہے جس کے بارے میں زبان پہلوی کے شاعر نے کہا تھا کہ

ع ایں سعادت بزور بازو نیست

برادرم محمد متین خالد کی نس نس' رگ رگ اور روئیں روئیں میں عشق رسالت مآبؐ اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے' جس طرح آہوئے تاتاری کے نافے میں مشک

ازفر۔ بسا اوقات راقم الحروف کو اپنی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے کہ تمام تر آلودہ دامنی اور تر دامنی کے باوجود مجھے جناب متین خالد جیسے فدائی رسالت مآب کی محبتیں اور خصوصی دعائیں حاصل ہیں۔ عاشقان رسولؐ اور فدائیان رسولؐ کی محبتوں اور دعاؤں کے حصول کی اس سعادت کو بھی میں اپنے والدین کی دعاؤں کا حاصل اور فیضان سمجھتا ہوں۔ ختم نبوت کے محاذ پر برادر معظم متین خالد کی حسین و جمیل کاوشوں اور کوششوں سے ایک عالم آگاہ اور ایک زمانہ واقف ہے۔ عشق رسولؐ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے گفتار و کردار کے اس غازی نے اس محاذ پر جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں' وہ نقوش جاوداں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس ملک میں جب بھی دین دوست حلقوں کی حکومت قائم ہوئی تو تمغہ حسن کارکردگی پانے والوں میں موصوف کا نام سرفہرست ہوگا۔

''آئینہ خانہ'' میں آج متین خالد کا ذکر اس عنوان سے آیا ہے کہ گزشتہ دنوں انہوں نے مجھے ''اسلامی مرکز'' نیو دہلی کے ''مولانا'' وحید الدین خان کی ایک کتاب شتم رسول کے حوالے سے ارسال کی تاکہ اسے بالاستیعاب پڑھنے کے بعد میں سیکولر بھارت کے اس ''لبرل مولانا'' کی بدلگام فکری لغزشوں کا محاکمہ کر سکوں۔ وحید الدین خان برصغیر کے ''منی سامراج'' بھارت کے تنخواہ دار اور وظیفہ خوار ترجمان ہیں۔ جو شخص منی سامراج کے ہاں فکر و نظر اور ضمیر گروی رکھ سکتا ہے' وہ عالمی سامراج کے آستانے پر کس طرح اپنی پیشانی رگڑتا ہوگا۔ جس نے یہ منظر دیکھنا ہو' وہ موصوف کی کتب کا مطالعہ کرے۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں برطانوی سامراج کی مدح و ثنا میں جو کچھ آنجہانی غلام احمد قادیانی نے کہا تھا' اسی کا انعکاس بیسویں صدی کے اس آخری عشرے میں عالمی مغربی اور امریکی سامراج کے حوالے سے وحید الدین خان کے ''خرافاتی سلسلہ کتب'' میں دکھائی دیتا ہے۔ شتم رسولؐ کے حوالے سے یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ موصوف کی اس کتاب کی تخلیق و تصنیف کا بنیادی مقصد یہی نظر آتا ہے کہ ملعون سلمان رشدی کی پیٹھ ٹھونک کر اسے یہ بتایا جائے کہ اے ابلیس کے چیلے! تو نے جو کام کیا ہے' یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ تم سے بھی پہلے تمہارے کئی بھائی بند اس سے ملتی جلتی سیاہ کاریوں کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ یہ باور کروا چکنے کے بعد اسلامی قبا میں لپٹے ہوئے اس راجپال نے ان تمام مغلظات' ہذیانات اور خرافات کو مذکورہ

کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔

وحید الدین خان کی ''تحقیقی'' کاوشیں انہیں زیادہ سے زیادہ جو مقام دے رہی ہیں' وہ ''محتاط سلمان رشدی'' کا ہے لیکن ان سے گڑبڑ یہ ہو چکی ہے کہ اوائل شباب سے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ ''مولانا'' کا جو مور چھل لگایا ہے' ہزار فکری اور شعوری کاوشوں کے باوجود اس کمبل سے جان نہیں چھڑا سکے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ''مولانا'' کا یہ خطاب ماضی میں نابغہ عبقری اور فکر و دانش کے حوالوں سے یکتائے روزگار قسم کے لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن اب تو ہر حاطب اللیل' دنی الطبع اور عبوسا'' قمطریرا قسم کے جہلا نے ''پدرم مولوی بود'' کا نعرہ لگا کر اس لیبل کو اپنی پیشانی پر چپکا رکھا ہے۔ برصغیر میں اکثر جید علماء کے اسمائے گرامی کے ساتھ یہ سابقہ ولاحقہ طغرائے امتیاز کی حیثیت سے موجود رہا ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک مسلمہ اور بدیہی حقیقت ہے کہ مولاناؤں نے ہماری دینی' سیاسی' سماجی' صحافتی اور ادبی زندگی پر افکار و کردار کے گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ ماضی میں مولانا کا لفظ ہر ایرے غیرے اور نتھو خیرے کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اس اعزاز کے مستحق کے لیے ایک ہی سند تھی اور وہ تھی فنا فی العلم والعمل ہونا۔ رفتہ رفتہ عمل کا پلڑا ہلکا پڑتا گیا پھر بھی علم کی بنیاد پر عوامی حلقے صاحبان علم کو مولانا ہی کے خطاب سے پکارتے رہے۔ اب تو اس میں دینی اور دنیوی علم کی تخصیص اور امتیاز بھی اٹھا دیا گیا۔ مولانا کا حسین و جمیل لفظ اس حد تک باوقار اور باوجاہت تصور کیا جاتا تھا کہ بے ریش علماء و فضلاء کو ان کی علمی و ادبی اور صحافتی ثقاہت کی بنیاد پر ان کے عقیدت مند مولانا کہہ کر پکارتے تھے۔ مثلاً مولانا صلاح الدین' مولانا چراغ حسن حسرت' مولانا عبدالمجید سالک' مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبدالسلام نیازی وغیرہم۔

''مولانا'' ایک ایسا لفظ ہے جس نام کے ساتھ یہ ''سابقہ'' لگ جائے' اس کے حوالے سے سادہ لوح مسلمانوں کے ہاں از خود ارادت اور عقیدت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لفظ کی اسی مسلمہ اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض دین دشمن عناصر نے اسلام کا چولا پہنا اور مسلمانوں کے ناموں میں سے ملتے جلتے کسی ایک نام کا انتخاب کیا اور پھر اپنے نام کے ساتھ ''مولانا'' کے لفظ کا دم چھلا لگا کر معتبر اور موقر بن بیٹھے۔ لیکن ایسے لوگوں کا پول جلد کھل گیا اور کھلتا بھی کیوں نہ؟ دین دشمن اس قسم کا بہروپ دھار کر صرف مسلمانوں ہی کو

دھوکہ نہیں دے رہے تھے بلکہ وہ تو خدا کو بھی دھوکہ دینے پر تلے ہوئے تھے اور بھلا خدا جو "خیر الماکرین" ہے' ان کی چالوں میں آنے والا ہے۔ وہ انہیں بے نقاب کر کے رہتا ہے اور آخر وہ دن آتا ہے جب ان کا خرقہ مکر وریا تار تار ہوتا اور وہ دنیا کے سامنے لارنس آف عربیہ کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ اسی قسم کے بہروپیوں میں ایک بہروپیا وحید الدین خان بھی ہے جسے اصحاب بصیرت لارنس آف ہندیہ کا خطاب دے چکے ہیں۔ نام تو ان کا بظاہر وحید الدین ہے لیکن اپنے سیاہ اعمال کی وجہ سے وہ پلید الدنیا بن چکے ہیں۔ وحید الدین 'مولانا' کیسے بنے؟ کس سازش کے تحت وہ کسی دینی مدرسے میں داخل ہوئے' آخر جوتا چور بھی تو نمازیوں کے روپ میں مساجد میں داخل ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی سازشی' دینی مدرسہ کے طالب علم کے روپ میں مدرسہ میں داخل ہو جائے تو یہ کوئی امر استعجاب وحیرت نہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وحید الدین خان کو یہ خطاب موروثی طور پر ملا ہو۔ ان کے آباء واجداد میں واقعتاً کوئی حقیقی عالم دین بھی گزرا ہو۔ علم دین کی وجاہتیں تو وہ اپنے ساتھ قبر میں لے گیا ہو اور اخلاف کے لیے "مولانا" کا دم چھلہ وراثت کے طور پر چھوڑ گیا ہو۔

اب ضروری تو نہیں کہ کسی عالم دین کے ہاں کوئی دین سے برگشتہ' بددین اور بھٹکی ہوئی روح جنم نہ لے۔ نوح کے گھر کنعان بھی تو جنم لیتا ہے۔ کیا مولانا سید مودودی کے ہاں "مولانا" فاروق حیدر مودودی "جیسے آدھے تیتر آدھے بٹیر" قسم کی مخلوق نہیں پائی جاتی؟ بہرحال چھوڑیے اس قضئے کو۔ ہمیں اس سے کیا لینا۔ قصہ مختصر! یہ یاد رکھئے کہ بڑے لوگوں کے ہاں اکثر چھوٹے لوگ جنم لیا کرتے ہیں۔ زمانہ جانتا ہے' علامہ اقبال کتنے بڑے عاشق رسول تھے اور توہین رسالتؐ کے حوالے سے ان کے صاحبزادے کے "لبرل" خیالات سے بھی علمی حلقے بخوبی واقف ہیں۔

ہمارے ہاں ایک تصنیفی روایت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ "نقل کفر' کفر نباشد" کہہ کر دنیا بھر کا کفر بک دیا جاتا ہے۔ وحید الدین خان کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس ٹٹی کی آڑ میں خوب شکار کھیلا ہے۔

عالمی سامراج اور استعمار کے حوالے سے نیو دہلی کے نام نہاد اسلامی مرکز کے اس مدار المہام کی مفعولی ذہنیت کا عالم یہ ہے کہ ایک امریکی جوڑے نے اسلام سے برگشتہ کرنے

والے ان کے خیالات سے متاثر ہو کر انہیں ایک عدد خط لکھ دیا۔ موصوف نے اس خط کو "نجات کا پروانہ" سمجھتے ہوئے اپنی کتاب میں اس کا عکس بھی بالالتزام شائع کیا تاکہ استعمار پرستوں اور سامراجی ایجنٹوں کو یہ جان کر خوشی ہو کہ اس میدان میں تنہا مسٹر ہی نہیں بلکہ ایک عدد مولانا بھی ہیں۔ ہائے اکبر الہ آبادی کس وقت یاد آئے۔ فرماتے ہیں

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

مغربی سامراج کے حضور گلہائے عقیدت پیش کر کے اس نام نہاد مولانا نے مغرب کے فراہم کردہ ٹریولنگ چیکوں پر دنیا کے کئی ممالک کا سفر بھی کیا۔ یوں یہ گرگ باراں دیدہ۔۔۔۔۔ اپنے جہاندیدہ ہونے کی بھی بڑ ہانکنے سے باز نہیں آتا۔ یہ مولانا غلط دور میں پیدا ہو گئے۔ انہیں تو "ان پڑھے اعظم" اکبر کے دور میں پیدا ہونا چاہیے تھا تاکہ یہ بھی ملا دو پیازہ' بیربل اور تان سین کے ہمراہ ظل سبحانی کے نورتنوں میں شامل ہو کر اس کی تعریف و توصیف کی پل باندھتے اور خوب خوب مال پانی بناتے۔ مال پانی بنانے میں تو خیر وہ اب بھی یکہ تاز ہیں۔ تب ہوتے تو اشرفیوں سے تجوریاں بھرتے لیکن اب بھی وہ گھاٹے میں نہیں ہیں۔ ان کے بریف کیس اب بھی ڈالروں سے بھرے ہوئے ہیں۔

یہ کج فکر اور کج نہاد "مولانا" جدید انسان کی غلط فہمی دور کرنے کے نام پر اسلام کو عصری تقاضوں کے تابع کرنے اور ان کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے گزشتہ ۴۰ سال سے مصروف کار ہیں۔ وہ جذبہ جو ملت اسلامیہ میں غازی علم الدین شہید جیسے سرفروش فدائیان رسالت کو جنم دیتا ہے' وہ جذبہ جس سے مغلوب ہو کر راجپال کو واصل جہنم کر دیا جاتا ہے' یہ دریدہ دہن اس پاک جذبے کو لغویت قرار دینے سے بھی نہیں چوکتے۔ مولانا کے لاحقے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اینٹی رشدی ایجی ٹیشن کو لغویت کی حد تک غیر اسلامی اور دعوتی شعور سے محرومی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے رتی بھر حیا محسوس نہیں کرتے۔ توہین رسالتؐ کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج کو وہ ان کے چھوٹے پن' سرکشی اور مغرب کے مذہب "آزادی" پر حملہ تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کے غم و غصے کے اظہار کو "مغرب کے خلاف ناقابل فہم حد تک غیر عاقلانہ تحریک" چلانے کے

مترادف گردانتے ہوئے فرماتے ہیں "اس نے سارے مغرب میں اسلام کے خلاف سوئی ہوئی نفرتوں کو دوبارہ نئے عنوان سے جگا دیا ہے" سبحان اللہ! "اسلام کے خلاف مغرب کی سوئی ہوئی نفرتوں" کی ترکیب بھی خوب رہی۔ اسی پر اکتفا نہیں۔ مزید در فنطنیاں چھوڑتے ہوئے عصر حاضر کا یہ بیربل یوں ہزل سرا ہوتا ہے "مسلم رہنماؤں کی یہ سرگرمیاں مجرمانہ سرگرمیاں ہیں" مغرب کے اس سرپھرے دیوانے کو جو مغرب کے عشق میں اس حد تک اندھا ہو چکا ہے کہ انہیں شرپرور فکر اور عقرب انگیز تحریروں کے دامن کی ہوا دے کر عشق چراغ مصطفویؐ کی لوؤں کو گل کر دینا چاہتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران مسلمانوں کے لبادے میں لارنس آف عریبیہ نے جو کردار ادا کیا تھا' آج بھارتی ہنود اور مغربی یہود کے سرمائے پر پلنے والا یہ عفریت عالم دین کے روپ میں کر رہا ہے۔ وہ لارنس آف عربیہ تھا' یہ لارنس آف ہندیہ ہے۔ اس کا پشتیان برطانوی سامراج تھا' تو اس کا پشتیان امریکی سامراج ہے۔

باخدا دیوانہ باش با محمد ﷺ ہوشیار

جمیل احمد عدیل

لاہور سے برادرم محمد متین خالد نے بھارتی نژاد مصنف مولانا وحید الدین خان کی ایک کتاب "شتم رسول ﷺ کا مسئلہ" بھجوائی ہے اور اس عاجز کو حکم دیا ہے کہ اس پر اپنے تاثرات سپرد قلم کروں۔

مذکورہ تصنیف کا مرکزہ یہ نظریہ ہے کہ سلمان رشدی نے اپنے ناول "شیطانی آیات" میں جو بھی انداز اختیار کیا ہے' آزادی تحریر کے بنیادی حق سے استفادہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ مسلم دنیا میں رشدی کی کتاب پر جو ردعمل سامنے آیا ہے' وہ بے جا ہے۔

سلمان رشدی کی "شیطانی آیات" ستمبر ۱۹۸۸ء میں برطانیہ کے معروف اشاعتی ادارے "پینگوئین" نے شائع کی تھی۔ جب اس کتاب کے مندرجات مسلمانوں تک پہنچے تو شدید ردعمل سامنے آیا کہ ناول نگار نے افسانوی فضا میں ایک خاص زمانے' ماحول' کرداروں اور واقعات کو پینٹ کیا تھا۔ اور وہ عہد تھا عہد رسالت' شہر تھا مکہ اور کردار تھے حضور ختمی مرتبت ﷺ' ان کے صحابہؓ اور اہل بیتؓ۔ اب اس میں جو کچھ لفظوں کی صورت بیان کیا گیا' وہ اس درجہ مبتذل اور دل آزار ہے کہ ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی یہاں QUOTE کرنا کم از کم میرے لیے ممکن نہیں۔ رشدی کی تخلیق کا جن اصحاب علم نے محاکمہ کیا ہے' جی کڑا کر کے اپنے مضامین اور کتب میں "نقل کفر کفر نباشد" کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض حوالے انہوں نے نقل کیے ہیں۔ وہ اقتباسات اس حد تک اذیت خیز ہیں کہ انہیں پڑھ کر گیا گزرا مسلمان بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔

مولانا وحید الدین خان خود تسلیم کرتے ہیں "یہ کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ایک انتہائی بے ہودہ اور فحش قسم کا ناول ہے جیسا کہ خود اس کے نام سے ظاہر ہے"۔ (ص ۳۸) لیکن مولانا ساتھ اس خیال بلکہ اس نظریے کو بھی بڑی شد و مد سے بیان فرماتے ہیں "اینٹی رشدی ایجی

ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا"۔ (ص۶) "سلمان رشدی کی کتاب بلاشبہ لغو ہے' مگر شیعہ اور سنی علماء کا مذکورہ رد عمل بلاشبہ اس سے بھی زیادہ لغو ہے"........ سلمان رشدی نے اگر پیغمبر اسلام کی توہین کی تھی تو آیت اللہ خمینی اور ان کے ہم نوا علماء' اسلام کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں' انہوں نے دنیا کی نظر میں اسلام کی یہ تصویر پیش کی ہے کہ وہ ایک وحشی اور غیر مہذب دین ہے"۔(ص ۳۳)

مولانا وحید الدین خان نے زیر نظر کتاب میں دلائل عقلیہ و نقلیہ کی رو سے ثابت کیا ہے کہ شریعت میں توہین رسالت ﷺ کی کوئی سزا مقرر نہیں بلکہ یہ قابل تعزیر جرم ہی نہیں۔ اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے متعدد احادیث پیش کی ہیں' جن میں حضور نبی اکرم ﷺ اپنے گستاخوں کو معاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ واقعہ طائف سے لے کر فتح مکہ تک لاتعداد مواقع ایسے آئے' جب حضور ﷺ معاندین پر اختیار رکھتے تھے' لیکن انہوں نے اعراض عفو اور درگزر سے کام لیا۔ مولانا ان روایات کو پیش کرنے کے بعد استنباط کرتے ہیں کہ دشمن کو معاف کر دینا ہی سنت نبوی ﷺ ہے۔ یہی قابل تقلید اسوۂ رسول ﷺ ہے۔

لاریب حضور ﷺ رحمتہ اللعالمین ہیں۔ انہوں نے اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کیا ہے لیکن جہاں تک روایات کا تعلق ہے' بہت سی ایسی روایات بھی کتب احادیث میں موجود ہیں جن میں بڑی وضاحت سے مرقوم ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے گستاخوں کے قاتلوں کو نہ صرف کوئی سزا نہیں دی بلکہ ان کے اقدام کو پسند کیا اور بعض روایات تو ایسی بھی ملتی ہیں کہ حضور ﷺ کے حکم پر ان کے شاتموں کو قتل کیا گیا۔

آگے چلئے فقہاء اور علماء کے فیصلے بھی خاصے متضاد ہیں۔ وحید الدین صاحب نے ایسے اکابرین کے اقوال پیش کیے ہیں' جو معاف کر دینے یا نظر انداز کر دینے کے حق میں ہیں۔ جبکہ جناب محمد اسمٰعیل قریشی کی تصنیف "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ" حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کے رسالے "توہین رسالت ﷺ اور اس کی سزا" مولانا رعایت اللہ فاروقی کی کتاب "گستاخ رسول ﷺ کی سزا" اور ایچ ساجد اعوان کی تالیف "تحفظ ناموس رسالت ﷺ اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا" میں صلحائے امت کے بہت سے تاریخی فیصلے گواہی دے رہے ہیں کہ شاتم کی سزا موت ہے۔

اب فیصلہ کیسے ہو؟ صحیح نتیجے تک پہنچنے کے لیے دو تین پہلوؤں کو خاص طور پر مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ شاتم رسول ﷺ کی سزا کے متعلق جتنی بھی روایات ہیں' ان کا از سر نو تجزیہ کیا جائے' راویان کے تشخص اور صحت کو معروضی تناظر میں دیکھا جائے۔ جب حقیقی سیاق و

سباق کا تعین ہو جائے گا تو بہت سی پیچیدگیاں بالیقین حل ہو جائیں گی۔ تاہم یہ جہت بھی قابل غور ہے کہ اگر حضور ﷺ نے دکھ پہنچانے والوں کو معاف کیا ہے تو خاکم بدہن یہ سنت معطل نہیں ہوگئی۔ آج بھی اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ آپ بھی اپنے دشمن کو معاف کر دیجئے۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔ لیکن یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ہم اپنے دشمن کو تو پارہ پارہ کر دینا چاہتے ہیں اور عدو رسول ﷺ کے سلسلہ میں رواداری' برداشت اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ مومن اپنی ذات' اولاد' ماں باپ غرض ہر شئے سے بڑھ کر نبی ﷺ سے محبت کرے۔ اس زندگی میں ہم اپنے کس حق سے دستبردار ہونے کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ اپنا معمولی سا حق بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں' معاملہ نبی اکرم ﷺ کی اہانت کا آتا ہے تو اسے سہہ جانے کی تعلیم دیتے ہیں۔

قارئین! اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک امتی کی حیثیت' سے رسول عربی ﷺ سے ہمارے تعلق کی تحسین ہونی چاہیے۔ مضبوط ترین' توانا ترین اور پائیدار ترین تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ ہماری زندگیوں میں حضور ﷺ محور کے مقام پر ہوں۔ ہمارے جملہ اعمال و افعال کا سلسلہ انہی کی رہبری میں وجود پذیر ہو۔ پھر محبت اور عشق کی سچی اساس استوار ہوگی۔ ہمیں حضور ﷺ کائنات کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوں گے' تو پھر یہ کب ممکن ہے کہ ہم دل میں اس بدبخت کے لیے کوئی نرم گوشہ رکھ سکیں جو آپ ﷺ سے بغض اور کینہ رکھتا ہو۔ اسے نظر انداز کرنے کا تب ہم میں یقیناً حوصلہ نہیں ہوگا۔

مولانا وحید الدین صاحب نے بار بار اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ مسئلہ سب و شتم پر مسلمانوں کو جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ مولانا اور ان کے ہم خیالوں سے بڑے ادب سے استفسار کرنا ہے کہ زندگی میں جذبہ و احساس' کیا مسترد کر دیے جانے کے لائق رویے ہیں؟ اگر زندگی سے جذبہ منہا ہو جائے تو باقی کیا رہ جائے گا؟ ہمارے تمام سماجی رشتوں کے بیچ جذبہ ہی تو وہ دھاگہ ہے جس سے سسٹم چل رہا ہے۔ بلکہ یہ ساری کائنات "جذب باہم" سے قائم ہے۔ بات یہ نہیں کہ مولانا جذبات کے قائل نہیں' ہیں' مگر ترجیح کا فرق ہے۔ انسان جذباتی ہوتا ہے' وہاں' جہاں اس کی جذباتی وابستگی ہوتی ہے۔ مال' دولت' شہرت' جائیداد' اولاد' کہاں کہاں وہ جذباتی نہیں ہوتا اور جہاں اس کے جذبات کے نازک آبگینے کو ٹھیس لگتی ہے' وہاں چھلک اٹھتا ہے۔ اسی لیے کہ اسے اپنی ذات محبوب ہے۔ افسوس کا یہی مقام ہے کہ آج محبوب خدا اسے اپنی ذات سے بھی کم محبوب ہیں۔ کاش مولانا صاحب کو کبھی ذلت کی اذیت کا زہریلا کانٹا چبھے تاکہ وہ شدید کرب سے گزریں اور انہیں معلوم ہو' جذبات کیا ہوتے ہیں؟ اور ان کا اظہار کیا ہوتا ہے؟

یہ سارے آئین، قوانین، ضابطے، اصول----- یہ سب فرد کو تحفظ دینے کی ضمانت دیتے ہیں۔ تو اگر وہ قانون جو اس کے جذبات کا احترام کرائے، اسے وحشیانہ قرار دینا ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر ایک مسلمان کی دل آزاری کرنے والے کو قانون کا ہاتھ روکتا ہے تو یہ کہاں کی بربریت ہے؟ یہ بات فہم سے کس درجہ بالا اور معقولیت سے کتنی دور ہے کہ قانون کسی شخص کو یہ "فطری آزادی" مہیا کرے کہ تم جس طرح چاہو، دوسرے کی واجب العقیدت شخصیت کو دشنام کے مسموم تیروں سے گھائل کر دو، کیونکہ یہ ہیومن رائٹس کے مطابق ہے۔ اسے "ہیومن رائٹس" کا جزو قرار دینا تو پرلے درجے کی بہیمیت ہے۔ فرد کے احترام میں یہ شامل ہے کہ اس سے متعلق ہر اس چیز کا احترام کیا جائے جو اس کی نظر میں محترم ہے۔

آیئے اب مسئلے کو ایک اور تجزیے کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ آخر توہین رسالت ﷺ کی اجازت کے کون لوگ متمنی ہیں؟ مسلم یا غیر مسلم؟ بھلا آپ سوچیے کہ ایک مسلمان، قلب و نگاہ کے نہاں خانوں میں توہین کا تصور بھی لا سکتا ہے؟ جب وہ خود کو مسلمان کہتا ہے تو گویا وہ اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتا اور یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس کے بعد توہین کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟ توہین کا تو ایک ہی مطلب ہے کہ اس نے خود کو دامن نبوی ﷺ سے علیحدہ کر لیا ہے۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ کوئی مسلم توہین رسول ﷺ کر ہی نہیں سکتا۔ اب رہ گئے غیر مسلم، تو ذرا بتایئے غیر مسلم ہونے کا یہ مفہوم کہاں درج ہے کہ وہ بدتہذیب اور ناشائستہ ہوتا ہے۔ اگر اسلام اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو ٹھیک ہے وہ اپنے آبائی دین پر قائم رہے، کون اسے تلوار کے زور پر مسلمان بنا رہا ہے؟ کوئی نہیں۔ لیکن اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام اور خاتم الانبیاء ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دے۔ اسلام کے سوا جتنے مذاہب ہیں، ان سے وابستہ اربوں لوگ موجود ہیں۔ ہم انہیں کب گستاخ رسول ﷺ قرار دے کر ان کے قتل کے فتوے دیتے پھرتے ہیں، ہم ان سب کا احترام کرتے ہیں، اس لیے بھی کہ کسی مذہب نے انہیں یہ تبلیغ نہیں کی کہ جاؤ اور پیغمبر اسلام کی (معاذ اللہ) توہین کرو۔ ہر مذہب کا رشتہ کسی نہ کسی نبی سے ہی وابستہ ہے اور سبھی انبیاء نے بھلائی، بھائی چارے اور اخلاق و آداب ہی کی تعلیم عام کی ہے۔ پھر ہماری نظر میں ان غیر مسلموں کا حد سے زیادہ احترام ہے جنہوں نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا انتہائی بے تعصبی سے اعتراف کیا ہے۔ زمانہ نبوی ﷺ سے لے کر لمحہ موجود تک ہزاروں غیر مسلم دانشوروں نے حضور ﷺ کی صداقت کی گواہی دی ہے۔ ہم انہیں کب شاتمین کی فہرست میں شامل سمجھتے ہیں۔ غیر مسلم ہونے کا ہرگز مطلب گستاخ ہونا نہیں۔

ایسے میں اگر کوئی باغی صفت فرد اٹھتا ہے، جو قلم یا زبان سے ایسے کلمات کو عام کرتا ہے جو اذیت رساں ہوتے ہیں تو درحقیقت وہ سماج میں فساد کو فروغ دینے کا اہتمام کرتا ہے۔ پرامن فضا میں زہر گھولتا ہے۔ بس اسے سزا "فساد فی الارض" کے جرم پر دی جاتی ہے۔ جو فتنے کو ہوا دیتا ہے، اس سے بڑھ کر بھلا مفسد اور کون ہوگا؟ اور شاتم رسول ﷺ سے بڑھ کر بھلا مفسد اور متفنی اور کون ہوگا؟ کیونکہ رسول ﷺ کی ذات ایک فرد کی حیثیت سے بہت بڑھ کر ہوتی ہے۔ اسے جان و دل سے عزیز جاننے والے ان گنت لوگ ہوتے ہیں۔ مغرب کی عدالتیں بھی ایک شخص کی عزت نفس مجروح کرنے والے کو تو "ہتک عزت" کے جرم میں سزا سناتی ہیں اور کروڑوں نفوس کے دلوں کو زخمی کرنے والے کے لیے تحفظ، یہ کیسی دورنگی ہے؟

توہین رسالت ﷺ کو اگر قانون نے جرم قرار دیا ہے اور اس پر سزا جاری کی ہے تو سو فیصد درست کیا ہے۔ اس لیے کہ جسے ابھی اتنی تمیز، عقل اور شعور نصیب نہیں کہ دوسرے کے قلب کو چرکے لگانا بدتہذیبی اور اجڈپن ہے، اسے واقعی سزا ملنی چاہیے۔ مولانا وحید صاحب نے اس مثال کو اپنی کتاب میں کئی بار دہرایا ہے کہ "کتا اگر ہاتھی کے اوپر بھونکے تو ہاتھی کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ کتے کی بھونک کی تردید کرے"۔ وحید صاحب! شاید جانتے ہیں کہ آوارہ کتوں کو تلف کرنا انسانیت پر احسان ہوتا ہے اور بلدیہ والے اسے فرض سمجھ کر وقتاً فوقتاً ادا بھی کرتے رہتے ہیں وگرنہ باؤلے کتوں کو اگر کھلا چھوڑ دیا جائے تو ناقابل تلافی نقصان انسان کو ہی پہنچتا ہے۔

مکرم قارئین! ہمارا المیہ کوئی ایک نہیں، ہم اسلامی معاشرے میں تو زندگی کر رہے ہیں لیکن یہ کامل قرآنی معاشرہ نہیں ہے۔ قرآن مجید ابدی اصولوں کی سرمدی کتاب ہے۔ اس آخری کتاب میں رہنمائی کا کون سا گوشہ خالی ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ اس مقام پر ازبس ناگزیر ہے کہ ان آیات قرآنی کا حوالہ دیا جائے جو محسن انسانیت ﷺ کے ارفع و اعلیٰ مقام کا تعین کر رہی ہیں۔

- "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی ﷺ کے ساتھ اونچی آواز کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا غارت جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔

(سورۃ الحجرات، آیت ۲-۳)

- "بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا

کیا گیا ہے"۔

(سورۃ احزاب' آیت ۵۷)

❑ "اور جو رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے ہیں' ان کے لیے دردناک عذاب ہے"

(سورۃ توبہ' آیت ۶۱)

❑ "اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرما دو' اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں"۔

(سورۃ النساء' آیت ۶۵)

❑ "بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں' ان کو ذلیل کیا جائے گا جس طرح ان لوگوں کو ذلیل کیا گیا' جو ان سے پہلے تھے"۔

(سورۃ المجادلہ"' آیت ۵)

❑ "لعنت کیے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑ لیے جائیں اور قتل کیے جائیں' اچھی طرح قتل کرنا' یہ اللہ کا طریقہ ہے' ان لوگوں کے لیے جو ان سے پہلے گزر گئے اور اللہ کا طریقہ ہرگز نہیں تبدیل ہوا کرتا"

(سورۃ الاحزاب' آیت ۶۱-۶۲)

(حضور ﷺ کے شاتم سے بڑا معلون کون ہو سکتا ہے؟)

❑ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہوئے ہو' نہ مرد' مردوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعن نہ کرو' نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو"۔

(سورۃ الحجرات' آیت ۱۱)

قارئین! آپ نے دیکھا کس قدر مربوط فکر' مبسوط لائحہ عمل اور جامع پروگرام ہے۔ ادب آداب کے قوانین کے باب میں ان قوانین کو حرف آخر کا مقام حاصل ہے۔ عزت نفس کو کتنا اونچا درجہ ملا ہے۔ جب کسی کو استہزاء کے ساتھ چڑانے کے لیے' غلط نام و القاب سے پکارا جاتا ہے تو اس کی شخصیت مسخ ہونے لگتی ہے۔ اپنی نظر میں اس کا اپنا وجود حقیر ہو جاتا ہے۔ اس کا اعتماد' وضع داری' رکھ رکھاؤ' سب کچھ داؤ پر لگ جاتا ہے۔ یہ فرد کو اندر سے قتل کرنے کی

سازش ہے۔ قدرت نے دیکھئے انسانی نفسیات کی نبض پر کس حکیمانہ انداز میں ہاتھ رکھا ہے۔ قوانین اس نے بتا دیے ہیں۔ اب ان کا نفاذ تو نظام نے کرنا ہے اور نظام کو قیام امن کے لیے جنگ کرنی اور لڑنی پڑتی ہے کہ یہی نظام فطرت ہے اور اللہ کے لیے یہ جنگ اس کے بندے ہی لڑا کرتے ہیں کہ یہی نظام قدرت ہے۔ وہ شخص جو دوسرے کو برے القاب سے پکارتا ہے' تمسخر اڑاتا ہے اور اپنی اس اوچھی حرکت سے باز نہیں آتا' نظام پھر اس بے حیا کے گلے میں لعنت کا طوق تو ضرور ڈالے گا تاکہ وہ عبرت کی مثال بن جائے------ اور یہ تو عام فرد کی عزت کی حفاظت کا انتظام ہے' جو خدا کے رسول ﷺ کی حرمت کو ایذا کا نشانہ بناتا ہے' اس کے لیے تو کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس نے ایک انسان کو نہیں' لاتعداد انسانوں کی روحوں کو زخمی کرنے کی مذموم حرکت کی ہے۔ اسے اس دنیا میں رسوا کن عذاب کے گڑھے میں ضرور گرایا جائے گا۔

آخر میں مولانا وحید الدین صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے بڑے اخلاص سے اس نقطہ نظر کی تبلیغ کی ہے کہ حضور ﷺ معاندین سے اعراض برتا کرتے تھے۔ ہمیں بھی انہیں نظرانداز کرنے کی پالیسی اپنانی چاہیے۔ لیکن آپ کبھی ٹھنڈے دل سے ضرور غور کیجئے گا کہ اگر رشدی جیسے بدباطنوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی تو یہ اکابرین کی یونہی پگڑیاں اچھالتے پھریں گے۔ ہر مرض کا اپنا علاج اور ہر علاج کا اپنا طریق کار ہوتا ہے۔ ایسے فتنہ پرور لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان سے سختی سے نمٹا جائے تاکہ رواداری اور بے حمیتی میں حد فاصل قائم رہے۔ غیرت کا تحفظ ناگزیر ہے وگرنہ بے حسی کی لعنت مقدر بن جایا کرتی ہے۔ اور مغربی اقوام کو یہ نکتہ سمجھایا جائے کہ تم نے "آزادی اظہار" کے قانون اور حق کو اتنا پابند بنا لیا ہے کہ ایک طرف یہ معمولی سے معمولی فرد کی عصمت اور آبرو کا پوری توانائی سے محافظ ہے یہاں تک کہ کوئی کسی کی طرف گھور کر بھی دیکھے تو اسے بے جا مداخلت قرار دے کر فوری گرفت کرتا ہے اور دوسری طرف اس عظیم شخصیت کے مرتبے کی پروا نہیں کرتا' جس نے صدیوں کی راہ گم کردہ انسانیت کو فوز و فلاح کی منزل کی طرف گامزن کیا ہے۔

مولانا صاحب! یورپ والوں کا آپ کے دل میں بڑا درد ہے' انہیں بتایئے ہمارا نبی ﷺ صرف مسلمانوں کا ہادی نہیں' کل جہانوں کا رہنما ہے۔ وہ وقت دور نہیں' جب اس کے عطا فرمودہ سورج کی کرنوں جیسے تاباں اصول تم اس اقرار کے ساتھ قبول کرو گے "ہاں جس نے یہ ارمغان دیا ہے' وہ صادق ہے' وہ صادق ہے' وہ صادق ہے------" لیکن وہ وقت آنے سے پہلے اتنی تربیت تو حاصل کر لیں کہ

ع "ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں"

باقی حضور ﷺ نے مخصوص حالات و واقعات میں اگر کسی کو سزا دی ہے یا معاف کیا ہے تو ان کے پاس یوں خاص اختیار تھا کہ معاملہ ان کی اپنی ذات کا تھا۔ آپ کوئی ایسی مثال دیجئے جس میں حضور ﷺ نے محض اپنی مرضی سے کسی پر حد جاری کی ہو اور کسی کو چھوڑ دیا ہو۔ جب معاملہ کسی اور کا ہو؟ ایک جج' اپنے بیٹے کے قاتل کو چاہے تو معاف کر سکتا ہے' لیکن وہ کسی کے بیٹے کے قاتل کو اپنی مرضی سے بری نہیں کر سکتا کہ جج قانون کا پابند ہے۔

معافی کا دروازہ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بند ہو چکا ہے۔ اب مولانا وحید صاحب! آپ اپنے ذاتی دشمن کو تو معاف کر سکتے ہیں' لیکن نبی ﷺ کے دشمن کو معاف کرنے کا اختیار آپ سمیت دنیا کے کسی فرد بشر کے پاس نہیں۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

وحید الدین خاں، ایک گمراہ دانشور

ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی

(پروفیسر و صدر شعبہ عربی' کشمیر یونیورسٹی' سری نگر

تشکیل عالم کے آغاز سے قاصد اور پیغام رساں کو اہمیت' احترام اور اس کے اعزاز کی ایک خاص حیثیت حاصل رہی ہے۔ خواہ پیغام بر مزاج و رتبہ کے مطابق ہو یا مخالف' پیغام بر کی قدر و منزلت کو آنچ نہ آنے دی گئی۔ اگر کبھی کسی نے اس رسم و ریت کے برعکس کوئی اقدام کیا تو اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا اور اگر کوئی پیغام الٰہی لے کر مبعوث کیا گیا تو وہ نبی و رسول کہلایا بہت سی قوموں نے جھٹلایا' ایذا پہنچایا' قتل کا ارتکاب جرم بھی کیا جس کی پاداش میں عذاب و غضب کی شکار ہوئیں لیکن نبوت اور پیغام رسانی کی اہمیت اور قدر و قیمت مسلم رہی۔

اسلام نے اس کے احترام اور قدر افزائی میں اضافہ کیا اور اس کے جائز و اہم مقام کو اجاگر کیا۔ اسی بنا پر رسول اکرم ﷺ کی محبت' احترام اور ان سے والہانہ وارفتگی کو ضروری قرار دیا۔ حدیث شریف میں اس کی صاف لفظوں میں وضاحت کر دی گئی:

"تم میں سے کوئی شخص ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی ذات' اس کے والدین' اولاد اور ہر عزیز چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوں"۔

(بخاری و مسلم)

یہ عقیدہ اور ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ ان کی محبت اور شیفتگی کے واقعات و مناظر سیرت و سوانح کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں کبھی ایسا بھی ہوا کہ اگر کوئی صحابی اپنے کاروبار' تجارت اور باغبانی و کاشت میں منہمک ہو کر لمحہ بھر خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خیال سے غافل ہوگئے تو انہوں نے اپنے آپ ﷺ کو منافقین میں شامل سمجھا۔ اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی جانب فوری طور پر رجوع کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔

اسلام کے اس واضح اور بین حکم و طرز عمل کے بعد اگر امت کا کوئی ایک فرد اس حکم اور

اجماع امت کے برخلاف اظہار خیال کر کے اس کو حقیقت کا جامہ پہنانا چاہتا ہے تو یہ اس کی ناواقفیت اور فکری و ذہنی پراگندگی اور علمی بے راہ روی کے سوا اور کیا ہوگی؟

ہمارا یہ دور علمی، ثقافتی، سائنسی اور ٹیکنالوجی کی ترقیوں کا دور ہے۔ بحث و تحقیق کے میدان میں بہت بلند درجہ پر فائز ہے لیکن اس کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سے اہل قلم، آزادانہ تحقیق اور حریت رائے کے زعم میں حقائق کو دانستہ یا نادانستہ طور پر نظرانداز کرنے لگتے ہیں جس سے انحراف و کج روی اور حقائق و مسلمات سے انکار کا رجحان پیدا ہو رہا ہے اور جمہور علماء و محققین کی رائے سے اختلاف کو بحث و تحقیق کی علامت سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کی روشن دلیل مشہور صاحب قلم وحید الدین خاں ہیں۔ وہ اپنی بیشتر کتابوں اور تحریروں کو بحث و تحقیق کا اعلیٰ معیار اور حقیقت پر مبنی سمجھتے ہیں اور اسے حرف آخر بھی قرار دیتے ہیں۔ عام مسلک اور علمی موقف سے اختلاف ان کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے، حال میں انہوں نے "شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے بارے میں جو موقف اختیار کیا ہے، اس سے انہوں نے اسلام کے مسلمہ حقائق سے نہ صرف انحراف کیا ہے، بلکہ ایک ایسا باب کھول دیا ہے کہ جس سے تحریف اور گمراہ کن خیالات کے در آنے کے اندیشے بڑھ گئے ہیں۔ وحید الدین خاں کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> "موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا عام خیال یہ ہوگیا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی، یا اس کا استہزاء ایک ایسا جرم ہے جو علی الاطلاق طور پر مجرم کو واجب القتل بنا دیتا ہے.... اس قسم کا مطلق نظریہ شرعی اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ اسلام میں اس کے لیے کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں ہے"۔ ("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء)

وحید الدین خاں پیغمبر کے ساتھ گستاخی، مسلمانوں کی دلازاری اور عقیدہ کے استہزاء کو آزادی رائے کہتے ہیں اور اس طرح وہ یہود و نصاریٰ اور اسلام دشمن عناصر کی صفوں میں کھڑے ہو کر ان کے حامی و ہمنوا نظر آتے ہیں۔ آزادی رائے کے بارے میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

> "امتحان کی اس دنیا میں جہاں ہر ایک کو آزادی ہے آپ کسی کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے کہ وہی الفاظ بولے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ بولا جائے..... موجودہ زمانہ میں آزادی فکر خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ ("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹ء)

وحید الدین خاں کی یہ دلیل کتنی گمراہ کن اور آزادی رائے کے بنیادی تصور سے مختلف ہے کہ وہ ایسی آزادی فکر کو "خیر اعلیٰ" کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ پیغمبروں، عقیدوں اور صالح

افکار و اقدار کی تضحیک و استہزاء اور ابطال کیا جائے جبکہ آزادی رائے کا تصور جس تہذیب نے دیا ہے' اس میں مطلق آزادی کا وجود نہیں ہے اور پیغمبر و مصلحین تو درکنار قومی اور سیاسی قائدین پر تنقید کی ایسی مطلق آزادی کا تصور نہیں پایا جاتا۔ وہ ان خیالات کا اظہار اپنی تحریروں کی تہوں میں لپیٹ کر کرتے ہیں کہ بھولے بھالے اور خوش عقیدہ مسلمانوں اور عام قاری کو حقائق اور خبر محسوس ہوتے ہیں۔ خاں صاحب کے مقاصد کچھ بھی ہوں' لیکن یہ خیالات مسلمانوں اور انسانیت کے لیے بڑے شر اور فتنہ کا سبب بن سکتے ہیں۔ وحید الدین خاں کو مغربی نظریات و افکار کا مطالعہ مرعوبانہ و طالب علمانہ ذہن کے بجائے محققانہ اور ناقدانہ انداز سے کرنا چاہیے۔ ان کو یہ بھی جائزہ لینا چاہیے کہ وہ جن افکار و نظریات کی تلقین کرتے ہیں' ان کی مغربی ممالک میں کیا حقیقت ہے اور ان پر خود اس کے پیش کرنے والے کتنا عمل کرتے ہیں۔ سیاسی اور فکری نظریات اور قانون و عمل کے درمیان اگر وہ موازنہ کریں تو ان کو اس کا فرق عیاں طور پر محسوس ہوگا۔ خود برطانیہ میں جو سب سے زیادہ اس مسئلہ میں چراغ پا ہے اور اس کو آزادی رائے پر حملہ تصور کرتا ہے' ایسا قانون موجود ہے جس کے رو سے بعض امور میں تنقید کی اجازت نہیں ہے۔

پھر آزادی رائے اور آزادی سب و شتم میں فرق کرنا ہر ذی شعور آدمی کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص وحید الدین خاں کے گھر کے سامنے کھڑا ہو کر ان کو اور ان کے خاندان کو گالیاں دے یا ان کی زندگی کے بارے میں کوئی ایسی کہانی لکھے' جس میں ان پر اور ان کے خاندان پر اخلاقی اعتبار سے حملے ہوں تو کیا اس کو آزادی رائے کہہ کر نظرانداز کر دینا مناسب ہوگا۔ ایسی صورت میں خود وحید الدین خاں کا کیا موقف ہوگا؟

میری ان سے صرف یہ گزارش ہے کہ وہ آخرت کے تصور کو نظر سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ جو بھی حرف ان کے قلم سے صفحہ قرطاس پر ثبت ہو' اس میں یہ فکر ضرور کارفرما رہے کہ اس سے ان کی آخرت سنورتی ہے یا بگڑتی ہے۔

ناموس رسالت ﷺ پر وحید الدین خاں کی یلغار

محمد طاہر رزاق

خاک قادیان کے گندے خمیر سے اٹھنے والے مدعی نبوت مرزا قادیانی کا فرنگی سے "دعویٰ نبوت" کا معاہدہ طے پا گیا۔ اب مرزا قادیانی نے پروگرام کے تحت دعویٰ نبوت کرنا تھا۔ لیکن فرنگی نے اسے حکم دیا کہ ابھی تم نے دعویٰ نبوت نہیں کرنا۔ "ابھی تم کچھ کتابیں لکھو اور مسلمانوں میں اپنا ایک حلقہ پیدا کرو۔ ابھی تم مختلف مقامات پر کچھ لیکچرز دو اور مسلمانوں کے دلوں میں اپنی جگہ بناؤ' ابھی تم کچھ مناظرے کرو اور مناظرانہ تحریریں لکھو تاکہ مسلمان تمہیں اپنا غمگسار سمجھیں۔ ابھی تم عیسائیوں اور ہندوؤں کے خلاف مضامین لکھو تاکہ مسلمان تمہیں اسلام کا وکیل سمجھیں"۔

جب تم یہ تمام مراحل طے کرلو تو پھر دعویٰ نبوت کرنا---- کیونکہ اس عرصہ میں لوگوں پر تمہارا اعتبار بیٹھ جائے گا۔ پھر جب یہ لوگ تمہارے قریب آجائیں---- تو ان لوگوں کے دلوں سے "محمد ﷺ" کو نکال دو------- "محمد ﷺ کے جہاد" کو نکال دو---- کیونکہ ہمیں صرف وہ نام نہاد مسلمان چاہئیں----- جن کے دلوں میں نہ "محمد ﷺ" اور نہ "محمد ﷺ کا جہاد" ہو----- ظالم فرنگی نے کہا---- کہ ہمیں ایسے نام نہاد مسلمانوں کی کھیپ چاہیے' جن کی محمد ﷺ سے جذباتی وابستگی نہ ہو------

- جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول ﷺ نہ ہو۔
- جن میں عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت رسول ﷺ نہ ہو۔
- جن میں عثمان رضی اللہ عنہ کی غمگساری رسول ﷺ نہ ہو۔

- جن میں علی رضی اللہ عنہ کا سوز رسول ﷺ نہ ہو۔
- جن میں اویس رضی اللہ عنہ قرنی کی فنائیت رسول ﷺ نہ ہو۔
- جو رسول ﷺ کی توہین کو جذب کر جائیں۔
- جو رسول ﷺ کی توہین کو ہضم کر جائیں۔
- رسول ﷺ کی توہین سن کر جن کی آنکھیں آنسوؤں سے محروم ہوں۔
- رسول ﷺ کی بے حرمتی پر ان کے سینوں سے کوئی ہوک نہ اٹھے۔
- رسول ﷺ کے بارے میں ہرزا سرائی سن کر ان کے کانوں پہ کوئی بجلی نہ گرے۔

فرنگی نے مرزا قادیانی سے کہا کہ ----- تم سے دعوی نبوت فقط اس لیے کرایا جارہا ہے کہ تم ان بے غیرت مسلمانوں کے ریوڑ تیار کرو---- پھر اس ریوڑ کو بڑھاتے جاؤ---- حتیٰ کہ پوری امت مسلمہ اس ریوڑ میں منتقل ہو جائے۔(نعوذ باللہ)

مرزا قادیانی ساری زندگی اس کام میں جتا رہا اور یہی ڈیوٹی انجام دیتا جہنم واصل ہو گیا۔ مرزا قادیانی کے جہنم واصل ہونے کے تقریباً پون صدی بعد عالمی عیسائیت و یہودیت نے ایک ایمان فروش اور غدار اسلام "وحید الدین خاں" کو بڑے مہنگے داموں خریدا-----اور اسے کہا کہ ہمیں تم سے دعوی نبوت تو نہیں کرانا---- دعوی نبوت کا کام تو مرزا قادیانی سے لے چکے ہیں اور اس کی اولاد اس کام کو پوری دنیا میں خوب چلا رہی ہے۔ ہم نے تمہیں مرزا قادیانی والا ایک بنیادی کام سونپنا ہے۔ اور وہ ہے کہ تمہیں مسلمانوں کے دلوں سے "محمد ﷺ" اور "محمد ﷺ کے جہاد" کو نکالنا ہے۔ لیکن تمہیں بھی مرزا قادیانی کی طرح فوراً یہ کام شروع نہیں کرنا بلکہ "ابھی تم کچھ کتابیں لکھو اور مسلمانوں میں اپنا ایک حلقہ پیدا کرو۔ ابھی تم مختلف مقامات پر کچھ لیکچرز دو اور مسلمانوں کے دلوں میں اپنی جگہ بناؤ۔ ابھی تم کچھ مناظرے کرو اور مناظرانہ تحریریں لکھو تاکہ مسلمان تمہیں اپنا غمگسار سمجھیں۔ ابھی تم عیسائیوں اور ہندوؤں کے خلاف کچھ مضامین لکھو تاکہ مسلمان تمہیں اسلام کا وکیل سمجھیں"۔

وحید الدین خاں نے یہ تمام مراحل بڑی عیاری سے طے کیے اور مسلمانوں میں اپنا ایک حلقہ پیدا کر لیا۔ جب لوگوں پر اپنی دینداری کا اعتماد مضبوط کر لیا تو مرزا قادیانی کی طرح اپنے ترکش سے زہریلے تیر چلانے شروع کر دیے۔

انجمن مذکور کی طرف سے بھیجا گیا ہے 'گورنمنٹ عالیہ ابھی کچھ توجہ نہ فرمائے"۔
(الراقم مرزا غلام احمد قادیانی' ضلع گورداسپور' مورخہ ۴ مئی ۱۸۹۸ء' "تبلیغ رسالت" جلد ۷' ص ۳۶' "مجموعہ اشتہارات" ۴۳۔ تا ۴۰' ج ۳' از مرزا غلام احمد قادیانی)

کتاب بھی گورنمنٹ نے لکھوائی تھی اور تمہیں "نبوت" بھی گورنمنٹ نے دی تھی۔ اس لیے تمہیں ایسی ہی باتیں زیب دیتی تھیں (مولف)

○ اس المناک حادثے پر مرزا قادیانی پھر زہر فشاں ہوتا ہے:

"ہم گورنمنٹ عالیہ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم دردناک دل سے ان تمام گندے اور سخت الفاظ پر صبر کرتے ہیں جو صاحب کتاب امہات المومنین نے استعمال کیے ہیں اور اہم اس مولف اور اس کے گروہ کو ہرگز کسی قانونی مواخذہ کا نشانہ بنانا نہیں چاہتے"۔

(الراقم مرزا غلام احمد قادیانی' ضلع گورداسپور' مورخہ ۴ مئی ۱۸۹۸ء' "تبلیغ رسالت" جلد ۷' ص ۳۶' "مجموعہ اشتہارات" ۴۳ تا ۴۰' ج ۳' از مرزا غلام احمد قادیانی)

(چوٹ تو مسلمانوں کے قلب و جگر پہ لگی تھی اور تم مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والے کون ہوتے ہو؟ اے مرتد مرزا قادیانی! تم تو خود شاتم رسول تھے (مولف)

بھارتی نژاد مصنف ملعون رشدی نے جب سرور کونین ﷺ کی شان اقدس میں بکواس کرتے ہوئے اپنی کتاب "شیطانی آیات" لکھی تو پوری دنیا کا مسلمان ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھا۔ اپنے پیارے آقا ﷺ کے غم میں مسلمان خون کے آنسو روئے۔ پوری دنیا کے مسلمان اپنے اپنے ممالک کی سڑکوں پہ نکل آئے۔ ملت اسلامیہ کے نوجوان بپھرے ہوئے شیروں کی طرح رشدی کو ڈھونڈنے لگے۔ پورے عالم اسلام نے رشدی پر قتل کا فتویٰ دیا۔ سلطان نورالدین زنگی اور غازی علم الدین شہید کے وارثوں نے رشدی کے قتل کی قسمیں کھائیں لیکن عالمی کفر نے رشدی کو اپنے زبردست حصار میں چھپا لیا اور ابھی تک کفر اس کی حفاظت پر کروڑوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ لیکن ملعون کب تک چھپے گا۔ اس لعین و ملعون کی حفاظت کرتے ہوئے عصر حاضر کا مرزا قادیانی وحید الدین خاں یوں گویا ہوتا ہے:

"انہیں دعوت کش سرگرمیوں میں سے ایک سرگرمی وہ ہے جو "شتم رسول" کے خلاف مسلمان ہر جگہ جاری کیے ہوئے ہیں اور جس کا ایک نمایاں مظاہرہ

سلمان رشدی کی کتاب (شیطانی آیات) کی اشاعت کے بعد ۱۹۸۹ء میں سامنے آیا ہے۔ اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا۔ اس کے باوجود، وہ مسلمانوں کے اصاغر و اکابر کے درمیان اس لیے جاری رہا کہ دعوتی شعور سے محرومی کی بنا پر انہوں نے وہ کسوٹی کھو دی تھی جس پر جانچ کر وہ معلوم کر سکیں کہ ان کی کون سی روش اسلام کے مطابق ہے، اور کون سی روش اسلام کے مطابق نہیں"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص ۶، از وحید الدین خاں)

برادران اسلام! دیکھئے کفر کا وکیل وحید الدین خاں، رشدی کے خلاف احتجاج کو غیر اسلامی قرار دیتا ہے۔ اور مسلمانوں کو کوستا ہوا انہیں اس کا حل یہ بتاتا ہے:

"رسول اور اصحاب کا یہ نمونہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس طرح کے معاملات میں ہمیں کیا کرنا ہے۔ ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے حق میں اصلاح اور ہدایت کی دعا کریں۔ ان سے ملاقات کر کے پر وقار طریقہ سے ان کی غلط فہمی کو دور کریں۔ سنجیدہ اور علمی انداز میں وضاحتی مضامین لکھ کر اخبارات میں شائع کرائیں۔ یہی واحد کام ہے جو مسلمانوں کو کرنا ہے۔ اس کے سوا مسلمان جو کچھ کر رہے ہیں، وہ خدا کے غضب کو دعوت دینے والا ہے نہ کہ خدا کی رحمت کو کھینچنے والا"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص ۲۲، از وحید الدین خاں)

ہوتا ہے اک پل میں کھنڈر دل بسا ہوا
پانی بھی مانگتا نہیں تیرا ڈسا ہوا

(مولف)

ملعون رشدی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے جب پورے یورپ کی سڑکیں شمع ختم نبوت کے پروانوں سے بھر گئیں، عورتیں، بچے، بوڑھے اور اپاہج بھی اپنے عشق رسول ﷺ کا ثبوت دینے کے لیے سڑکوں پر آ گئے اور پورے یورپ کو بتا دیا کہ ابھی محمد عربی ﷺ کے غلام زندہ ہیں۔ یورپ میں ملعون رشدی کے خلاف احتجاجی جلوس اس شان سے نکلے کہ یورپ کو خوابوں میں طارق بن زیاد نظر آنے لگا۔ ان ایمانی جلوسوں پر تنقید کرتا ہوا وحید الدین خاں صفحہ قرطاس پر اپنا زہر، یوں بکھیرتا ہے:

"اگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا تو یقینی طور پر وہ خدا کے یہاں مجرم قرار پائیں گے، خواہ انہوں نے اپنے دعوت کش جلوس کا نام شوکت اسلام جلوس رکھ لیا ہو،

اور خواہ اس کی قیادت کے لیے ان کے تمام اعاظم و اکابر اکٹھے ہو گئے ہوں"۔
("شتم رسول کا مسئلہ" ص ۷، از وحید الدین خاں)

نئے صنم کدوں میں آ گئے نئے نئے بت
نئے بتوں کی نئی گھات سے خدا کی پناہ
(مولف)

مرشد اقبال نے کہا تھا:

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ، سوز صدیق دے

وہ مسلمان جن کو نبی اکرم ﷺ سے جذباتی وابستگی ہے، جنہیں تڑپنے پھڑکنے کی توفیق حاصل ہے، جنہوں نے اپنے آقا ﷺ کی عزت کے تحفظ کی قسم کھائی ہے، نبی ﷺ کا غم جن کی متاع حیات ہے، ان لوگوں پر تنقید کے نشتر چلاتا ہوا وحید الدین اپنی تنخواہ یوں حلال کرتا ہے:

"ناگوار باتوں پر مشتمل ہو جانے کی اس فہرست میں سب سے زیادہ نمایاں چیز وہ ہے جس کو "ناموس رسول پر حملہ" یا "رسول کی شان میں گستاخی" جیسے جذباتی الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس نوعیت کی اگر کوئی افواہ بھی پھیل جائے تو اس کے بعد مسلمان اس طرح بھڑک کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام تو در کنار، عقل و ہوش سے بھی ان کا دور کا کوئی تعلق نہیں"۔
("شتم رسول کا مسئلہ" ص ۷، از وحید الدین خاں)

محترم قارئین! ساری بحث کے بعد مرزا قادیانی اور وحید الدین خاں کے طریقہ واردات میں مطابقت دیکھیے۔

○ ۱۹۱۳ء میں اسلام دشمن، مسلمان دشمن، فرنگی نے مچھلی بازار کانپور کی ایک مسجد کا ایک حصہ سڑک سیدھی کرنے کے لیے شہید کر دیا۔ کعبہ کی بیٹی کی اس بے حرمتی پر مسلمان سراپا احتجاج بن گئے اور پورے ہندوستان میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس غم و غصہ نے ایک جلوس کا روپ دھارا۔ اس احتجاجی جلوس پر ظالم حکومت نے فائرنگ کر دی اور پہلے سے ہی زخمی سینوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ بیسیوں مسلمان شہادت کے جام نوش کر گئے۔ سینکڑوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا گیا۔ یہ روح فرسا حادثہ جو مسلمانوں پر ایک قیامت ڈھا گیا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا محمود نے جو بے ایمان بیان جاری کیا، انسانیت آج بھی اس پر لعنتوں کے ڈونگرے برسا رہی ہے:

"ایک حصہ مسجد کو گرائے بغیر گزارہ نہ تھا اور اسے منہدم نہ کرنا رفاہ عامہ کے کام میں رخنہ اندازی تھی۔ اس بارہ میں مسلمانوں نے بہت ناعاقبت اندیشی سے کام لیا"۔

("الفضل" مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء)

○ ۱۹۱۳ء کے کانپور کے حادثہ کے بعد پاکستان کے ایک انگریزی اخبار میں ساری انسانیت کے باپ ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام اور پوری انسانیت کی ماں' اماں حوا کی تصویریں بنا کر ان کی تضحیک کی گئی تو آدم و حوا کے بیٹوں نے اپنے ماں باپ کی توہین کا سخت نوٹس لیا۔ اس پر اپنے وقت کے مرزا بشیرالدین قادیانی وحید الدین خاں نے جو زہر اگلا' اسے ملاحظہ فرمایئے اور پھر غور کیجئے کہ کانپور اور انگریزی اخبار کے واقعات پر مرزا بشیرالدین اور وحید الدین میں کتنی مطابقت ہے۔

"پاکستان کے انگریزی اخبار فرنٹیر پوسٹ (۹ جنوری ۱۹۸۷ء) میں کسی مغربی پرچہ سے ایک مضمون نقل کیا گیا۔ اس کے ساتھ آدم اور حوا کی ایک تصویر تھی وہ بھی فرنٹیئر میل میں چھپ گئی۔ اس کے بعد ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں بپھرے ہوئے مسلمانوں نے اخبار کی وسیع عمارت کو گھیر لیا اور اس کو ساز و سامان سمیت جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس قسم کے واقعات ایک یا دوسری شکل میں ہر اس ملک میں ہو رہے ہیں جہاں مسلمانوں کو عمل کی آزادی حاصل ہے۔ مسلمان اپنی ملی ہوئی آزادی کو اسی قسم کی تخریب کاری میں استعمال کر رہے ہیں اور اس کا نام انہوں نے اسلامی جہاد رکھا ہے۔ اس قسم کا ہر عمل بلاشبہ غیر اسلامی عمل ہے۔ یہ جہاد نہیں بلکہ سرکشی ہے اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے یہاں بدترین جرم کی حیثیت رکھتی ہے"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص ۲۳' از وحید الدین خاں)

تعجب ہے کہ اخبار کے نقصان پر تو آنسو بہا رہے ہو' لیکن اپنے ماں باپ کی بے حرمتی پر کوئی افسوس نہیں۔ ہاں! نالائق اولاد ایسا ہی کیا کرتی ہے۔ (مولف)

○ ۱۹۲۷ء میں ایک خبیث الفطرت ہندو مہاشے راجپال نے محسن انسانیت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیوں کا سمندر بہاتے ہوئے رسوائے زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" شائع کی تو یہ کتاب روئے زمین پر بسنے والے محمد عربی ﷺ کے پروانوں کے قلب و جگر پر بجلی بن کر گری اور انہیں تڑپا کر رکھ دیا۔ راجپال کی تکہ بوٹی کرنے کے لیے عالم اسلام بپھر گیا۔ ہر مسلمان راجپال کے لیے شعلہ جوالہ بن گیا۔ آخر قرعہ' قسمت کے دھنی غازی علم الدین شہیدؒ کے نام نکلا جو شیر کی طرح راجپال پر

حملہ آور ہوا اور اس موذی کو خنجر مار مار کر واصل جہنم کر دیا اور خود سولی چڑھ کر عشق رسالت ﷺ کا ایک انوکھا باب رقم کر کے آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال کی عزت و حرمت پر نثار ہو گیا۔

نبی کی عزت و حرمت پہ مرنا عین ایمان ہے
سر مقتل بھی ان کا ذکر کرنا عین ایمان ہے

لیکن یہاں بھی انگریزی حکومت کا ساتھ دیتے ہوئے اور راجپال کی وکالت کرتے ہوئے غدار بن غدار قادیانی جماعت کا سربراہ مرزا محمود اپنی فطرت رذیلہ کے مطابق یہ ذلیل تبصرہ کر کے اپنی خباثت قلبی کا ثبوت دے گیا:

"وہ نبی بھی کیسا نبی ہے جس کی عزت کو بچانے کے لیے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں۔ جس کے بچانے کے لیے اپنا دین تباہ کرنا پڑے۔ یہ سمجھنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لیے قتل کرنا جائز ہے' سخت نادانی ہے......

وہ لوگ جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جو ان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے' وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔ میرے نزدیک تو اگر یہی شخص (راج پال کا) قاتل ہے۔ جو گرفتار ہوا ہے تو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کے پاس جائے اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں اب ملے گی ہی لیکن قبل اس کے کہ وہ ملے' تمہیں چاہیے خدا سے صلح کر لو۔ اس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ اسے بتایا جائے کہ تم سے غلطی ہوئی"۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد' ابن مرزا قادیانی' خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' جلد ۱۶' نمبر ۸۲' ص ۷-۸' مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء)

○ ۱۹۲۷ء کے بعد جب ۱۹۸۶ء میں ہندوستان میں ایک ایسا ہی روح فرسا واقعہ ہوا تو ہندوستان کے مسلمانوں نے اس پر اپنا تاریخی رد عمل دکھایا اور دنیا کو بتا دیا کہ ابھی ہماری غیرت نے کفن نہیں پہنا۔ اس ایمانی رد عمل پہ اپنے وقت کے مرزا بشیر الدین قادیانی نے یوں زہرناک تبصرہ کیا اور ثابت کر دیا کہ "قادیانیت" اور "وحیدیت" ایک ہی درخت کے پھل ہیں۔

"بنگلور کے انگریزی اخبار دکن ہرالڈ نے اپنے سنڈے ایڈیشن ۷ دسمبر ۱۹۸۶ء میں پی۔ کے این نمبودری کے نام سے ایک کہانی چھاپی۔ اس کا عنوان (نقل کفر کفر نباشد) یہ تھا:

Mohammad The Idiot

یہ عنوان بلاشبہ لغو ہے۔ مگر اس کے جواب میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا' وہ بھی

یکساں طور پر لغو ہے۔ وہ اس مضمون کو دیکھ کر مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے اخبار مذکور کے دفتر پر دھاوا بول دیا اور اس کے گودام کو جلا ڈالا جس میں ایک کروڑ روپیہ کا کاغذ رکھا ہوا تھا۔ ان مسلمانوں نے اپنے اس عمل کو اسلامی جہاد کا نام دیا ہے۔ مگر یہ غلطی پر سرکشی کا اضافہ ہے۔ اس قسم کا ہر فعل مسلمانوں کی قومی اودھم بازی ہے نہ کہ وہ مقدس عمل جس کو قرآن و حدیث میں جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا ہے"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص۲۱' از وحید الدین خاں)

خوف خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرور کون و مکاں گئی

(مولف)

شاطر فرنگی نے مسلمانوں کو جذبہ جہاد سے تہی دامن کرنے کے لیے مرزا قادیانی کو کھڑا کیا تھا۔ فرنگی سمجھتا تھا کہ جذبہ جہاد سے لیس مسلمان ہمارے لیے دو دھاری تلوار ہیں اور جذبہ جہاد سے عاری مسلمان ہمارے لیے بھیڑ بکریاں ہیں۔ اسی لیے مرزا قادیانی ساری زندگی مسلمانوں کو بھیڑ بکریاں بنانے کی کوشش میں رہا۔ منسوخی جہاد پہ مرزا قادیانی کی تحریریں ملاحظہ فرمایئے:

"اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے — دین کے لیے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے' خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد"

(ضمیمہ "تحفہ گولڑویہ" ص۳۹' مصنف مرزا قادیانی)

○ "آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا' خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا ہے' وہ اپنا نام غازی رکھتا ہے' وہ اس رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے"

("خطبہ الہامیہ" مترجم' ص۲۸-۲۹' مصنف مرزا قادیانی)

○ "گورنمنٹ انگلشیہ خدائی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ سلطنت مسلمانوں کے لیے برکت کا حکم رکھتی ہے۔ خداوند رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لیے باران رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا قطعی حرام ہے"۔

("شہادت القرآن" ضمیمہ' ص ۱۲-۱۱' مصنف مرزا قادیانی)

○ "اب سے زمینی جہاد بند کیے گئے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا"۔

(ضمیمہ "خطبہ الہامیہ" ص ۱۷' مصنف مرزا قادیانی)

○ "سو آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا"

(ضمیمہ "خطبہ الہامیہ" ص ۱۷' مصنف مرزا قادیانی)

○ "اور میں نے بائیس برس سے اپنے ذمہ یہ فرض کر رکھا ہے کہ ایسی کتابیں جن میں جہاد کی مخالفت ہو' اسلامی ممالک میں ضرور بھیج دیا کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے میری عربی کتابیں عرب کے ملک میں بھی شہرت پاگئی ہیں"۔

(تحریر مرزا قادیانی' مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۰۱' مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ' ص ۲۶)

○ "میں نے یہ کتابیں اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بخوبی شائع کی ہیں۔ اس کے علاوہ روم کے پایہ تخت' قسطنطنیہ' بلاد شام' مصر اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا' ان کی اشاعت کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ مجھے اس خدمت پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی کوئی نظیر کوئی مسلمان نہیں دکھلا سکتا"۔

("تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' مصنف مرزا قادیانی)

○ "جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے' ویسے ویسے جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح و مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے"۔

("تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' ص ۱۷ مصنف مرزا قادیانی)

آج کی دنیا میں ابھرتی ہوئی اسلامی جہادی تحریکوں (افغانستان' کشمیر' چیچنیا' بوسنیا' الجزائر' سوڈان' فلسطین----- وغیرہم) کو دیکھ کر کفر پہ لرزا طاری ہے۔ رہی سہی کسر پاکستان کے ایٹم بم نے نکال دی ہے۔ ان مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد نکالنے کے لیے عالمی کفر نے مرزا قادیانی کی ڈیوٹی وحید الدین خاں کو دے دی ہے۔ دیکھیے وحید الدین اپنے کن کن کرتبوں سے مسلمانوں کو برف میں منجمد کر رہا ہے:

"چونکہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں نے دعوت کے شعور کو کھو دیا ہے' اس لیے ان کا پورا خارجی رویہ بگڑ کر رہ گیا ہے۔ وہ اسلام کے نام پر ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

"موجودہ زمانہ کے مسلمان نہ صرف یہ کہ دعوت کا کام نہیں کر رہے ہیں، بلکہ وہ مسلسل طور پر دعوت کو قتل کرنے میں مشغول ہیں۔ دوسری قوموں کو سیاسی حریف سمجھنا، ان کے مقابلہ میں احتجاجی اور مطالباتی مہم چلانا، ایسے جھگڑے کھڑے کرنا جس کے نتیجہ میں داعی اور مدعو کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں۔ اس طرح کی تمام سرگرمیاں دعوت کی فضا کو بگاڑتی ہیں۔ وہ دعوت و نصیحت کی قاتل ہیں۔ مگر ساری دنیا کے مسلمان ہر روز انہیں دعوت کش سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اصاغر تو درکنار، ان کے اکابر بھی یہ سوچ نہیں پاتے کہ ایسا کر کے وہ اپنے خلاف خدا کے غضب کو بھڑکا رہے ہیں"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص٦، از وحید الدین خاں)

وہ اک دھبہ ہیں علم و آگہی کے نام پر
تیرگی پھیلا رہے ہیں روشنی کے نام پر

(مولف)

○ "فرض کیجئے کہ ایک شخص آپ کے خلاف ایک بے ہودہ جھوٹ گھڑتا ہے اور اس کو کتاب کی صورت میں چھاپ کر بازار میں لے آتا ہے۔ اب آپ کی کامیابی کس چیز پر ہوگی۔ آپ کی کامیابی اس میں ہوگی کہ یہ کتاب لوگوں کے درمیان غیر مقبول ہو کر رہ جائے۔ کوئی اس کو حاصل کر کے پڑھنے کی ضرورت نہ سمجھے۔

یہ مقصد سب سے زیادہ خاموشی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر آپ اس کتاب کے خلاف شور و غل کریں تو اس کا اشتہار ہوگا۔ لوگ غیر ضروری طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر آپ اس کی طرف سے خاموشی اختیار کر لیں تو اس کو شہرت حاصل نہ ہو سکے گی۔ اس کی کتاب اپنے آپ مر جائے گی"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص١٨٠، از وحید الدین خاں)

کاروانوں کو لوٹنے کے لیے
رہزنوں نے دیے جلائے ہیں

(مولف)

○ "ایک شخص آپ کے اوپر کیچڑ پھینکتا ہے، آپ کے گھر میں گندگی ڈال دیتا

ہے۔ اب اگر آپ مشتعل ہو کر اس سے لڑنے لگیں تو آپ نے اس کے مقصد کو پورا کیا۔ آپ کی اشتعال انگیز کارروائی اس کو مزید موقع دے گی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے آپ کے خلاف مکمل فساد برپا کر دے گا۔ لیکن اگر آپ اس کی اشتعال انگیزی پر مشتعل نہ ہوں تو گویا آپ نے اس کے بم کو ناکارہ کر دیا"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص۱۷۹' از وحید الدین خاں)

حسین سانپ کے نقش و نگار خوب سہی
نگاہ زہر پہ رکھ خوشنما بدن پہ نہ جا

(مولف)

اور آخر میں بے شرمی کی تمام حدود پھلانگ کر وحید الدین خاں لکھتا ہے:

○ "اس طرح کے مواقع پر عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے مگر مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کسی قوم کے جذبات کا مجروح ہونا شریعت میں ہرگز معتبر نہیں۔ یہ شریعت کے حدود و تعزیرات کی کوئی دفعہ نہیں۔ اس قسم کی باتوں کا حوالہ دے کر کسی کو مارنا یا کسی کی جائیداد کو جلانا دہرا سرکشی ہی۔ یہ اسلام کی حدود و تعزیرات کی فہرست میں ایک نئے حکم کا اضافہ کرنا ہے جس کا کسی بھی شخص کو کوئی اختیار نہیں۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس قسم کی ناخوشگوار باتوں پر صبر کرتے ہوئے لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچائیں۔ اس کے سوا وہ جو کچھ بھی کریں گے' وہ صرف ان کے اپنے جرم میں اضافہ کرنے والا ثابت ہو گا نہ کہ دوسروں کے حق میں اپنی اسلامی ذمہ داریوں کو ادا کرنا"۔

("شتم رسول کا مسئلہ" ص۲۶' از وحید الدین خاں)

ہلاکت آفریں ہے اس کی ہر بات
عبارت کیا' اشارت کیا' ادا کیا

(مولف)

اگر وحید الدین خاں پہلے زمانوں میں ہوتا----

تو وہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتا کہ مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر روانہ نہ کیجئے بلکہ "لیکچر" روانہ کیجئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ ماننے والے منافق کو قتل کرنے سے روکتا اور انہیں کہتا کہ اسے میٹھا میٹھا واعظ سنایئے۔ وہ معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ سے کہتا کہ ابوجہل "بزرگ" ہے اور تم بچے ہو۔ لہٰذا بزرگ کو قتل نہ کرو بلکہ ادب کے لہجے میں اسے دعوت دو۔ وہ حضرت خالد بن ولید سے کہتا کہ جنگ یمامہ میں مرتدین کو قتل نہ کرو بلکہ ان کے لیے درس و تدریس کا انتظام کرو۔ وہ حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ سے کہتا کہ مدعی نبوت اسود عنسی کو قتل نہ کرو بلکہ اسے نصیحت کی لوریاں دو۔ وہ سلطان نور الدین زنگی سے کہتا کہ روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرنگ لگانے والے سفاک کافروں کو قتل نہ کرو بلکہ ان کی خدمت میں واعظ و تلقین کے گجرے پیش کرو۔ وہ صلاح الدین ایوبی سے شمشیر جہاد چھین لیتا اور قرآن و صلیب میں صلح کرانے کی کوشش کرتا۔ وہ محمد بن قاسم کو مشورہ دیتا کہ راجہ داہر کو برداشت کرو----- وہ سلطان محمود غزنوی کو سومنات پر حملہ نہ کرنے کے بارے میں خطوط لکھتا---- وہ طارق بن زیاد سے کہتا کہ کشتیاں نہ جلاؤ بلکہ انہیں کشتیوں میں عیسائیوں کے ساتھ بیٹھ کر دریا کی سیر کرو۔ تم قرآن پڑھو اور وہ انجیل پڑھیں۔ وہ سلطان شہاب الدین غوری اور پرتھوی راج کو کسی ڈنر پہ اکٹھا کرتا اور کفر و اسلام کے درمیان پیمان محبت باندھتا۔ وہ غازی علم الدین شہید اور راجپال کو انارکلی کے کسی ہوٹل میں کھانا کھلاتا اور غازی علم الدین سے کہتا کہ راج پال کو برداشت کرو کیونکہ صبر پہ بڑا اجر ہے۔

اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلوار چمکتی اور وحید الدین کا سر گیند کی طرح لڑھکتا ہوا نالی میں جا گرتا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کوڑا لہراتا اور وحید الدین کے گوشت و خون کو چاٹ جاتا۔ معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی چھوٹی تلواریں وحید الدین کے منہ کی طرف لپکتیں اور ابوجہل کے ساتھ اس کا لاشہ پڑا ہوتا۔ خالد بن ولید کی شمشیر اک رقص کرتی اور وحید الدین خاک و خون میں تڑپ رہا ہوتا۔ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کی تلوار وحید الدین کو ٹکڑوں میں بانٹ دیتی۔ سلطان نور الدین زنگی کا حکم ہوتا اور وحید الدین کی نجس لاش بھی سفاک مجرموں کے ساتھ پڑی ہوتی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وحید الدین کو قبر میں اتار دیتا اور اس کی قبر پہ صلیب لگا دیتا۔ محمد بن قاسم اسے سولی چڑھا دیتا اور چیلوں اور گدھوں کو اس کا گوشت کھلا دیتا۔ سلطان محمود غزنوی اس کا نجس خون سومنات کے سب سے بڑے بت پہ چھڑک دیتا۔ طارق بن زیاد کشتیوں کے ساتھ اسے بھی جلا دیتا۔ شہاب الدین غوری اس کا بند بند کاٹ کر اس کی موت کا رقص دیکھتا اور پھر اسے پرتھوی راج کی لاش پر رکھ دیتا۔ غازی علم الدین شہید راجپال کے ساتھ وحید الدین کو بھی چیر پھاڑ دیتا اور راجپال کی چتا میں وحید

اگر وحید الدین خاں پہلے زمانوں میں ہوتا-----

تو وہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتا کہ مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر روانہ نہ کیجئے بلکہ "لیکچر" روانہ کیجئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ ماننے والے منافق کو قتل کرنے سے روکتا اور انہیں کہتا کہ اسے میٹھا میٹھا واعظ سنایئے۔ وہ معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ سے کہتا کہ ابوجہل "بزرگ" ہے اور تم بچے ہو۔ لہٰذا بزرگ کو قتل نہ کرو بلکہ ادب کے لہجے میں اسے دعوت دو۔ وہ حضرت خالد بن ولید سے کہتا کہ جنگ یمامہ میں مرتدین کو قتل نہ کرو بلکہ ان کے لیے درس و تدریس کا انتظام کرو۔ وہ حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ سے کہتا کہ مدعی نبوت اسود عنسی کو قتل نہ کرو بلکہ اسے نصیحت کی لوریاں دو۔ وہ سلطان نور الدین زنگی سے کہتا کہ روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرنگ لگانے والے سفاک کافروں کو قتل نہ کرو بلکہ ان کی خدمت میں واعظ و تلقین کے گجرے پیش کرو۔ وہ صلاح الدین ایوبی سے شمشیر جہاد چھین لیتا اور قرآن و صلیب میں صلح کرانے کی کوشش کرتا۔ وہ محمد بن قاسم کو مشورہ دیتا کہ راجہ داہر کو برداشت کرو-----وہ سلطان محمود غزنویؒ کو سومنات پر حملہ نہ کرنے کے بارے میں خطوط لکھتا-----وہ طارق بن زیاد سے کہتا کہ کشتیاں نہ جلاؤ بلکہ انہیں کشتیوں میں عیسائیوں کے ساتھ بیٹھ کر دریا کی سیر کرو۔ تم قرآن پڑھو اور وہ انجیل پڑھیں۔ وہ سلطان شہاب الدین غوری اور پرتھوی راج کو کسی ڈنر پہ اکٹھا کرتا اور کفر و اسلام کے درمیان پیمان محبت باندھتا۔ وہ غازی علم الدین شہید اور راجپال کو انار کلی کے کسی ہوٹل میں کھانا کھلاتا اور غازی علم الدین سے کہتا کہ راج پال کو برداشت کرو کیونکہ صبر پہ بڑا اجر ہے۔

اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلوار چمکتی اور وحید الدین کا سر گیند کی طرح لڑھکتا ہوا نالی میں جا گرتا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کوڑا لہراتا اور وحید الدین کے گوشت و خون کو چاٹ جاتا۔ معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی چھوٹی تلواریں وحید الدین کے منہ کی طرف لپکتیں اور ابوجہل کے ساتھ اس کا لاشہ پڑا ہوتا۔ خالد بن ولید کی شمشیر اک رقص کرتی اور وحید الدین خاک و خون میں تڑپ رہا ہوتا۔ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کی تلوار وحید الدین کو ٹکڑوں میں بانٹ دیتی۔ سلطان نور الدین زنگی کا حکم ہوتا اور وحید الدین کی نجس لاش بھی سفاک مجرموں کے ساتھ پڑی ہوتی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وحید الدین کو قبر میں اتار دیتا اور اس کی قبر پہ صلیب لگا دیتا۔ محمد بن قاسم اسے سولی چڑھا دیتا اور چیلوں اور گدھوں کو اس کا گوشت کھلا دیتا۔ سلطان محمود غزنوی اس کا نجس خون سومنات کے سب سے بڑے بت پہ چھڑک دیتا۔ طارق بن زیاد کشتیوں کے ساتھ اسے بھی جلا دیتا۔ شہاب الدین غوری اس کا بند بند کاٹ کر اس کی موت کا رقص دیکھتا اور پھر اسے پرتھوی راج کی لاش پر رکھ دیتا۔ غازی علم الدین شہید راجپال کے ساتھ وحید الدین کو بھی چیر پھاڑ دیتا اور راجپال کی چتا میں وحید

الدین کی لاش بھی جل رہی ہوتی۔

میرے پیارے نبی ﷺ کے پیارے امتیو! بین الاقوامی شاتمان رسول کی کمیٹی نے "وحید الدین خاں" کی صورت میں ناموس رسول ﷺ پر ایک نیا خطرناک حملہ کیا ہے---- تاکہ------

- ہمارے آقا ﷺ سے ہمارا تعلق کمزور کیا جاسکے۔
- ہمارے آقا ﷺ سے ہمارا تعلق توڑا جاسکے۔
- ہمارے دلوں کی وادیوں میں لہراتے ہوئے عظمت رسول ﷺ کے پرچم کو سرنگوں کیا جاسکے۔

اس کام کے لیے بھارتی مصنف وحید الدین خاں کی کتب کو شائع کر کے پوری دنیا بالخصوص پاکستان میں تقسیم کیا جارہا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ فتنہ وحید الدین کے خلاف آواز جہاد بلند کرے اور پاکستان میں اس کی کتابوں پر پابندی لگوائے۔

صدائے حق کی جرات سے تو زندہ کر زمانے کو
کہ تیرے ساتھ دنیا میں ہزاروں دل دھڑکتے ہیں

وحید الدین! تو ملت اسلامیہ کو بے غیرت بنانا چاہتا ہے۔
تو قوم رسول ﷺ ہاشمی کو بے حمیتی کے سانچوں میں ڈھالنا چاہتا ہے
تو عشق نبی ﷺ میں دھڑکتے ہوئے دلوں کو بے آواز کرنا چاہتا ہے
تو امت محمدیہ ﷺ کی رگوں سے عشق محمد ﷺ کا خون نچوڑنا چاہتا ہے
تو دنیا میں مسلمانوں کو بے حسی کے مجسمے بنانا چاہتا ہے
تو دنیا میں توہین رسالت ﷺ کو عام کرنا چاہتا ہے
تو شاتمان رسول کو حوصلے عطا کر رہا ہے
تو محافظان ناموس رسالت ﷺ کو غفلت اور نیند کا درس دے رہا ہے

لیکن وحید الدین! مسلمان ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ نبی کے دیوانے ابھی زندہ ہیں---- ہماری تاریخ بڑی درخشاں ہے۔ عشق نبی ﷺ ہماری حیات ہے۔ عشق نبی ﷺ ہماری کائنات ہے--- عشق نبی ﷺ ہماری آنکھوں کا نور ہے--- عشق نبی ﷺ ہمارے دل کا سرور ہے---- عشق نبی ہماری قبر کی ضیاء ہے---- عشق نبی ہماری جنت کی بہار ہے اور ہمارا سب کچھ نام محمد ﷺ پہ نثار ہے۔

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اس میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمد ﷺ کی محبت' آن ملت شان ملت ہے
محمد ﷺ کی محبت روح ملت جان ملت ہے
محمد ﷺ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیاوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمد ﷺ ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر' مادر' برادر' مال' جان اولاد سے پیارا

اور

نماز اچھی' حج اچھا' روزہ اچھا' زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

تنویر قیصر شاہد

حرمت رسول ﷺ پر کٹ مرنا اور گستاخان رسول ﷺ کو جہنم واصل کرنے کی تمنا کو مسلمانان عالم اپنے ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں۔ چشم عالم نے یہ منظر بارہا دیکھا ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں نے ہمیشہ اور بروقت اس تمنا اور خواہش کو ایمان کی مبادیات سمجھتے ہوئے عمل کا جامہ پہنایا اور سرخرو ہوئے۔ آج جبکہ مملکت خداداد میں گستاخ رسول ﷺ کو سزائے موت دینے کا قانون منظور ہو چکا ہے اور ساہیوال جیل میں ایک ملزم ایوب مسیح کے خلاف ایسے ہی مقدمے کے تحت سزائے موت کا فیصلہ سامنے آ چکا ہے' مسلمانوں کے اندر ہی سے ایک گروہ ایسا اٹھا ہے جو اس فکر کا داعی اور مبلغ ہے کہ اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات' ان کے عظیم کردار اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر کیچڑ اچھالتا ہے' زبان طعن دراز کرتا ہے' گند اچھالنے کی دانستہ کوشش کرتا ہے' اسے یہ گندی حرکتیں کرنے اور ایسے ناپاک اقدامات کی کھلی اجازت ہونی چاہیے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے دینی جذبات اور محبت رسول ﷺ کی اتباع میں گستاخان رسول ﷺ کی سرکوبی کے لیے باہر نکلتا ہے' اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا شخص انارکسٹ ہے' فسادی ہے اور انسان کے بنیادی حقوق کو پامال کرنے والا ہے۔ گستاخی رسول ﷺ کو بنیادی انسانی حقوق کا جزو قرار دینے اور گستاخان رسول ﷺ کو تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ کرنے والے اس گروہ کے سرخیل اور سردار کا نام مولانا وحید الدین خان ہے۔

مولانا وحید الدین خان کا تعلق بھارت سے ہے۔ وہ کانگریس اور اندرا گاندھی خاندان کے قریبی دوست خیال کیے جاتے ہیں۔ وہ اپنی طرز کے منفرد محقق ہیں۔ ان کی مخصوص تحقیق نے انہیں یہ راہ دکھائی کہ اعراض کی پالیسی اختیار کی جائے اور بھارت بھر میں اس فکر اور سوچ کو فروغ دیا جائے کہ انڈیا میں جتنے بھی ہندو مسلم فسادات معرض عمل میں آتے ہیں یا بابری مسجد کی

شہادت ایسا سانحہ جنم لیتا ہے تو اس کی ساری ذمہ داری بھارت کے مسلمانوں پر تھوپی جائے۔
مولانا وحید الدین خان قرآن کریم کے مفسر بھی ہیں۔ ان کی تفسیر "تذکیر القرآن" بہت سے نئے مباحث کا باعث بنی ہے۔ مجھے متعدد بار ان سے ملنے اور مکالمہ کرنے کے مواقع میسر آئے ہیں۔ اپنے افکار اور نظریات کا تعارف کرواتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں---- "میں نے اسلام کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ جدید علوم کو اس کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد میں نے عصری تقاضوں کے تحت ایسا اسلامی لٹریچر تیار کرنا شروع کیا جو آج کے انسان کے ذہن پر اسلام کی عظمت قائم کر سکے"۔

مولانا موصوف آج کے انسان کے ذہن پر "اسلام کی عظمت" کس طرح قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان سطور میں ہم اسی بات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ مولانا وحید الدین خاں اپنی تحریروں میں واضح طور پر محبت رسول ﷺ کو لغو اور بھونڈا قرار دیتے ہیں۔ ان کا ارشاد گرامی ہے---- "سلمان رشدی ایسے لوگوں کے خلاف جن لوگوں نے مہم شروع کی' یہ مہم سارے عالم اسلام کی نہیں تھی اور نہ ہے۔ یہ ایک محدود اقلیت کی مہم کا شاخسانہ ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکے دار سمجھ لیا ہے۔ یہ ہندوستان اور پاکستان کے اردو خواں مسلمان ہیں جنہوں نے اسلام کے معاملے میں پرشور حصہ لیا۔ اصل میں اسلام کے دونوں بڑے فرقوں نے اسلام کو ساری دنیا میں بدنام کر دیا ہے"۔

آیت اللہ خمینی کو جنہوں نے سلمان رشدی کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا اور وہ سب لوگ جو سلمان رشدی کی قبیل کے افراد کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں' مولانا وحید الدین خاں کے نزدیک گمراہ اور باطل ہیں۔ مولانا صاحب لکھتے ہیں---- "آیت اللہ خمینی کو اسلامی معاملے میں سنجیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ آیت اللہ خمینی اور ان کے ہم نوا علماء' اسلام کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں" شاتم رسول ﷺ کے خلاف اقدام کرنے والے جمہور مسلمانوں کو مولانا وحید الدین خاں گمراہ' جاہل اور تخریب کار قرار دیتے ہیں۔ وہ ان کوششوں کو نام نہاد اسلامی جذبے سے معنون کرتے ہیں اور پھر ایک مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں--- "سوامی شردھانند ہندوستان میں شدھی تحریک کے بانی تھے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "رنگیلا رسول" تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس کتاب کے خلاف زبردست احتجاج کیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ کتاب پیغمبر اسلام کی شان اور عظمت کے خلاف نہایت توہین آمیز تھی۔ آخرکار یہ واقعہ پیش آیا کہ ۱۹۲۶ء کی آخری تاریخوں میں ایک مسلم نوجوان نے سوامی شردھانند کو قتل کر دیا' اس نوجوان کا نام عبدالرشید تھا۔ اس کی ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خوشی خوشی اس کی اجازت دے دی تھی کہ وہ ناموس رسول

ﷺ کی حفاظت کے لیے قربان ہو جائے۔ میں واضح لفظوں میں کہتا ہوں کہ یہ قربانی نہیں ہے بلکہ نادانی ہے۔ اس کا تعلق نہ عقل سے ہے' نہ ہی اسلام سے"۔

سلمان رشدی نے "شیطانی آیات" اور سوامی شردھانند نے "رنگیلا رسول" لکھ کر ملت اسلامیہ کے ہر غیرت مند فرد کا دل دکھایا ہے۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جنہیں کوئی بھی ایمان والا ٹھنڈے دل و دماغ سے نہیں پڑھ سکتا۔ مگر مولانا وحید صاحب کا فتویٰ ہے کہ وہ سب علمائے دین' عاشقان رسول ﷺ اور فقہاء جنہوں نے سلمان رشدی' راجپال اور سوامی شردھانند ایسے شاتمان رسول ﷺ کے خلاف کسی بھی عمل اور فکری جدوجہد میں حصہ لیا' ان سب نے فکری دھاندلی اور ذہنی کج روی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ وہ اینٹی رشدی ایجی ٹیشن ایسے اقدامات اور "ناموس رسول ﷺ پر حملہ" اور "رسول ﷺ کی شان میں گستاخی" جیسے الفاظ کو لغو' بے ہودہ اور غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی ذات بابرکات پر کیچڑ اچھالنے والوں کے خلاف قدم اور قلم اٹھانے والے مسلمان' مولانا وحید الدین صاحب کے نزدیک سرکش اور اودھم باز ٹھہرتے ہیں۔ مولانا موصوف اپنی تحقیقی جسارتوں میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر وہ مسلمان بے ہودہ اور جاہل ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کو شہنشاہ کونین سرور کائنات اور فخر موجودات کے اسمائے گرامی سے یاد کرتا' لکھتا اور پکارتا ہے۔ ایک جگہ انہوں نے لکھا.... "موجودہ مسلمانوں نے آپ ﷺ کی ذات کا اصل پہلو آپ ﷺ کا "اعظم" ہونا قرار دے لیا ہے۔ یہی انحراف ساری خرابیوں کی جڑ ہے"۔

گویا ملت اسلامیہ میں حضور ﷺ کا نام لینے والے اگر آج ہی سے (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کے مقام کو اس سے کم سمجھنا شروع کر دیں تو مولانا وحید الدین خاں کے نزدیک مسلمانوں کی جملہ خرابیاں درست ہو سکتی ہیں اور وہ عظمت اور ترقی کے ایک نئے راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں اور سرخروئی کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں۔ سوال کیا جاتا ہے کہ مولانا وحید الدین خاں فتنہ پروری کے اس نئے بیج کی کاشت اور اپنی "تحقیق" کی بنیاد پر نئی فکر کی مسلسل آبیاری سے کس کی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ کن لوگوں کے مقاصد کی تکمیل میں مدد فراہم کر رہے ہیں؟

علامہ اقبال" اور قائداعظم" کے مقابلے میں نہرو' گاندھی اور سردار ولبھ بھائی پٹیل ایسے متعصب ہندوؤں کو "عظیم" لیڈر ثابت کرنے اور تشکیل پاکستان کے مقابل اکھنڈ بھارت کی تبلیغ کرنے والے مولانا وحید الدین خان بڑے تیقن کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں کہ پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی معتبر روایت ایسی موجود نہیں ہے جس کی عبارت میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ رسول ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کرو اور اسے پھانسی کی سزا دے دو۔ شاتمان رسول کو کھلی

چھٹی اور انہیں دریدہ دہنی کی اجازت دینے کے حوالے سے مولانا عجب انداز کا استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں----- "سب و شتم کے جرم کا تعلق یکساں طور پر تمام پیغمبروں سے ہے اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اشارہ اور کنایہ کے درجہ میں بھی اگر کسی کے کلام سے کسی پیغمبر کی تحقیر ظاہر ہو تو وہ شاتم رسول قرار پاتا ہے۔ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو کتنے ہی صلحاء اور علماء بھی اسی مسند میں کھڑے کرنے پڑیں گے"۔

مولانا وحید الدین خاں تاریخ کی گہرائیوں میں ڈبکی لگاتے ہوئے دور کی یہ کوڑی لاتے ہیں کہ دانتے، تھیوفین، ابن اسحاق الکندی، ایولوگیس، ایڈورڈ پاک، ولیم آف ٹریپولی، جوزف وائٹ سائمن اوکلے اور والتیئر آج کے مسلمانوں کے پیمانے کے لحاظ سے سوامی شردھانند، راجپال اور سلمان رشدی سے بڑے شاتمان رسول تھے۔ پھر آخر ان لوگوں کے بارے میں فتویٰ دینے والے حضرات کیوں خاموش ہیں؟ مولانا صاحب نے مذکورہ بالا مغربی لکھاریوں کے وہ جملے بھی لکھ دیئے ہیں جو کوئی بھی غیرت مند مسلمان حضور ﷺ کے بارے میں نہ تو لکھ سکتا ہے اور نہ ہی پڑھنے کی ہمت رکھتا ہے۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب ایسی حرکتیں مدت دراز سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہ یہ حرکات کرنے پر خود کو کیوں مجبور پاتے ہیں، اس کا جواب پاکستان اور بھارت میں بسنے والے جملہ علمائے دین کے پاس شاید نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سوال کا شافی جواب مولانا جاوید احمد غامدی صاحب کے پاس ہے۔ حضرت مولانا جاوید غامدی صاحب کے چند ایک شاگردان عزیز لاہور میں بیٹھ کر نہ صرف مولانا وحید کی کتابیں شائع کر کے ان کی فکر کی اشاعت میں معاونت کر رہے ہیں، بلکہ یہی لوگ مولانا وحید الدین خان کا ایک ماہنامہ "الرسالہ" بھی باقاعدگی سے شائع کر رہے ہیں جس میں پاکستان کے خلاف انتہائی زہریلا مواد شامل ہوتا ہے۔

وحید الدین خاں، ایک اسلام دشمن شخصیت

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی الازہری

شرار بولہبی ازل سے تاامروز چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار رہا ہے۔ بالخصوص ۱۸۵۷ء کے سیاسی زوال کے بعد اسلام دشمن طاقتوں نے جب دیکھا کہ مسلمان سراسر راکھ ہونے کے باوجود ابھی تک پر حرارت ہے اور خدشہ ہے کہ آئندہ کسی وقت بھی اس حرارت کے شعلہ سامان ہو جانے کا احتمال ہے تو اس نے ایک بھیانک منصوبہ بنایا کہ مسلمان کی پھڑکنے والی تمام رگوں کو مضبوط گرفت میں لانا چاہیے۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف ادوار میں اپنی سرپرستی میں ایسے شوریدہ سر، مجہول مطلق، مغضوب قدرت اور ملعون خلقت اشخاص کو تیار کیا جو حضور نبی کریم علیہ السلام کی توہین و تنقیص کریں۔ تحقیق کے نام پر اپنی کتابوں میں زہرافشانی کریں۔ دانش کے نام پر بیکڑ ماریں۔ مغرب کی نقالی میں بے اصل روایات کا سہارا لے کر مسلمانوں کے ذہن میں شکوک وشبہات کے زہر سے جراثیم داخل کریں۔ ان ستودہ شیطنیت اور ننگ انسانیت لوگوں میں مرزا غلام احمد قادیانی، راجپال اور سلمان رشدی شامل ہیں۔ اور اب ان رسوائے زمانہ "گستاخان رسول" کی فحش، اشتعال انگیز اور دائرہ تہذیب سے خارج تحریروں کے دفاع کے لیے اسلام دشمن قوتیں بھارتی نژاد مصنف وحید الدین خان کو میدان میں لائی ہیں۔ ان قوتوں کے زیر سایہ اس "ہنر مند" نے بڑا فروغ پایا بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اسلام دشمن قوتوں کے "تدبر" نے اس پودے کو بڑی حد تک سینچا۔ ان کی "دانش" کے سوتے، اسلام دشمن طاقتوں کے لٹریچر سے پھوٹتے ہیں۔ ان طاقتوں کا فرمایا ہوا ان کے لیے مستند ہے۔ خواہ یہ قرآن وسنت کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ یہی قوتیں ان کی فکری مائی باپ اور سرپرست ہیں۔ انہی اسلام دشمن قوتوں کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ "آزادی تقریر و تحریر" اور "حقوق انسانی" کے دلکش نعروں سے اسلام کی اخلاقی اقدار کو مسخ کر رہے ہیں۔

کسے خبر تھی لے کے چراغ مصطفوی

جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

حقیقت یہ ہے کہ اسلام دشمن قوتوں کے دستر خواں سے بچے کھچے ٹکڑوں پر پلنے اور مسلمانوں پر غرانے والے وحید الدین خان اسلام دشمن طاقتوں کے کھونٹے سے بندھ چکے ہیں۔ وہ آج کل مرزا قادیانی' سلمان رشدی' تسلیمہ نسرین وغیرہ کے دفاع میں سب سے پیش پیش ہیں۔ وہ توہین رسالت کے واقعات پر مسلمانوں کے رد عمل کو مجنونانہ فعل قرار دیتے ہیں' جو ان کی شقاوت قلبی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ اسلامی اقدار پر اٹکل پچو' پوچ اور لچر اعتراضات کرتے ہوئے مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے جس سے مسلمانوں کے دل پاش پاش ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو کم کیا جاسکے اور ان کی غیرت وحمیت کا جنازہ نکال دیا جائے۔

اے کشتہ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا؟

امت کا فرض ہے کہ اپنے نبی کی عزت وناموس کی حفاظت کرے جس طرح ایک بھائی اپنی بہن کی بے حرمتی پر خاموش رہے تو بے غیرت کہلاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی مسلمان اپنے نبی کی عزت کی حفاظت نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں کہلواتا۔

حضور نبی کریم ؐ کی شان میں ذرا سی لفظی گستاخی بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۴ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ادب واحترام کے متعلق ارشاد فرمایا:

"اے ایمان والو! "راعنا" نہ کہا کرو (بلکہ) کہو "انظرنا" اور غور سے سنا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

جہالت جدیدہ کے ترجمان وحید الدین خان نے دعوت اسلامی ایسے زہریلے درخت کی آبیاری شروع کی جو آریہ سماجیوں کی سرپرستی میں پھلا پھولا۔ اس درخت کا کڑوا پھل "شتم رسول کا مسئلہ" کی شکل میں بازار میں آیا۔

یہ کتاب دل آزاری' دروغ بیانی' تعصب وعناد' کذب ودروغ' دریدہ دہنی' ہفوات' احساس محرومی اور اندھے تعصب کا ایک مکمل نمونہ ہے' جس میں وہ پنڈت کالی چرن (وچترجیون) پنڈت چموپتی لال' راج پال' سلمان رشدی' تسلیمہ نسرین' سوامی دیانند سرسوتی (شدھی اور سنگھٹن کے بانی) اور مرزا قادیانی کے ہمنوا اور وکیل بن کر مولانا وحید الدین خان کی بجائے مہاشے پنڈت لالہ وحید الدین خان نظر آرہے ہیں۔ جس کتاب کو میڈونا جیسی خاتون ناپسندیدہ قرار دے' وحید الدین خان اسے "آزادی فکر" اور "حقوق انسانی" کے نام پر پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

وہ بے حیا تھا اس قدر میں شرمسار ہو گیا

وحید الدین خان کو اپنے مزخرفات کی حقیقت جہالت معلوم ہونی چاہیے کہ اختلاف رائے ہر شخص کا بنیادی حق ہے بشرطیکہ یہ دوسرے کے لیے باعث آزار نہ ہو۔

جناب جسٹس خلیل الرحمٰن خاں توہین رسالت کے ایک کیس میں اپنے ایک فیصلہ میں لکھتے ہیں:

انسانی حقوق کی وہ نام نہاد تنظیمیں عوام کی نمائندہ نہیں ہیں' جو یہ کہتی ہیں کہ رسول اکرم کے نام کی بے حرمتی کو قابل تعزیر جرم قرار دینا انسان حقوق کے خلاف ہے۔ ایسی صورت میں انہیں سب سے پہلے عیسائی ممالک میں آواز اٹھانی چاہیے۔ جہاں قانون عامہ کی رو سے کسی مذہب کی توہین کرنے کی صورت میں صرف عیسائیت پر حملہ کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے۔ فاضل وکیل نے اس سلسلے میں ہالسبری کی کتاب "Laws of England" (چوتھا ایڈیشن' جلد ۱۱ پیرا ۱۰۰۹) کا حوالہ دیا' جس میں لکھا ہے کہ:

"دین کی تکفیر قانون عامہ کے تحت قابل مواخذہ جرم ہے' جو صرف عیسائیوں کے مذہب پر حملہ کرنے والے الفاظ کی اشاعت پر مبنی ہو۔ عیسائیت کے علاوہ کسی مذہب پر حملہ کرنا تکفیر دین نہیں ہے۔"

("قادیانیوں کے خلاف اعلیٰ عدالتوں کے تاریخی فیصلے" از فیاض اختر ملک' ص ۸۰)

وحید الدین خان نے تذکرہ القرآن کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے جو اکاذیب' اباطیل اور تاویلات کا مجموعہ ہے۔ جس سے تفسیر قرآن (علامہ اقبال کے الفاظ میں) "پاژند" بن کر رہ گئی ہے۔ "تذکرہ القرآن" کے بعض مقامات پر قرآنی آیات کی خود ساختہ تشریح پڑھ کر بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے۔ جہالت کے بحر اوقیانوس کی تہہ میں چمکتا ہوا ہفت رنگ گوہر نامراد جاہل منشی وحید الدین خان اپنے بے مہار قلم سے انٹ شنٹ خیالات کے ذریعے قرآن و سنت کا تمسخر اڑاتا ہے۔ اور مختلف مسالک کے درمیان مناقشت کی وسیع خلیج پیدا کرتا ہے۔ وہ سفینہ ملت کے تختوں میں اپنی ذاتی انا' ہوس کاری اور مکاری سے چھیدے ڈالتا ہے اور بقول شاعر:

علم شے پر ہے جہل شے غالب
ہر اناڑی ہے اپنے فن کا امام

اور وحید الدین خان اس حقیقت پر سو فیصد پورے اترتے ہیں۔ وہ مطلق آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسی ناسخ آیات اور بے اصل اور بے بنیاد ضعیف احادیث ڈھونڈ کر لاتے ہیں

جو باطل نظریات کی تصدیق کرتی ہیں۔

وحید الدین خان اپنے رسالہ میں ایک جگہ اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

"جہاز میں ایک شخص نے میرے چہرے پر داڑھی اور پگڑی دیکھ کر کہا کہ کیا آپ سکھ ہیں:

Are you a Sikh?

میں نے کہا' میں مسلم ہوں۔ اگر وہ زیادہ غور کرتا تو ایسا سوال نہ کرتا۔ کیونکہ میری داڑھی سکھوں کی داڑھی سے مختلف تھی۔"

(ماہنامہ "الرسالہ" ص ۷' ستمبر ۱۹۹۷ء)

؎ ان میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہیں بدکام بھی ہیں

وحید الدین خان سلمان رشدی کے خلاف "مسلمانوں کے ردعمل" کے بارے میں لکھتے ہیں:

❑ "انہیں دعوت کش سرگرمیوں میں سے ایک سرگرمی وہ ہے جو "شتم رسول" کے خلاف مسلمان ہر جگہ جاری کیے ہوئے ہیں اور جس کا ایک نمایاں مظاہرہ سلمان رشدی کی کتاب (شیطانی آیات) کی اشاعت کے بعد ۱۹۸۹ء میں سامنے آیا ہے۔ اینٹی رشدی ایجی ٹیشن بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا۔" (ص نمبر ۲)

❑ "سلمان رشدی کے سلسلہ میں مسلم رہنماؤں کی طرف سے جو بیانات شائع ہوئے ہیں' ان میں عام طور پر "جہنم رسید" کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ ہر بیان باز لیڈر جوش و خروش کے ساتھ یہ اعلان کر رہا ہے کہ سلمان رشدی کے جرم کے نتیجہ میں اس کو جلد از جلد جہنم رسید کیا جائے۔

مسلم رہنماؤں کے یہ الفاظ سرکشی اور بغاوت کے ہم معنی ہیں کیونکہ جہنم رسید کرنے کا اختیار صرف خدا کو ہے نہ کہ کسی انسان کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے کافروں اور مشرکوں اور منافقوں نے آپ کے خلاف بدترین قسم کے جرائم کیے۔ مگر ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ بولیں کہ فلاں شخص کو قتل کر کے اس کو جہنم رسید کردو۔ ایسے الفاظ بولنا گویا اپنے آپ کو خدا کی سیٹ پر بٹھانا ہے۔ رشدی نے اگر پیغمبر کی ذات پر حملہ کیا ہے تو ایسے جملے خود خدا کی ذات پر حملہ کرنے کے ہم معنی ہے۔ اب ایسے لوگ خود یہ سوچیں کہ دونوں میں سے کون سا جرم زیادہ بڑا ہے۔" (ص ۱۳۴)

❑ "موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا عام خیال یہ ہوگیا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی یا اس کا استہزاء ایک ایسا جرم ہے جو علی الاطلاق طور پر مجرم کو واجب القتل بنا دیتا ہے۔ یعنی جیسے ہی کوئی شخص ایسے الفاظ بولے جو مسلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی نظر آئے' اس کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس قسم کا مطلق نظریہ شرعی اعتبار سے بے بنیاد ہے' اسلام میں اس کے لیے کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں۔" (ص ۱۵۲)

وحید الدین خان' غازی علم الدین شہیدؒ کی توہین و تضحیک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

❑ "اگر ناموس رسول کی حفاظت کا طریقہ یہی ہو جو غازی علم الدین شہیدؒ نے اختیار کیا تو یقیناً یہ مقصد حاصل نہیں ہوا' کیونکہ اس قتل کے بعد شردھانند نے اس ملک کی اکثریت کے درمیان قومی ہیرو کی حیثیت اختیار کر لی۔ ملک کی تاریخ میں ان کو "شہید" کا مقام دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا تو راجدھانی دہلی کے ممتاز مقام (چاندنی چوک) پر ان کا بلند و بالا مجسمہ (بر) شاہراہ پر نصب کر دیا گیا وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے کسی عمل کو ناموس رسول کے نام پر بے فائدہ جان دے دینا تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کو ناموس رسول کی حفاظت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ قربانی نہیں بلکہ نادانی ہے' جس کا تعلق نہ عقل سے ہے اور نہ اسلام سے۔" (ص ۷۱' ۷۲)

وہ مزید لکھتے ہیں:

❑ "ایک شخص جو پیغمبر اسلام کا مذاق اڑائے یا آپ پر اعتراض کرے' اس کی یہ سزا بالکل بے فائدہ ہے کہ اس کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ اس قسم کا قتل مقتول کی بات کو رد نہیں کرتا بلکہ لوگوں کا تاثر یہ ہو جاتا ہے کہ اس نے ایک طاقتور بات کہی تھی۔ چونکہ اس کی بات کا علمی رد ممکن نہ تھا۔ اس لیے مجنونوں نے اس کو مار کر اس کے وجود کو ختم کر دیا۔" (ص ۷۷)

❑ "واقعہ یہ ہے کہ سب و شتم اپنی حقیقت کے اعتبار سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر ایک اعتراض ہے اور جو شخص اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراض کرے' اس کی زیادہ بڑی سزا یہ ہے کہ اس کی بات کو دلیل کے ذریعہ رد کر دیا جائے۔ اس کو گولی مارنا اگر اس کا جسمانی قتل ہے تو اس کے اعتراض کو رد کرنا اس کا ذہنی قتل۔ اور جسمانی قتل کے مقابلہ میں ذہنی قتل بلاشبہ زیادہ سخت ہے' اور زیادہ کارگر بھی۔" (ص ۷۸)

❑ "انگلینڈ میں قدیم زمانہ سے ایک قانون ہے جو مذہبی بے حرمتی (Blasphemy) سے

تعلق رکھتا ہے۔ یہ قانون سترہویں صدی میں بنایا گیا۔ عیسائیت (اینگلیکن چرچ کی تشریح کے مطابق) انگلینڈ کا سرکاری مذہب ہے۔ اس قانون سازی کی وجہ بنیادی طور پر یہ تھی کہ یہ سمجھا گیا کہ مذہب پر حملہ لازمی طور پر خود ریاست پر حملہ ہے:

An Attack on religion is necessarily an attack on the state. (11 75)

موجودہ حالت میں اس قانون کا تعلق صرف عیسائی مذہب سے ہے۔ برطانیہ کے مسلمان (زیادہ صحیح الفاظ میں 'برطانیہ میں مقیم کچھ ہندوستانی مسلمان) وہاں یہ مہم چلا رہے ہیں کہ مذکورہ قانون میں وسعت پیدا کر کے اس کو مسلم مذہب تک وسیع کیا جائے۔ تاکہ اس کے تحت سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف عدالت میں مقدمہ چلایا جاسکے۔

میرے نزدیک یہ مطالبہ بالکل لغو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف جھوٹی لیڈری ہے۔ ورنہ خود مطالبہ کرنے والے بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ موجودہ حالات میں اس طرح کے قوانین کا عملی طور پر مطلق کوئی فائدہ نہیں۔" (ص ۸۳)

وحید الدین خان نبی کریمؐ کے بارے میں اپنے بغض و عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا اصل پہلو آپ کا "اسوہ" ہونا بتایا گیا ہے مگر موجودہ زمانہ کے مسلمانوں نے آپ کی ذات کا اصل پہلو آپ کا "اعظم" ہونا قرار دے لیا ہے۔ یہی انحراف ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ رسول کو اگر آپ اسوہ اور نمونہ سمجھیں تو اس سے پیروی کا ذہن پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بجائے اگر آپ رسول کو اعظم و اکبر سمجھیں تو اس سے فخر کا ذہن ابھرے گا۔" (ص ۹۴)

گستاخ رسولؐ کی سزا قتل نہیں؟

❑ "یہ مسئلہ دین میں ایک ایسا اضافہ ہے جس کے لیے نہ قرآن و حدیث میں کوئی صریح نص موجود ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس کی تصدیق ملتی ہے۔ مزید یہ کہ اس مسئلہ کو بجنسہ ماننے کی صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ پوری اسلامی تاریخ میں تمام علماء اور سلاطین مسلسل اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ خلاف ورزی کرنے

والوں کو اس کی لمبی فہرست میں 'نعوذ باللہ' خود رسول اور اصحاب رسول بھی شامل ہیں۔(ص نمبر ۱۳۰)

ڈاکٹر مظفر حسن ملک "سلمان رشدی کی شیطانی حرکات اور اس پر رد عمل" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"انسانی نفسیات کا خاصہ یہ ہے کہ ہر شخص زیادہ سے زیادہ افراد کی توجہ اپنی طرف منعطف کرا کے خوش ہوتا ہے۔ اس عمل سے جو اسے قلبی سکون ملتا ہے' وہ اسے مزید عمل کی راہ میں گامزن کرتا ہے' جیسا کہ مرزا غالب نے کہا تھا۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

جو لوگ ذہنی طور پر بالغ ہو چکے ہیں' وہ بچوں کی طرح رو کر یا مزاحیہ حرکات کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرتے بلکہ صحیح معنوں میں کوئی کارنامہ انجام دے کر داد تحسین وصول کرتے ہیں مگر ایسے لوگ جو نفسیاتی طور پر غیر معتدل اور غیر متوازن ہوتے ہیں۔ وہ بعض غلط ذرائع سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ خدا' رسول صلی اللہ علیہ وسلم 'اہل بیتؑ' اصحاب مکرمؓ اور دیگر دینی ہستیوں کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کوئی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور دانشور انسان ہیں اور لوگوں کو ان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بڑی شخصیتوں پر تنقید کر سکتے ہیں۔

سلمان رشدی بھی ایک ایسی ہی شخصیت ہے جو کسی نفسیاتی الجھن کا شکار ہے اور شہرت کے حصول کے لیے دامن یزداں کو چاک کرنے پر تیار نظر آتا ہے۔ اس کے جو حالات مختلف اخبارات و جرائد کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں' ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے کسی برطانوی خاتون سے عدالتی شادی کر رکھی ہے' جس کے لیے ضروری ہے کہ عدالت میں بیان حلفی داخل کیا جائے کہ زوجین کا کوئی مذہب نہیں' اس لیے وہ مذہبی شعائر کے تحت شادی کرنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا عدالت کے روبرو وہ ایک دوسرے سے شادی کے بندھن میں بندھ جانے کا اقرار کرتے ہیں گویا وہ دینی لحاظ سے اسلام کا انکار باضابطہ طور پر کر چکا ہے۔

قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

مذہب انسان کو روحانی سکون مہیا کرتا ہے اور اس سے انکار' اسے ایک ایسے ذہنی خلجان میں مبتلا کر دیتا ہے' جس میں سوائے چنگیزی اور ہوس کاری کے عذاب کے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

کیونکہ انسانی زندگی کے مقاصد معدوم ہو جاتے ہیں اور اس پر حیوانیت کے اوصاف کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان سوائے اس کے کچھ سوچ نہیں سکتا کہ ہر جائز و ناجائز ذرائع سے دولت' شہرت اور اقتدار حاصل کر سکے۔ اس کے اعمال میں نہ کوئی اصول باقی رہ جاتا ہے اور نہ کوئی اخلاقی معیار۔ اس کا ضمیر مردہ اور نفس امارہ طاقتور ہو کر اسے ایسے اعمال میں مبتلا کر دیتا ہے جن سے بنی نوع انسان کی دل آزاری ہو۔ یہی صورت سلمان رشدی کی ہے۔"

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۲۹ مارچ ۸۹ء)

"سلمان رشدی کا پہلا ناول ۱۹۷۵ء میں "Grimus" کے عنوان سے چھپا تو اسے خریداروں اور نقادوں نے مسترد کر دیا' لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ ۱۹۷۹ء میں اس کا دوسرا ناول طباعت کے لیے تیار تھا' جس پر اس نے کئی سال محنت کی تھی۔ یہ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ پاکستان' بھارت اور برطانیہ کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کتاب "Shame" اس نسل سے بحث کرتی ہے' جنہیں ہجرت کرنا پڑی۔ وہ خاندان جو جے جڑے نہ رہ سکے۔ رشدی نے پاکستان اور بھارت' دونوں کا مضحکہ اڑایا۔ اس کتاب میں اندرا گاندھی کا تذکرہ بھی تھا اور جیسا کہ رشدی کی خصوصیت ہے کہ وہ حال یا ماضی کے کسی کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی توہین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس نے اندرا گاندھی کی کردار کشی کی تھی۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے پبلشر اور مصنف کو ہرجانے کا نوٹس دیا۔ قانونی ماہرین نے ادارے کو بتایا کہ اندرا کا مقدمہ مضبوط ہے' چنانچہ انہوں نے کھلے عام معافی مانگی اور بھارتی وزیر اعظم کو ہرجانہ ادا کیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہرجانے کی رقم کیا تھی۔

سلمان کی تیسری کتاب "Midnight Children" تھی۔ یہ پاکستان کی ثقافتی' سیاسی اور مذہبی فضا کے حوالے سے لکھا جانے والا ناول ہے۔ وہی تمسخر آمیز انداز۔ اس ناول پر اسلامی ثقافت کا مذاق اڑانے والے رشدی کو بکر ایوارڈ ملا' جو برطانیہ کا سب سے بڑا ادبی انعام سمجھا جاتا ہے۔ رشدی کو اس کے ساتھ ۱۰ ہزار پاؤنڈ کی رقم بھی ملی لیکن اس کتاب کی اشاعت کے بعد اس کی اصل کامیابی یہ تھی کہ اب پنگوئن والے اسے بلا تکلف چھاپنے پر آمادہ تھے۔ انہوں نے "شیطانی ہفوات" کے لیے اس سے معاہدہ کر لیا اور اسے ساڑھے آٹھ لاکھ پاؤنڈ کی رقم ادا کی۔ اس عرصے میں ایک آسٹریلین ادیبہ روبین ڈیوڈسن سے مراسم استوار کرنے کے بعد اس سے علیحدگی اختیار کر چکا تھا۔ شہرت اور کامیابی کے میدان میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے ارد گرد کے کئی لوگوں سے نجات حاصل کر لی' جو اس کے لیے ادبی اداروں سے رابطہ رکھتے تھے۔ جلد ہی اس نے امریکی ادیبہ میری این ڈکنز سے شادی کر لی۔ وہ اب بھی ایک مضطرب اور بے

قرار آدمی تھا۔ ایک انٹرویو میں اس نے کہا "میرے اندر دو شخصیتیں کار فرما ہیں۔" اپنے ناول کے دو کرداروں کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے کہا "ان میں سے ایک جبریل کی طرح ہے اور دوسری صلاح الدین چمچے کی طرح' میں سڑک پر چلتے ہوئے جب کسی شخص کو اپنی طرف آتے دیکھتا ہوں تو اپنی ایک شخصیت کو چھپا لیتا ہوں۔"

شیطانی ہفوات

"رشدی ایک عرصے سے اپنے اہل خاندان' دوستوں اور بالخصوص اپنی ماں کو بتا رہا تھا کہ وہ ایک اچھوتے موضوع پر لکھ رہا ہے۔ مغرب میں جہاں کسی چونکا دینے والے موضوع کے پس منظر میں سماجی مسائل پر لکھنے کا اسلوب مقبول ہو چکا ہے' یہ کوئی عجیب بات نہیں لیکن کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ایک ایسے موضوع پر لکھے گا اور اس میں اتنی غیر ذمہ داری اور سفاکانہ گندگی برآمد آئے گا۔۔۔۔ اس کتاب کا عنوان ایک مضحکہ خیز روایت سے ماخوذ ہے۔ جب مکہ کے مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بہتان تراشا کہ انہوں نے سورہ نجم کی بعض آیات حذف کر دی ہیں۔ مشرکین کی گھڑی ہوئی کہانی کے مطابق حضورؐ نے یہ کہتے ہوئے یہ آیات حذف کی تھیں کہ یہ الفاظ شیطان کی مداخلت کے سبب ان کی زبان سے نکل گئے تھے۔

بعض عیسائی مصنفین کا نظریہ یہ ہے کہ پیغمبر بھی دوسرے جیسے عام لوگ ہوتے ہیں اور معصوم نہیں ہوتے۔ علماء کا کہنا ہے کہ لذت پرست معاشرے کے ادھورے دانشور بھدی زندگیوں کا جواز تلاش کرنے کے لیے یہ موقف اختیار کرتے ہیں۔ ایسی تحریریں ذہنی طور پر بیمار قارئین کی تسکین کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

سلمان رشدی کی کتاب کے مرکزی کردار دو بھارتی اداکار ہیں' جو ۳۰ ہزار فٹ کی بلندی پر تباہ ہونے والے ایک جمبو جیٹ سے برطانوی ساحلوں پر گرتے ہیں تو انہیں نئی زندگی مل جاتی ہے۔ ان میں سے جبریل بھارتی فلموں میں دیوتاؤں کا کردار ادا کرتا رہا ہے جبکہ صلاح الدین چمچہ ایک ثانوی (ایکسٹرا) اداکار ہے۔ اپنی نئی زندگی میں انہیں نئی شخصیتیں عطا ہوتی ہیں۔ صلاح الدین شیطان کا روپ دھار لیتا ہے۔

کتاب میں جاہلیہ کے نام سے ایک فرضی شہر دکھایا گیا ہے۔ یہ شہر اپنی عمارتوں اور ماحول میں مکہ کی طرح ہے' جہاں ایک شخص پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔۔۔۔ کتاب میں اس کردار کا نام موہنڈ (Mahound) رکھا گیا ہے۔ قرون وسطیٰ کے اسلام کی مزاحمت کرنے والے تاریک مغرب میں یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ نئی اور پرانی ڈکشنریوں

میں بھی یہ لفظ اسی حوالے سے درج ہے۔ یہ لفظ جو جادوگر کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے' نیم خواندہ اور مشرک مغرب کی اس نفسیات کی عکاسی کرتا ہے' جو اسلام سے خوف کی پیداوار تھی۔ کتاب میں کئی جلیل القدر پیغمبروں کا تذکرہ بازاری زبان میں کیا گیا ہے۔ وہ مکہ کے اس عہد کی تصویر دکھاتی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مثبت کردار ہیں۔ خود اپنے بارے میں وہ کہتا ہے "خدا نے میرے اندر خلا پیدا کر دیا ہے اور میں مذہب کی ان ہدایات سے یہ خلا پر نہیں کر سکتا جو حتمی نوعیت رکھتی ہیں' میں یہ خلا لٹریچر سے پر کرتا ہوں۔ میں لٹریچر سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنا کہ آپ میری کتاب جلانے والے اسلام سے۔ ادب ہی میں' میں انسانی معاشرے اور روح کے بلند ترین اور پست ترین مقامات تلاش کرتا ہوں۔ میں ادب میں نہ صرف مکمل صداقت بلکہ انسانی روح کی کہانی کی سچائی بھی ڈھونڈتا ہوں---- لہٰذا ایک اعتبار سے یہ عقائد کا تصادم ہے جس طرح میری کہانی کا کردار سلیمان موہند (محمدؐ) سے متصادم ہے۔"

انسانیت' روشن خیالی اور رواداری کے علمبردار مصنف کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کی کتاب سے انڈونیشیا سے لے کر امریکہ تک کروڑوں مسلمانوں کو اذیت پہنچی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پبلشر کو فی منٹ ۵۰ احتجاجی ٹیلی فون کالیں اور روزانہ ہزاروں ٹیلی گرام مل رہے ہیں۔ لیکن وہ اس کا حوالہ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ صرف چند انتہا پسند اور تقلید پرست مسلمان اس کے خلاف ہیں۔ وہ مکہ کو ایک قحبہ خانہ بنا کر پیش کرتا ہے اور اس پر ہرگز شرمندہ نہیں۔ اس نے پیغمبروں اور ان کے تربیت کردہ کرداروں کی توہین کی ہے لیکن وہ ان لوگوں کو قصوروار قرار دیتا ہے' جنہوں نے برطانیہ اور بھارت میں اس کے جواب میں پرامن اور پروقار مظاہرے کیے اور جن کا مطالبہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یہ کتاب مارکیٹ سے واپس لی جائے اور جن لوگوں کی دل آزاری کی گئی ہے' ان سے معذرت طلب کی جائے۔ وہ مسلمانوں سے اہل مغرب کے سے رویے کا مطالبہ کرتا ہے' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ناروا افعال منسوب کرنے پر بڑبڑانے کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ اس کی تمام تر قوت متخیلہ اور ذہانت اسے یہ بات سمجھانے میں ناکام رہتی ہے کہ مسلمان دوسروں سے مختلف ہیں اور وہ خواہ کتنے ہی بے عمل کیوں نہ ہو جائیں' اپنے عقائد اور محترم شخصیتوں کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ برطانوی ارکان پارلیمنٹ سے جو ملک کی مسلمان آبادی کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لیے ایک نیا قانون بنانے کی تیاریاں کر رہے ہیں' وہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تاریکی کی قوتوں کے سامنے نہ جھکیں---- اس کا رویہ یہ ہے کہ تمام تر شائستہ احتجاج کے باوجود وہ کتاب کی فروخت بڑھانے کے لیے امریکہ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

پینگوئن کا رویہ

"پینگوئن کے ادارتی مشیر' بھارتی صحافی' رکن پارلیمنٹ اور دانشور خوشونت سنگھ کے اس مشورے کے باوجود کہ کتاب شائع نہ کی جائے' پینگوئن نے اس کی اشاعت کیوں ضروری سمجھی-----؟ خوشونت سنگھ نے کہا تھا کہ اگر مصنف کے خیال میں بھارتی مسلمان اس کتاب کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرلیں تو وہ ان کے مزاج سے آشنا نہیں لیکن غالباً یہ مغرب کے اہل سیاست و دانش کا مسئلہ نہیں۔ان کے نزدیک فرد کی آزادی کا مفہوم کچھ اور ہے۔جیسا کہ احتجاجاً کتاب جلانے کے واقعہ کے بعد برطانیہ کے وزیر تعلیم مسٹر کینتھ بیکر نے ۳۰ جنوری ۱۹۸۹ء کے "ٹائمز" لندن میں لکھا کہ مسلمان سنسر کے بغیر سنسر لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ان کا دلچسپ استدلال یہ ہے کہ اگرچہ برطانوی قانون' ذہنی غلاظت پیدا کرنے والا فحش مواد شائع کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن لوگوں کو آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں' لکھیں۔وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کتاب سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی ہے۔کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کردار کو انصاف سے پیش نہیں کیا گیا۔وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت مسیح کے بارے میں اس انداز کی باتیں لکھی جاتی ہیں تو انہیں بھی سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک سچے عیسائی ہیں مگر اس کے باوجود وہ سنسر کے حق میں نہیں۔وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کتاب جلانے کی بجائے مصنف کے خلاف قرآن سے دلائل پیش کرنے چاہیں کیونکہ اس طرح تو الٹا مصنف کو فائدہ پہنچ رہا ہے' جس کی کتاب زیادہ بکنے لگی ہے۔مسٹر بیکر کا کہنا ہے کہ برطانیہ میں حضرت مسیح کے خلاف مواد کی اشاعت روکنے کا قانون موجود ہے۔لیکن اب یہ بیکار ہو چکا ہے۔کیونکہ اسے کبھی برتا ہی نہیں گیا۔

مسٹر بیکر کا استدلال ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی یاد دلاتا ہے' جو جدید برطانیہ کے ہیروز میں شامل ہیں۔وہ بہترین قوت فیصلہ اور انگریزی شان و شکوہ کے ساتھ برطانوی شائستگی کی ایک علامت سمجھے جاتے ہیں۔ان کی خوبصورت بیوی کئی سال نہرو سے معاشقہ کرتی رہی' ماؤنٹ بیٹن کو یہ سب کچھ معلوم تھا لیکن وہ نہرو اور اپنی بیوی کی راہ میں مزاحم نہ ہوئے-----مزاحمت کیا معنی' نہرو کے ساتھ ان کے مراسم حد درجہ خوشگوار تھے-----مسٹر بیکر شاید یہ بات کبھی نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی صورت حال میں ایک مسلمان کی حمیت کیا نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔

سلمان رشدی کو وائٹ بریڈ ۳۰۰۰ کا انعام یونہی نہیں ملا۔یہ اسے مسلمانان عالم کے سینے میں چھرا گھونپنے کا صلہ دیا گیا ہے۔" (ہفت روزہ "ندا" لاہور ۲۸ فروری ۱۹۸۹ء)

آج ہم ان کی کتاب شیطانی آیات کے کچھ حصوں کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔اس کا ترجمہ

کرتے ہوئے کیسی ذہنی اذیت ہو رہی ہے' اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کا ترجمہ یہاں پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ قارئین کو اندازہ ہو کہ "مہذب" مغرب' اسلام کے خلاف کیسی نیچی حرکتوں پر اتر آیا ہے۔

❑ "ابراہیم اس وادی میں حاجرہ اور اپنے بچے اسمٰعیل کے ساتھ آیا۔ اس بے آب و گیاہ وادی میں اس نے اسے (حاجرہ" چھوڑ دیا۔ حاجرہ نے پوچھا کیا یہ اللہ کی مرضی ہے؟ ہاں اس نے جواب دیا۔ ہاں! اور وہ حرامزادہ واپس چلا گیا۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۵۵)

❑ "پانی ڈھونے والا خالد' سلمان' جیسے نامانوس سے نام والا ایرانی کنگلا اور اس غلیظ مثلث کی تکمیل کے لیے غلام بلال بھی وہاں موجود تھا۔ اس بھارے سے کالے دیو کو موہاؤنڈ (Mohound) نے آزاد کیا تھا۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۱۰۱)

❑ "موہاؤنڈ کے تین حواری زم زم کے کنویں پر نہا دھو رہے تھے۔ وضو ہر وقت وضو' پاؤں گھٹنوں سے اوپر' کہنیوں سے نیچے' سر گردن تک' گردن کا مسح' انگلیوں کا خلال' گیلا سر' چھینٹے اڑتے' پانی بہاتے' نہاتے دھوتے اور نماز پڑھتے یہ کیسے مضحکہ خیز لگتے ہیں۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۳۶۳)

❑ "یثرب کے نخلستان میں نئے مذہب اسلام کے ماننے والے اپنے گھروں سے نکالے ہوئے تھے' لہٰذا بہت غریب تھے۔ وہ کئی سالوں تک ڈکیتی اور لوٹ مار پر گزر بسر کرتے رہے۔ موہاؤنڈ کے لیے انہیں روکنے کا وقت نہ تھا۔ سلمان نے بلال سے کہا کہ نتائج حاصل کرنے کے لیے ضمیر کی آواز پر کان مت دھرو۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۳۶۳)

❑ "یہ مومنین لاقانونیت کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر ان دنوں موہاؤنڈ یا سید الملائک جبرئیل بلکہ اللہ کو ضابطوں کا خبط ہو گیا تھا۔ جبرئیل رسول کے پاس آتے اور ضابطوں کی لڑی چھوڑ دیتے حتیٰ کہ مومنین کو بھی مزید وحی کی تاب نہ رہی۔ سلمان نے بتایا کہ ہر چیز کے لیے ضابطہ ہے۔ اگر ایک آدمی کی ریح خارج ہو تو اسے چاہیے کہ اپنا رخ ہوا کی طرف کر لے۔ آب دست کے لیے کون سا ہاتھ استعمال ہونا چاہیے۔" (نعوذ باللہ) (نسخہ ۳۶۳)

❑ "سید الملائک جبرئیل نے بتایا کہ مردہ کو کس طرح دفن کیا جائے؟ اور کس طرح میراث تقسیم ہو۔ ایرانی سلمان فکر میں پڑ گیا کہ اللہ کی جانب سے (تقسیم کا) یہ انداز تو تاجروں جیسا ہے۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۳۶۴)

❑ "سلمان نے کہا کہ فرشتہ ہمیشہ بروقت وحی لے کر آتا ہے۔ جب بھی مومنین موہاؤنڈ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ خواہ وہ خلائی سفر (معراج) سے متعلق ہو یا جہنم کے بارے میں۔

اسی لمحے فرشتے ایک جواب لے کر حاضر ہوتا ہے اور یہ وحی ہمیشہ موہاؤنڈ کی رائے کے حق میں ہوتی ہے۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۳۶۴)

❑ "خواتین کے معاملے اور شیطانی آیات نے سلمان کو موہاؤنڈ سے بالکل الگ کر دیا۔ سنو میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اپنی بیوی کے انتقال کے بعد موہاؤنڈ فرشتہ نہیں رہا تھا۔ تم میرا مطلب سمجھے؟ سلمان نے نشے میں چور لہجے میں کہا۔ لیکن یثرب میں برابر کی چوٹ رہی۔ وہاں کی عورتوں نے صرف ایک سال میں اس کی آدھی داڑھی سفید کر دی۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۳۶۶)

❑ "جیسے ہی جاہلیہ میں یہ خبر عام ہوئی کہ باپردہ طوائفوں نے موہاؤنڈ کی زوجیت اختیار کر لی ہے' شہر کے مردوں کے جذبات اپنے عروج کو پہنچ گئے۔ پندرہ سالہ طوائف عائشہ اپنے گاہکوں میں سب سے زیادہ مقبول تھی اور موہاؤنڈ کو بھی پیاری تھی۔" (نعوذ باللہ) (ص ۳۷۰)

❑ "سب سے بوڑھی اور موٹی طوائف کا نام سودہ تھا۔ جاہلیہ کے مردوں میں اس کے گاہکوں کی کمی نہ تھی۔ یہ لوگ اس کے پاس مادرانہ شفقت اور جمال کی وجہ سے آتے تھے۔ (سودہ) اپنے گاہکوں کو بتاتی کہ موہاؤنڈ نے اس سے اور عائشہ سے ایک ہی دن شادی کی تھی' جبکہ عائشہ اس وقت چھوٹی سی بچی تھی۔" (نعوذ باللہ) (ص ۳۷۴)

❑ "طوائف حفصہ اپنے نام کی طرح مزاج کی بہت تیز تھی----ان طوائفوں کی جتھہ بندی اور قحبہ خانے کی جوڑ توڑ یثرب کے سیاسی اسٹیج سے چھپی نہ رہی۔ مثال کے طور پر عائشہ اور حفصہ نے دو خود سر مغرور طوائفوں کے خلاف مشترکہ محاذ بنالیا۔ یہ دونوں' دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کے لیے مشہور تھیں اور ان کا انداز بے حد آمرانہ تھا۔ ایک تو مخذولی قبیلے کی ام سلمہ اور سب سے شاطر رملہ جو موہاؤنڈ کی نام نہاد گیارہویں بیوی تھی' ابوسمبل اور ہند کی بیٹی تھی۔ (نعوذ باللہ) (ص ۳۷۸)

❑ "اس کے علاوہ زینب بنت جحش اور جویریہ' جو جنگ میں پکڑی گئی تھیں' یہودنیں ریحانہ اور صفیہ اور میمونہ۔ ان طوائفوں میں سب سے زیادہ جاذب نظر اور حسین و جمیل ماریہ قبطیہ تھی۔ اسے سارے گر آتے تھے۔ اس نے عائشہ کو یہ ترکیبیں سکھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان طوائفوں میں سب سے مختلف زینب بنت خذیمہ تھی۔ موہاؤنڈ کی یہ بیوی حال ہی میں انتقال کر گئی۔" (نعوذ باللہ) (صفحہ ۳۸۲)

نعوذ باللہ۔ ثم نعوذ باللہ۔ کیا غلاظت کی یہ ٹوکری کسی بھی اعتبار سے ناول معلوم ہوتی ہے۔ کیا یہ سارے کردار فرضی ہیں؟ مسٹر رشدی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں کہیں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیا گیا' لیکن لفظ موہاؤنڈ کی بھی ایک تاریخی اہمیت ہے۔

جہاں یہ لفظ مسٹر رشدی کے لیے پردے کا سبب بنا ہے، وہیں اس سے قدیم اورینٹل تحریک کی یاد بھی تازہ ہو گئی ہے۔ یورپ کے اورینٹل مصنفین حضور اکرم ؐ کے ساتھیوں کے لیے موہاؤنڈ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس میں لفظ "مو" محمد کا مخفف ہے، جبکہ ہاؤنڈ جرمن کتے کی ایک نسل کا نام ہے۔ گویا صحابہ کرام ؓ کو "محمد ؐ کے کتے" کا خطاب دیا گیا۔

چاند کا تھوکا اپنے ہی منہ کی طرف واپس ہوتا ہے۔ لہٰذا ان حرکتوں سے حضور اکرم ؐ اور ان کے ساتھیوں کی توہین تو خیر کیا ہوتی، مغرب کا اپنا ہی چہرہ داغدار ہوا اور آج اسلام خود ان کے قلعوں میں انہیں شکست دے رہا ہے۔ امریکہ کے ہر شہر میں دل و دماغ فتح ہو رہے ہیں۔ رشدی کی کتاب کے خلاف تحریک کا آغاز بھی لندن اور امریکہ سے ہوا اور امریکی و یورپی مسلمانوں کی کوششوں سے پاکستان، ہندوستان، ایران، خلیج کی ریاستوں نے کتاب پر پابندی لگا دی۔ (ہفت روزہ "تکبیر" کراچی، ۹/ فروری ۱۹۸۹ء)

خود وحید الدین خان اعتراف کرتے ہیں کہ:

❑ "سلمان رشدی نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک توہین آمیز نام محاوئڈ (Mahoubd) استعمال کیا ہے۔ یہ نام بلاشبہ اشتعال انگیز حد تک لغو ہے۔ انگریزی میں ہاؤنڈ کا لفظ کتے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ "م" انگریزی لفظ مائی (my) کا مخفف ہے۔ اس طرح محاوئڈ کا دوسرا مطلب (نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نباشد) ہے۔ میرا کتا۔" (ص نمبر ۳۵ تا ۳۶)

❑ "سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں ایک اور نہایت بے ہودہ حرکت یہ کی ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ کو نعوذ باللہ ایک بدکردار خاتون کے روپ میں دکھایا ہے۔ یہ بلاشبہ اشتعال انگیز حد تک ایک بے ہودہ بات ہے۔ کوئی مسلمان کتاب کے اس حصہ کو ٹھنڈے ذہن کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔" (ص نمبر ۵۲)

یہاں تک تو پہنچے، یہاں تک تو آئے

دنیا کے بڑے بڑے شیطان گزرے، رسوائے زمانہ رشدی نے مال و دنیا کے بدلے اپنا سب کچھ غیر مسلموں کے ہاتھوں فروخت کر کے اپنا نام بھی شیاطین کی فہرست میں داخل کرا لیا ہے۔ اس نے اپنی چوتھی اور تازہ ترین کتاب "شیطانک ورسز" (Satanic Verses) کے ۵۴۷ میں سے ۸۰ صفحات میں محسن انسانیت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علی وسلم، جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرام خصوصاً حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اسلام کے بارے میں دریدہ دہنی کی

ہے۔ یہ کتاب کیا ہے؟ گندگی اور غلاظت کا ڈھیر ہے۔

جناب احمد دیدات (ڈربن، جنوبی افریقہ) عالم اسلام کے مشہور مبلغ اور مناظر ہیں۔ انہوں نے ہفت روزہ "تکبیر" کراچی کے ایڈیٹر سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں ہلکی پھلکی ضربوں کا قائل نہیں ہوں۔ انگریزی محاورے کے مطابق ٹیبل ٹرن کرنے پر یقین رکھتا ہوں، جسے آپ اردو میں "بازی الٹ دینا" کہتے ہیں۔ رشدی نے غلاظت پھیلائی ہے۔ آپ اپنے ہاتھ گندے کیے بغیر اس کو صاف نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رشدی کی کتاب سے کچھ اقتباسات کا انتخاب کیا ہے اور مغرب کے دانشوروں سے کہا ہے کہ لو ذرا Best of Rushdi پر نظر ڈالو اور تم اسے ہضم کر کے دکھاؤ۔ اگر تم اسے ہضم کر لیتے ہو تو تم سے زیادہ بے غیرت اور بے شرم دنیا میں کوئی نہیں اور اگر تم سے یہ "لذیذ مواد" ہضم نہیں ہوتا تو رشدی تمہارے حوالے، ہمارا اس مردود سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان اقتباسات کا اشارے اور کنائے کی زبان میں خلاصہ یہ ہے:

"شیطانی کتاب میں صفحہ ۸۰ پر امریکیوں کے لیے کہا گیا ہے کہ یہ سب اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے والے ہیں----- صفحہ ۸۵ پر ماں کے ساتھ منہ کالا کرنے والا اپنا لطف و سرور بیان کرتا ہے----- صفحہ ۱۲۲ پر ماں کے ساتھ جنسی تعلقات کے خواب بیان کیے ہیں----- صفحہ ۱۰۹ پر بہن کی گالی دی گئی ہے۔ لندن کے انگریزوں کو ۲۹ مقامات پر حرامی (Basters) کہا گیا ہے۔ ملکہ برطانیہ الزبتھ کے ساتھ اپنی جنسی ملاقات کا خواب بیان کیا گیا ہے۔ وزیر اعظم تھیچر کی پالیسیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا گیا کہ یہ تو (policies........) یہاں نقاط کی جگہ انگریزی کا چار حرفی بے ہودہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اپنی بیوی کو، جو کسی باقاعدہ شادی کے بغیر رشدی کے ساتھ رہی۔ کتیا (Bitch) کہا گیا اور مزے لے لے کر بتایا گیا کہ میں تو پانچ پانچ بار اس کتیا کو استعمال کرتا ہوں۔ ایک اور انگریز عورت میکی راک کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ میں تو ہفتے میں ۵۲ مرتبہ اسے استعمال کرتا ہوں۔ اس نے راما اور سیتا کے بارے میں بھی اس بے ہودگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ سفید فام عورت کو ماں، بہن، ملکہ اور داشتہ کی صورت میں خوب ذلیل کرتا ہے اور جگہ جگہ انگریزی کا چار حرفی لفظ استعمال کرتا ہے۔" (ہفت روزہ "تکبیر" کراچی، شمارہ ۲۱، ستمبر ۱۹۸۱ء)

احمد دیدات نے رشدی کے اخلاق باختگی کے نمونے دکھانے کے بعد کہا:

"رشدی کی تحریروں کو ادب عالیہ قرار دینے والے ہمیں بتائیں کہ کیا ایسی کتابیں کسی شریف آدمی کی کتابوں والی الماری میں رکھی جا سکتی ہیں؟ یا انہیں کوئی ہاتھ میں تھامنا بھی گوارہ کر سکتا ہے۔ میرے نزدیک تو یہ شخص جنسی جنون کا نفسیاتی مریض ہے۔

اب میں اہل مغرب کو دعوت دوں گا کہ لو رشدی کو پڑھو' خوب پڑھو۔ دیکھو یہ تمہاری ملکہ کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟ تمہاری وزیر اعظم کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟ اپنی ماؤں بہنوں کے ساتھ اس کی 'لطف اندوزی کے مناظر دیکھو' اسے سفید فام عورت اور سفید فام قوموں کے وطن کے لیے انگریزی زبان کا چار حرفی لفظ استعمال کرتے ہوئے کیسی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ وہ برطانیہ 'امریکہ' فرانس اور دوسرے مغربی ملکوں کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ چھ کالوں کے ہاتھوں ایک سفید عورت اذیتیں دے دے کر ماری جاتی ہے تو اسے کیسی خوشی محسوس ہوتی ہے؟ (ہفت روزہ "تکبیر" کراچی' شمارہ ۲۱' ستمبر ۱۹۸۹ء)

حقیقت یہ ہے کہ آغاز اسلام سے لے کر آج تک کوئی شیطان صفت' پیغمبر اسلامؐ اور ازواج مطہرات کی شان میں اتنی دریدہ دہنی اور اہانت کا مرتکب نہ ہوا تھا' اور کسی غیر مسلم کو بھی اسلام اور قرآن مجید کے بارے میں ایسی مکروہ ہرزہ سرائی کی جسارت نہ تھی۔

جناب سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ لکھتے ہیں:

"اسلام میں صرف ایک منصب اور عہدہ تنقید سے بالا ہے اور اس کی تنقید توہین اور بدترین جرم ہے' وہ منصب رسالت کا منصب ہے۔ رسول معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ اس سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ اس پر تنقید کی ہرگز اجازت نہیں۔ وہاں صرف ادب اور اتباع ہے۔ توہین رسالت وہ سنگین جرم ہے جس کی سزا موت ہے اور اس کے لیے ایک مسلمان قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے جس طرح کہ ایک انسان اپنی ذات یا جائیداد کے دفاع کے لیے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تصنیف "الصارم المسلول" ایک خوبصورت اور نہایت مدلل کتاب ہے۔ رسول کے بعد ہر عہدیدار غلطی کر سکتا ہے اور اس پر تنقید نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔ تنقید سے کسی عہدے کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اس کی تطہیر ہوتی ہے۔ عہدہ خواہ امیر المومنین کا ہو' پبلک کی تنقید سے بالا نہیں ہے اور اس کی تنقید توہین نہیں ہے بلکہ جس کو تنقید ناگوار ہو اس کے منہ پر تنقید کرنا جہاد ہے۔ اسلام کی نظر میں تمام عہدیدار انسان ہیں اور عہدوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے ہرگز ممتاز نہیں بلکہ صرف پرہیزگاری کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ ایک بڑے عہدیدار کی توہین اور چھوٹے عہدیدار کی توہین قانون کی نظروں میں یکساں ہیں۔ صرف رسالت کا عہدہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ پبلک کا دیا ہوا عہدہ نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور وہی اس کی حفاظت و عصمت کا نگران ہے اور صرف وہی اس پر ہدایت بھیجتا ہے۔ لہٰذا رسول پر کسی انسان کی طرف سے تنقید توہین ہے اور

بد ترین جرم' لیکن باقی تمام عہدے پبلک کی ملکیت ہیں اور اس لحاظ سے نہ تو وہ پبلک کی تنقید سے بالا ہیں اور نہ انسانوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک معمولی عہدہ رکھنے والا آدمی اللہ کے نزدیک حاکم سے بھی زیادہ مقرب اور مقبول ہو۔ اسی لیے قرآن مجید نے جہاں طعن و تنقید کے ذریعہ ایذا رسانی کو جرم قرار دیا ہے۔ وہاں رسالت کے بعد تمام مسلمانوں کو یکسانیت سے بیان فرمایا ہے۔ سورہ احزاب میں ہے:

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاخر و اعدلھم عذابا مھیناO والذین یوذون المومنین المومنت بغیر ما اکتسبو افقد احتملو ابھتانا واثما مبیناO

"جو لوگ اللہ اور رسول کو رنج (malign) کرتے' پہنچاتے ہیں' ان پر خدا' دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام کی تہمت سے جو ان میں نہ ہو' ایذا دیں تو انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔" (الاحزاب: ۵۷'۵۸)

مذکورہ بالا آیت میں ایک تو توہین رسالت کے بعد فوراً مومنین پر بہتان کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے رسالت کی ہر قسم کی توہین کو جرم قرار دے دیا گیا ہے جبکہ دیگر انسانوں پر صرف اس الزام کو گناہ کہا گیا ہے' جو مبنی بر حقائق نہ ہوں۔ اسے بہتان کہا گیا ہے۔

("اسلام میں توہین عدالت کا تصور" از سید ریاض الحسن ایڈووکیٹ)

اس کے برعکس وحید الدین خان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

❑ "اہانت رسول کے اس طرح کے واقعات پر مسلم رہنماؤں کی طرف سے جو بیانات دیے جاتے ہیں' ان میں عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس سے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ یہ سراسر ایک غیر اسلامی جملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع پر کبھی یہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ مزید یہ کہ اسلام کے "کریمنل کوڈ" میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے جس میں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہونے کو فوجداری جرم قرار دیا گیا ہو اور اس پر موت کی سزا مقرر کی جائے۔ یہ بلاشبہ شریعت اسلامی میں ایک اضافہ ہے کہ مسلمانوں کے جذبات مجروح ہونے کو ایک قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا جائے۔ اس قسم کے بیانات دینا سب سے پہلے بیان دینے والے کو مجرم ثابت کرتا ہے نہ کہ گستاخی کرنے والے کو۔" (ص ۱۳۴)

❑ "اس طرح کے مواقع پر عام طور پر یہ بات کہی جاتی کہ اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے مگر مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کسی قوم کے جذبات کا مجروح ہونا شریعت میں ہرگز معتبر نہیں۔ یہ شریعت کے حدود و تعزیرات کی کوئی دفعہ نہیں" (صفحہ ۲۶)

❑ "اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ سلمان رشدی کی کتاب سے ہمارے جذبات مجروح ہوئے ہیں اور ہم تو اس کو قتل کر کے رہیں گے تو میں کہوں گا کہ "مسلمانوں کے جذبات کا مجروح ہونا" اسلام کے قانون جرائم کی کوئی دفعہ نہیں ہے۔ مسلمان اگر اس قسم کی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس کو اپنی قومی سرکشی کے نام پر کر سکتے ہیں۔ مگر اسلام کے نام پر انہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں۔" (صفحہ ۵۳)

❑ "مسلم رہنماؤں کو یہ جاننا چاہیے تھا کہ اس معاملہ میں ان کا اقدام کوئی سادہ اقدام نہیں ہے۔ یہ پوری مغربی دنیا کے "مذاہب" پر براہ راست حملہ ہے۔ مسٹر ایڈورڈ مارٹیمر (Edward Mortimer) نے بجا طور پر کہا ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا مذہب اسلام ہے' اسی طرح ہمارا مذہب آزادی (Freedom) ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کی توہین یا اس پر حملہ سے جس طرح بھڑ اٹھتے ہیں' ہم کو بھی اسی طرح سخت تکلیف پہنچتی ہے جب کہ ہمارے مذہب (آزادی) پر حملہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے نزدیک اگر رسول کی بے حرمتی کلمہ کفر (Blasphemy) ہے تو ہمارے نزدیک آزادی کی بے حرمتی اتنی ہی شدت سے کلمہ کفر کی حیثیت رکھتی ہے۔" (ٹائمز آف انڈیا' ۲۸/ فروری ۱۹۸۹ء) (ص ۶۲' ۶۳)

❑ "ہمیں اس حقیقت کو جاننا چاہیے کہ موجودہ زمانہ آزادی فکر کا زمانہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں آزادی فکر کو سب سے بڑی قدر کا درجہ دیا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں آزادی غیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج کا انسان کسی ایسے مذہب یا نظام کو غیر مہذب اور وحشیانہ سمجھتا ہے جو آزادی فکر کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ ایسی حالت میں باعتبار نتیجہ' سب سے بڑی اسلام دشمنی یہ ہوگی کہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جو دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع دے کہ اسلام آزادی فکر کا قاتل ہے۔ اور اس لیے وہ ایک وحشیانہ مذہب ہے۔ اس معاملہ میں سنت رسولؐ کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کو اس "بدنامی" سے بچایا جائے' خواہ اس کی جو بھی قیمت دینی ہو' خواہ اس کے لیے کتنی ہی بڑی چیز کو برداشت کرنا پڑے۔" (ص ۱۴۹)

سوال: ایران کے مذہبی رہنماؤں نے برطانوی مصنف سلمان رشدی کے خلاف موت کی سزا کا فیصلہ دے دیا ہے۔ اس کے بارہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب: کچھ لوگ جذباتی طور پر اس قسم کی تجویزیں منظور کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ

آج ہمیں انسان حقوق کو فروغ دینا چاہیے ۔ موت کی سزا کو صرف ان مجرموں کے لیے ہونا چاہیے جو قتل کا جرم کرتے ہیں ۔ بصورت دیگر ہر ایک کو انسانی حقوق دیا جانا ضروری ہے ۔ (ص ۱۸۹)

❑ "امریکہ میں پہلے آزادی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ۔ لوگوں کو یہ یقین کرایا گیا کہ مکمل انفرادی آزادی فرد کی شخصیت کے مکمل ارتقاء کے لیے ضروری ہے ۔ مگر اب یہ آزادی انارکی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی شخصی ارتقاء کے لیے نہایت ضروری ہے ۔ مگر اسی کے ساتھ اس کی ایک حد بھی ہے ۔ آزادی اگر حد سے باہر ہو جائے تو وہ الٹا نتیجہ پیدا کرے گی ۔"

(ص ۴۰ "الرسالہ" ستمبر ۱۹۹۸ء)

جناب جسٹس عبد القدیر چودھری قادیانیوں کے خلاف اپنے ایک فیصلہ میں لکھتے ہیں:

"جان سٹورٹ مل نے اپنی کتاب "Essay on Liberty" میں آزادی سے متعلق افکار و نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس موضوع پر اس کی بحث کو 'اصول کے دفاع اور وزن رکھنے والے اظہار کے طور پر بڑے پیمانہ پر تسلیم کیا جاتا ہے ۔ مصنف کو وہ امتیاز کرنا پڑا جو "Liberty" اور "Licence" کے الفاظ کے مابین اکثر کیا جاتا ہے' لیکن عملی طور پر اس کا اطلاق کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے ۔ اس نے اعتراف کیا کہ آزادی سے یہ مراد نہیں کہ خود کو ہر وہ کام کرنے کی کھلی چھٹی ہے جو اس کے دل میں آئے' کیونکہ ایسی آزادی کے معنی ہوں گے کہ امن و امان غارت ہو جائے گا اور آخر کار خود آزادی کا نام و نشان مٹ جائے گا ۔ اس نے آزادی کی حدود کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔ "وہ واحد غرض' جس کے لیے انسانوں کو انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اپنا حق استعمال کرتے ہوئے کسی فرد کے عمل کی آزادی میں مداخلت کرنے کی اجازت دی گئی ہے' وہ ذاتی تحفظ ہے ۔"

اسی صفحہ پر مزید کہا گیا ہے کہ:

"ایسے معمولات اور طرز عمل پر پابندی لگانا ریاست کی طرف سے مذہبی آزادی قائم رکھنے کے عین مطابق ہے جو سول حکومت کے قیام سے مطابقت نہ رکھتے ہوں یا معاشرہ مسلسل وجود کے لیے ضرر رساں ہوں ۔"

(S. C. M. R August 1993)

طاہرہ انجم اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

"جان سٹوارٹ مل کے خیال میں ہر فرد کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ۔ انفرادی پہلو کا

تعلق صرف اس کی ذات سے ہوتا ہے اور معاشرتی پہلو کا دوسرے لوگوں سے۔ اس کے خیال میں اپنی ذات سے تعلق رکھنے والے اعمال میں فرد کو کامل آزادی ہونی چاہیے۔ آزادی ضمیر' آزادی خیال' آزادی انجمن سازی اور آزادی مذہب و اخلاق فرد کی زندگی میں اتنی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے بغیر فرد اپنی شخصیت کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان کے بارے میں حکومت کو بالکل مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ الا یہ کہ کوئی انفرادی عمل دوسرے کے لیے خطرے کا باعث بنے۔ (قاضی' بیروز بخت' جدید سیاسی تصورات'' جدید بک ڈپو' لاہور ۱۹۶۸ء'' صفحہ ۵۱')

ہندو' مسلمانوں کے جذبات کو زخمی کرنے اور فرقہ وارانہ احساسات ابھارنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ برطانوی دور میں بھی کئی ہندو مصنفین نے اسلام کے خلاف تعصب کی بناء پر مسلمانوں کے لیے دل آزار اور شرانگیز کتب لکھیں جن پر مسلمانوں کا اشتعال فطری تھا۔ آزادی کے بعد اکثر و پیشتر ہندو مسلم تضاد کی وجہ وہ کتب اور مضامین بنے جن میں اسلام یا رسول پاک صلعم کے بارے میں اشتعال انگیز اور گمراہ کن مواد موجود تھا۔ مثال کے طور پر ستمبر ۱۹۵۶ء میں ہندو پریس نے ایک کتاب "مذہبی لیڈر" چھاپی۔ جس میں رسول پاک صلعم کے بارے میں قابل اعتراض مواد موجو تھا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا تو بھارت کے مختلف شہروں میں ہندو مسلم فسادات کا ایک لامحدود سلسلہ شروع ہو گیا۔ گوالیار میں ۲۱ ستمبر کو ایک جلسہ عام میں قرآن پاک کا ایک نسخہ جلایا گیا۔ انہی دنوں لکھنؤ کے ایک اخبار نے اشتہار دیا جس میں رسول صلعم کی (نعوذ باللہ) توہین کی گئی۔

(Mujahid Sharif al., India Secularism, (Karachi University,) 1970) P. 14

کلکتہ کے ایک اخبار کے ایک کارٹون میں دکھایا گیا کہ قریباً ایک درجن مسلمان' گیتا کو ٹھڈے اور جوتے مار رہے ہیں اور ایک ہجوم ان کو دیکھ کر ہنس رہا ہے۔" کئی روز کی اشاعت کے باوجود اس پر کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

ستمبر ۱۹۵۶ء میں پارلیمنٹ کے گیارہ ارکان نے ایک یادداشت پیش کی جس میں کہا گیا کہ کئی دفعہ ایسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں' لیکن حکومت ان کا کوئی نوٹس نہیں لیتی۔

تہران کے ایک اخبار نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

" قابل اعتراض کتاب پر مسلمانوں کے غیر مسلح احتجاج نے بھارت میں مسلمانوں کی حالت بہت تکلیف دہ بنادی ہے حالانکہ بھارت جیسے جمہوری اور سیکولر ملک میں یہ کوئی جرم نہیں ہونا

چاہیے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارتی مسلمان کوئی ایسا گناہ کر بیٹھے ہیں جس کے نتیجہ میں انہیں اس تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔"

اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ہندو پریس ایسی شرارتیں کرتا رہتا ہے۔ لیکن حکومت نے کبھی بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا احساس نہیں کیا۔ اگر مسلمان احتجاج کرتے ہیں تو نتیجتاً فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ان فسادات کا مجرم بھی ہمیشہ مسلمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

آئین کے (iv) حصہ میں دفعہ ۴۸ کے تحت معاشی بنیادوں پر گاؤکشی ممنوع قرار دی گئی۔ دستور نے یہ مسئلہ ریاستوں کے سپرد کیا ہے۔ سولہ میں سے گیارہ ریاستوں میں گائے کے ذبیحہ پر پابندی عائد ہے۔

پہلے پانچ سالہ منصوبے میں ۹۷۰۰۰۰۰ روپے کی خطیر رقم، بوڑھی گائیوں کے تحفظ کے لیے گئو شالے تعمیر کرنے کے لیے مختص کی گئی۔ اس کے بارے میں ۱۹۵۸ء میں سپریم کورٹ نے کہا:

"اگر حکومت اپنے شہریوں کی تعلیم کے لیے فی کس سالانہ آمدنی پانچ روپے سے زیادہ خرچ نہیں کر سکتی تو اس کے لیے بے کار مویشیوں پر ۱۸یا۱۹ روپے فی مویشی سالانہ خرچ کرنے کا کیا جواز ہے؟"

(Mujahid, Sharif al., Op. Cit., P. 22)

بھارتی آئین میں گائے پر معاشی وجہ سے پابندی ظاہر کی گئی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کا محرک کیا ہے؟ اس کا محرک وہ مذہب ہے جو بھارت کی اکثریت کا ہے جس کے لیے معاشی بنیاد کو جواز بنایا گیا ہے، لیکن ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی جذبات ہیں۔ لیکن یہ اگر صرف معاشی مسئلہ ہے تو پھر بھینس کی حفاظت کیوں نہیں کی جاتی؟ کیونکہ شمالی بھارت میں بھینس، گائیوں سے زیادہ دودھ فراہم کرتی ہیں۔ بھارت میں خوراک کی بے انتہا کمی کے باوجود ان بے کار گائیوں کی دیکھ بھال اور خوراک پر سرکاری اخراجات مذہبی جذبے اور رجحان کے سوا کچھ نہیں۔ ہندو طبقے، یہاں تک کہ تعلیم یافتہ افراد بھی گئو شالوں کے قیام اور گائے کے تحفظ پر زور دیتے ہیں اور اس ضمن میں سیکولر اقدار اپنانے کے بجائے صدیوں پرانی ہندو اقدار پر زور دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہندو اکثریت کو جدیدیت کا خیال نہیں آتا۔ ایک بھارتی سکالر کے مطابق "بے کار گائیوں کے تحفظ پر ہونے والے خرچ کو کسی طرح معاشیات کی بنا پر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

مسلمان اور عیسائی معاشی بنیاد پر گاؤ کشی پر پابندی سے مطمئن نہیں۔ ۱۹۸۹ء میں آئین ساز اسمبلی میں ایک مسلمان ممبر نے کہا کہ "میں چاہتا ہوں کہ میرے ہندو بھائی واضح طور پر کہیں کہ گائے کا تحفظ ہمارے مذہب کا تحفظ ہے۔ اس لیے ہم اس کا تحفظ چاہتے ہیں۔"

اسی طرح ۱۹۵۱ء میں بھارتی پارلیمنٹ میں ایک اینگلو انڈین ممبر نے بے کار مویشیوں کے تحفظ کے بل پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

"میں گاؤ کشی پر پابندی کے خلاف نہیں لیکن کیا اس مسئلے کو دیانتداری سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ آپ گاؤ کشی پر پابندی اس لیے لگائیں کہ یہ اکثریت کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتی ہے۔ میں اور میری کمیونٹی کے دوسرے لوگ ان مذہبی جذبات کا احساس رکھیں گے۔"

اس بل پر تقریر کرتے ہوئے ۱۹۵۴ء میں ایک نیشنلسٹ مسلمان وزیر نے پارلیمنٹ میں کہا کہ "اگر تمام دلائل کے مقابلے میں واضح طور پر یہ کہا جائے کہ ہمارے ملک کی ایک بڑی اکثریت کے جذبات اس سے مجروح ہوتے ہیں تو یہ بل ضرور پاس ہو جائے گا۔"

("بھارتی سیکولرازم اور اقلیتیں" از طاہرہ انجم)

"بین الاقوامی رویہ" کے عنوان سے محترم چودھری غلام جیلانی لکھتے ہیں:

"یورپ کی ظاہری آزاد خیالی کے ذرا باطن میں جھانک کر دیکھیے سو آپ کو سوائے تنگ نظری، تاریک خیالی اور اندھے تعصب کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دے گا۔ یہ لوگ ملا کی پھبتی کستے ہیں لیکن خود ملا سے بھی گئے گزرے ہیں۔

اہل مغرب اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک مہذب معاشرے کی بنیادی صفت آزادی ہے۔ جس سے پسماندہ مشرق ابھی تک محروم ہے۔ لیکن اگر وہ آزادی اظہار کو بین الاقوامی رویہ تسلیم نہیں کرے گا تو اس معاملے میں اس سے کوئی مصالحت نہیں کی جائے گی۔

یہاں ہم ان سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ براہ کرم واضح کریں کہ آزادی اظہار سے ان کا کیا مفہوم ہے اور بین الاقوامی رویہ کیا ہے؟ آزادی اظہار کا اگر مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کو اظہار کی آزادی ہے تو کیا اس میں کسی کو گالی دینے اور توہین کرنے کی آزادی بھی شامل ہے؟ بلاشبہ اظہار کی آزادی انسانی زندگی کی نشوونما کے لیے ضروری ہے لیکن ہر آزادی کی طرح اس کی بھی کچھ حدود ہیں۔ مثلاً آپ کا جی چاہتا ہے کہ آپ زور زور سے بولیں تو آپ کی آزادی میں یہ اجازت تو شامل نہیں کہ آپ مجھے سونے نہ دیں۔ انگریز محاورے کے مطابق آپ کے ہاتھ کے حرکت میری ناک کی پھننگ تک ہے' آپ کا ہاتھ اس سے پرے جائے گا تو مداخلت ہو گی۔ جس کا

نتیجہ تصادم ہوگا اور یہی بین الاقوامی رویے کی روح ہے۔ جسے اقوام متحدہ کے منشور میں عدم مداخلت کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہم دانشوران مغرب سے سوال کرتے ہیں کہ سلمان رشدی نے جو کچھ لکھا ہے' وہ آزادی اظہار کی حدود میں آتا ہے؟ اس ناول کی گندگی کی جانب اشارہ کرنا بھی ہمارے لیے تکلیف دہ ہے۔ پھر ہم برطانیہ کے ذمہ داروں سے دریافت کرتے ہیں۔

۱- ناول میں دنیا کے تین مذہب یہودیت' عیسائیت اور اسلام کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں' کیا وہ آزادی ہے؟

۲- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم' وحی' امہات المومنین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو فقرے کسے گئے اور جو دریدہ دہنی کی گئی ہے' کیا وہ ادب یا اظہار رائے کی آزادی کا جائز استعمال ہے؟

ہم ثبوت میں وہ تمام جملے اور الفاظ درج کر دیتے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ اہل مغرب کس کو تحفظ دے رہے ہیں لیکن ہمارا قلم بھی اس کے نقل کرنے سے کانپتا ہے۔ ہم برطانوی وزیر خارجہ سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر آزادی کا یہی مفہوم ہے کہ جس پر کسی حالت میں بھی پابندی نہیں لگ سکتی تو پھر توہین عدالت کا برطانوی قانون کیوں ہے؟ پھر اجازت دیجئے کہ عدالت کا فیصلہ جس کو نامنظور اور ناگوار ہو' وہ سرعدالت جج کو گالی سنا دے' اگر اظہار کی آزادی مطلق ہے تو حدود برطانیہ میں حضرت مسیحؑ کے بارے میں سوءادب کیوں خلاف قانون ہے؟

پچھلے دنوں برطانیہ میں ایک برطانوی انٹیلی جنس افسر کی کتاب پر پابندی لگائی گئی تھی کیوں؟ کیا آزادی اظہار اس کے لیے نہیں تھی؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ مغرب اپنی بے راہ و معاشرت کے سبب تمام اعلیٰ انسانی صفات سے عاری ہو چکا ہے۔

پچھلے دنوں ماہنامہ ہیرالڈ کراچی میں سلمان رشدی کا انٹرویو شائع ہوا تھا۔ اس میں اس نے کہا تھا کہ آج کا زمانہ سیکولرازم (لادینیت) کا زمانہ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو مذہب کے بارے میں زیادہ حساس نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ٹھیٹھ مغربی نقطہ نظر ہے' مفہوم اس کا یہ ہے کہ جس طرح اہل یورپ نے مذہب کے بارے میں غیر جانبداری اور بے حسی اختیار کر لی ہے' اسی طرح مسلمان بھی مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار اور بے حس ہو جائیں۔ دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کو بھی اس طرح بے غیرت ہو جانا چاہیے جس طرح یورپ والے ہیں لیکن خود رشدی سمیت یورپ والوں پر حقیقت واضح ہو گئی کہ مسلمان باغیرت قوم ہے اور اپنے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کے بارے میں ذرا سی گستاخی بھی اس کے لیے قابل برداشت ہے' یہ مسلمان قوم کا مزاج ہے جس کو دنیا کو سمجھ لینا چاہیے۔

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

مسلمان کتنا ہی بے عمل اور دین سے دور ہو۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے' اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سوءادب برداشت نہیں کر سکتا۔

ٹراٹسکی کو اسٹالن سے شدید نظریاتی اختلاف تھا۔ جب سٹالن برسراقتدار آیا تو ٹراٹسکی روس سے نکل کر میکسیکو میں پناہ گزین ہو گیا۔ میکسیکو اسٹالن کے دائرہ اختیار میں نہیں تھا اس لیے اسٹالن نے اپنے ایجنٹ بھیجے اور انہوں نے ٹراٹسکی کو میکسیکو میں اس کے گھر میں قتل کر دیا۔ سولہ سترہ برس کی بات ہے' اسرائیل کے ایجنٹ ایک نازی جرنیل ایکمین کو لاطینی امریکہ سے پکڑ کر اسرائیل لے آئے۔ معلوم ہوا کہ یہ جرنیل ان کی ہٹ لسٹ پر تھا۔ یہودیوں کا کہنا تھا کہ یہ نازی جرنیل ہزاروں یہودیوں کا قاتل تھا۔ لاطینی امریکہ کا وہ ملک جہاں یہ جنگ عظیم دوم کے بعد پناہ گزین تھا' احتجاج ہی کرتا رہ گیا۔ لیکن نہ اسرائیل نے پرواہ کی نہ امریکہ اور برطانیہ نے اسے غیر بین الاقوامی رویہ قرار دے کر اس کی مخالفت کی۔ اسرائیل نے دھڑلے سے اس کے خلاف اپنی عدالت میں مقدمہ چلایا اور اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس کے بعد یہ پچھلے برس کی بات ہے کہ اسرائیلی کمانڈوز نے تیونس میں داخل ہو کر تنظیم آزادی فلسطین کے لیڈر ابوجہاد کو قتل کیا۔ کیا اسرائیل کی یہ غنڈہ گردی بین الاقوامی رویے کے مطابق تھی؟

اور اسرائیل تو ایسے اغوا بطور کاروبار کرتا ہے۔ تین چار برس کی بات ہے نائیجیریا کی حکومت کو اپنے ملک کا ایک سابق وزیر درکار تھا جو انقلاب کے بعد لندن میں آکر مقیم ہو گیا تھا۔ خفیہ ایجنٹ اس وزیر کو بے ہوش کر کے ایک بڑے صندوق میں بند کر کے لے جا رہے تھے کہ کسٹم والوں کو شبہ ہو گیا۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ اغوا کا یہ کام اسرائیلی ایجنٹوں نے کیا تھا۔

عجیب بات ہے کہ مغرب کے دوست یہ بات کریں تو نہ آزادی اظہار مجروح ہوتی ہے نہ بین الاقوامی رویہ ٹوٹتا ہے اور نہ کوئی احتجاج ہوتا ہے۔ لیکن اگر مشرق کے لوگ اپنے جذبات پر چھری چلنے پر تڑپتے ہیں تو مغرب سراپا احتجاج ہو جاتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا سی آئی اے کے قاتل دستے نہیں؟ کیا کے جی بی مخالفین کو قتل نہیں کرتی؟..... اگر شخصی اور سیاسی اختلافات میں قتل روا ہے تو کیا وہ شخص واجب القتل نہیں جس نے پورے عالم اسلام کے دل کو مجروح کیا ہے؟"

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۱۵ مارچ ۱۹۸۹ء)

جناب پروفیسر کریم بخش نظامانی اپنے مضمون "باد مخالف میں روشن چراغ" میں لکھتے ہیں:

"حاشر فاروقی صاحب جس طرح مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اہل مغرب سے باتیں کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت "امپیکٹ" کے ہر شمارے اور کم و بیش ہر مضمون اور رپورٹ سے مل جاتا ہے۔ ہم یہاں نمونے کے طور پر صرف ایک مثال دیتے ہیں۔ یہ اپریل ۱۹۹۵ء کا پرچہ ہے۔ اس کے سرورق کے ایک مضمون کا عنوان ہے

"Love me I love my dog"

"یعنی مجھ سے محبت کرو اور میرے کتے سے بھی محبت کرو"۔ یہ مضمون سلمان رشدی کی بدنام کتاب "آیات شیطانی" (The Satanic Verses) کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ مضمون میں فاروقی صاحب پہلے تو یہ بتاتے ہیں کہ سلمان رشدی کو کتاب کے ناشرین (کنگ' پینگوئن) نے ساڑھے آٹھ لاکھ پاؤنڈ تقریباً ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے کی خطیر رقم بطور پیشگی ادا کردی۔ یعنی رقم پہلے اور کتاب کا مسودہ بعد میں۔ اشاعتی دنیا میں اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ رقم دراصل بطور رائلٹی نہیں بلکہ سلمان رشدی کی اسلام دشمنی کا انعام تھا۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں نہ صرف خود کتاب دل آزار ہے' بلکہ اس سے زیادہ دل آزاری کی بات اس کا تسلسل کے ساتھ شائع ہوتے رہنا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بات صرف "آیات شیطانی" تک آکر نہیں رک جاتی بلکہ تہذیب حاضر کے غیر مہذب ٹھیکیداروں (Uncivilised Custodians of Civilisation) نے اس قماش کے کئی گندے مصنفین کی ہمت افزائی کی ہے۔

اس سلسلے میں انہوں نے بنگلہ دیش کی (Fugitive Bad Girl) بگھوڑی گندی لڑکی تسلیمہ نسرین کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کو اقوام متحدہ کی کوپن ہیگن میں منعقدہ "اعلیٰ سطحی سماجی" کانفرنس میں اسلام کے خلاف بکواس کرنے پر خوب سراہا گیا۔

فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ اہل مغرب میں اگر ذرہ بھر شائستگی ہوتی تو وہ (ایک ارب سے زیادہ) مسلمانوں کی دل آزاری کرنے والی اس کتاب پر پابندی لگا دیتے۔ اس سلسلے میں وہ کئی مثالیں دیتے ہیں کہ کس طرح صرف جنوری' فروری ۱۹۹۵ء میں دل آزار تحریروں پر پابندی لگائی گئی یا ان کو واپس لے لیا گیا:

۱- یو ایس اسپیکر نیوٹن گنگرچ نے مسز جیفری کو "ایوان کے مورخ" کے منصب سے محض

اس لیے برطرف کر دیا کہ اس نے ۱۹۸۶ء میں لکھا تھا کہ "نازی نقطہ نظر کتنا ہی غیر پسندیدہ سہی' بہرحال ایک نقطہ نظر تو ہے۔ لیکن یہ (دنیا کے سامنے) پیش نہیں کیا۔"

۲- پولینڈ کی قومی ایرلائن نے اپنے ایک میگزین میں چھپنے والا اشتہار اس وقت بند کر دیا جب نیویارک کی ایک یہودی تنظیم (Bmai Birth) نے اس پر اعتراض کیا۔ اشتہار میں پیسے بٹورنے والے ایک سود خور یہودی کا حلیہ بگاڑ کر اس کو کارٹون کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔

۳- جاپان کے ایک میگزین "مارکوپولو" کے پبلشر نے اپنے میگزین کی تمام کاپیاں واپس لے لیں اور اعلان کیا کہ وہ اپنے پورے اسٹاف کو برطرف کر رہا ہے اور ساتھ ہی میگزین بھی بند کر دیا گیا۔ یہ فروری ۱۹۹۵ء کا پرچہ تھا جس میں دس صفحات کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ مضمون کا عنوان تھا "نئی تاریخی سچائی" جس میں کہا گیا تھا کہ "نازی گیس چیمبر کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ مشکوک ہے" ووکس ویگن' متسوبیشی اور دوسری کمپنیوں نے اپنے اشتہار بند کر دیئے۔ میگزین ڈھائی لاکھ کی تعداد میں شائع ہو رہا تھا۔ نازیوں کے مظالم سے متعلق یہودی پروپیگنڈہ بازوں نے جو افسانے تراشے ہیں' مذکورہ بالا مضمون ان کی تردید میں لکھا گیا تھا۔ لیکن صیہونیوں کی "شان" میں یہ ایک ایسی گستاخی تھی کہ اس کا ازالہ یوں ہوا کہ مالکان کو "مارکوپولو" ایسا کثیر الاشاعت مخزن بند کرنا پڑا۔

۴- برطانوی ٹیلی ویژن کے چینل ۴ نے ایک پروگرام The Popes Division محض اس بنا پر روک دیا کہ پروگرام کوڈ کہتا ہے کہ "مذہب سے تعلق رکھنے والے پروگراموں کو حقیقت پسندانہ اور مناسب ہونا چاہیے۔" پروگرام بند کرنے والوں نے اس کوڈ کی یوں تشریح کی ہوگی کہ ایسے پروگرام نامناسب اور حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔

۵- اسی طرح میونخ کے ایک پبلشر نے ایک امریکی کتاب "آنکھ کے بدلے آنکھ" کے جرمن زبان میں کیے گئے ترجمے کے سارے نسخے محض اس بنا پر تباہ کر دیئے کہ اس میں یہودیوں کے متعلق کہا گیا تھا کہ "اسٹالن نے جنگ عظیم کے بعد جرمنی کے کچھ علاقوں کی خفیہ پولیس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے لیے یہودیوں کو مقرر کیا تھا۔"

ہماری ذہنیت یہ ہو گئی ہے کہ مغرب (بشمول امریکہ) سے آئی ہوئی ہر چیز کو من و عن آنکھیں بند کر کے قبول کرتے ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی خلاف حقیقت ہو' جو لوگ ایسا کرتے ہیں' ان کو "مغرب کے ملا" کہنا مناسب ہو گا کہ یہ لوگ حقائق کو نہیں' اتھارٹی کو مانتے ہیں۔"

(ہفت روزہ "تکبیر" کراچی' ۱۲ مارچ ۱۹۹۸ء)

جناب حسن عابدی مغرب کی عدم رواداری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک ترقی یافتہ قوم بھی' مثال کے طور پر فرانس' جب مسلمان لڑکیوں کو اسکولوں میں اور ملازمت کے دوران میں اسکارف سے سر ڈھانکتے دیکھتی ہے تو ان کی تحقیر پر اتر آتی ہے اور پریس میں کتابوں کی نمائش (منعقدہ ۱۹۹۳ء) میں علی عزت بیگ کی کتابوں کو نمائش سے روک دیتی ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں سرمنڈے گورے راہ چلتے پاکستانیوں سے مار پیٹ کرتے ہیں' ایشیائی باشندوں کے خلاف دیواروں پر گندی گالیاں لکھتے اور انہیں خطرناک نتائج کی دھمکیاں دیتے ہیں اور خود برطانیہ کے اخبار (Tabloids) اس شرانگیز مہم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایک باوقار انگریزی اخبار بھی کرکٹ کے پاکستانی کھلاڑیوں کی "فریب دہی" کی کہانیاں' جن سے ان کی نسلی عصبیت ظاہر ہوتی ہے' خوب چٹخارے لے کر اور حقائق کو مسخ کر کے شائع کرتے ہیں اور جمائما اور عمران کی شادی پر تو پورا برطانوی پریس نسل پرستی پر اتر آتا ہے اور اسے آڑ بنا کر اسلام' پاکستان اور اس کی اقدار اور روایات سب پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک نہایت صریح مثال اس واقعے سے ملے گی جب امریکہ میں ۱۹۸۰ء کے اوائل میں پہلی بار ہلال احمر کو متعارف کرایا گیا تو ایک مخالفانہ مہم شروع کر دی گئی اور صدیوں پرانی روایت کا سراغ لگا کر اسے استعمال کیا گیا۔ حوالہ تھا اس واقعے کا جب ۷۳۲ء میں جنگ تور میں عربوں کو شکست فاش ہوئی تھی۔ جنگ کا فاتح چارلس مارٹل تھا جس کی فرانسیسی افواج نے عربوں کے خلاف اپنی عہد ساز کامیابی کا جشن منانے کے لے ہلال کی شکل کی روٹیاں' جو اسلامی ملت کا نشان ہے' پکوائیں اور مزے لے لے کر کھائیں۔"

("پاکستانی معاشرہ اور عدم رواداری" از حسن عابدی)

جناب گل رحمان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"دور جدید ----- جاہلیت جدیدہ ----- نے آزادی افکار کی آڑ میں ہادی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایسی ہفوات کو جائز قرار دینے کی کوشش کی' ان کا مقصد اہل ایمان کے سینوں سے ایمان کی حرارت کو ختم کرنا تھا اور یہ سلسلہ مغربی ملکوں میں عرصہ دراز سے جاری ہے۔ مشرقی ملکوں میں ان کی معنوی اولاد نے بھی ان کے استدلال کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں اور جن مشرقی ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں' وہاں انہیں ایذا دینے کے لیے یہ مکروہ دھندہ پوری قوت سے چلایا گیا ہے۔

مشرقی ملکوں میں ایسی ہر خباثت کے پیچھے ہنود ہوتے ہیں اور اب ان کی تائید یہود کرتے ہیں۔ علوم جدیدہ کے کچھ نام نہاد مسلمان فضلاء بھی رجعت پسندی کے طعنے سے بچنے کے لیے ان کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی علمی عظمت کا بزعم خویش سکہ بٹھانے کی مکروہ کوشش کرتے ہیں۔ اس

سارے شیطانی اجماع کو عام مسلمانوں کا ذہن کبھی بھی قبول نہیں کر سکا۔

رد عمل کے طور پر مسلمان مجاہدوں نے ایسے گستاخوں کے سر ہمیشہ اڑا دیے ہیں اور ان کی زبانیں کھینچ لی ہیں۔ کبھی یہ کام غازی علم الدین شہید نے کیا ہے تو کبھی غازی دوست محمد اور غازی منیر احمد آگے بڑھے ہیں۔ کبھی ملک میاں محمد نے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے۔

دور جدید کے مکروہ عمل کا یہ حسین رد عمل نیا نہیں ہے جسے کچھ مفکر محض جذباتیت کی آڑ میں چھپانا چاہتے ہیں۔ یہ حسین رد عمل تو دور نبوی میں شروع ہو چکا تھا' کعب بن اشرف اور ان کے ہمنواؤں کے مکروہ عمل کا حسین رد عمل وہی تھا جو صحابہ کرام نے عملاً" دیا جس کی گواہ احادیث کی سب کتابیں ہیں۔

ہمارے محدثین کرام نے کمال دیانتداری سے سب احادیث من و عن ہم تک پہنچائی اور گستاخوں کی مکروہ چیخیں ہم نے رد عمل کے طور پر سنی ہیں۔ کیا اخلاق کی ابجد سے واقف کوئی شخص بھی یہ جرات کر سکتا ہے کہ کروڑہا انسانوں کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نفاق سے نشانہ بنایا جائے اور پھر رد عمل سے بچایا جا سکے۔

دور حاضر کے سب سے بڑے مفتری' کذاب اور گستاخ کی سزا بدترین قسم کی موت ہے مگر وہ ایک ارب مسلمانوں کے دل دکھانے کی وجہ سے مغربی استعمار اور یہودی استکبار کی آنکھوں کا تارا بن گیا ہے۔ انگریز اسے جسمانی تحفظ دے رہا ہے تو سارا مغرب امریکہ سمیت آزادی فکر کے حوالہ سے اسی کا حامی بنا ہوا ہے۔ یہودی اسے "روحانی غذا" دینے میں مصروف ہیں اور ہندو' مغرب کا ہمنوا ہو کر اسلام دشمنی کا ثبوت دے رہا ہے۔

ایک ارب مسلمان تڑپ رہے ہیں کہ راجپال ملعون تک ابھی کیوں رشدی نہیں پہنچ پایا۔ انگریز پولیس رشدی کو پالتو کتے کی طرح اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے مگر گستاخی رسول پر جو تیر مسلمانوں نے اس کے لیے تیار کیا ہوا ہے وہ انشاء اللہ ضرور ان سب تحفظات کی دبیز تہوں اور موٹی دیواروں کو چیرتا ہوا اس خبیث جگر سے پار ہو گا جس میں بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لاوا ابل رہا ہے۔

("گستاخ رسول کی شرعی سزا" از مفتی گل رحمان قادری)

امجد حیات ملک اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"قرطبہ کے عیسائیوں نے ایک شخص یولوجیس (Eulogius) کی سرکردگی میں رحمت اللعالمین حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں سرعام اور قاضی کے سامنے جا کر انتہائی اہانت آمیز اور کافرانہ کلمات کہنے کی تحریک چلائی۔ اس تحریک کی تفاصیل پڑھ کر یہ محسوس ہوتا

ہے، لہ اس کی بنیادی وجہ غالباً یہی تھی کہ ان لوگوں کو احساس تھا کہ تخت پر ایسا شخص بیٹھا ہے جو سختی کرنے سے متنفر ہو چکا ہے اور اگر اس تحریک کے سرغنہ یولوجیس (Eulogius) کو بجائے طویل عرصہ ڈھیل دینے اور بعد از خرابی بسیار عبدالرحمٰن کے جانشین محمد کے عہد حکومت میں پھانسی دینے کے فوراً ہی پکڑ کر شہر کے چوراہے پر ٹانگ دیا جاتا تو یہ فتنہ تاریخ کا حصہ نہ بنتا۔ عبدالرحمٰن کے عہد میں طلیطلہ میں پھر بغاوت ہوئی جسے ایک طویل محاصرے کے بعد دبا دیا گیا۔"

(نیو ورلڈ آرڈر ---- "شیطانی آیات کی تحریک ماضی کے آئینے میں" از امجد حیات ملک)

"شاتم رسولؐ سلمان رشدی کو امریکہ کی شہ" کے عنوان سے پروفیسر شمیم اختر، سابق چیئرمین شعبہ بین الاقوامی تعلقات جامعہ کراچی لکھتے ہیں:

"یہ سب تو معلوم تھا کہ امریکہ اور اس کا استعماری ٹولہ مسلمانوں کے دشمن ہیں مگر یہ اب پتہ چلا ہے کہ وہ اسلام دشمنی میں اس حد تک گر سکتے ہیں کہ کھلے عام ناموس رسولؐ پر حملہ کرنے والے کو نہ صرف پناہ دیں گے بلکہ اس کی ہمت افزائی کریں۔ شاہ ایران کی معزولی کے بعد امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے اپنے پٹھو کو اپنی سرزمین میں پناہ تک دینے سے انکار کر دیا تھا۔ شیطانی آیات کا رسوائے زمانہ مصنف سلمان رشدی، جو پانچ سال سے کسی مفرور اور روپوش مجرم کی طرح عبرتناک زندگی بسر کر رہا ہے، برطانیہ کے لیے اب ایک ایسا بوجھ بن گیا تھا جسے برطانیہ کا وزیر اعظم غلاظت کے ڈھیر کی طرح اپنی سرزمین سے دور پھینکنا چاہتا تھا۔ سو امریکہ سے بہتر اور کون سی سرزمین ہو سکتی تھی۔ جان میجر کو اپنے ملک کی چار سالہ تاریخ تو یاد ہو گی۔ (گو اس کی تعلیم تھرڈ کلاس میٹرک تک کی ہے) کہ کس طرح برطانوی حکومت خطرناک مجرموں کو عبور دریائے شور کی سزا دے کر اپنی نئی نو آبادی یعنی امریکہ بھیج دیتی تھی۔ آج تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

دراصل صدر کلنٹن سے رشدی کی ملاقات دنیائے اسلام کو ایک کھلا چیلنج ہے۔ رشدی کا اپنا تو کوئی وجود ہے نہیں، وہ بے چارہ تو ایجنٹ ہے اور وہ بھی کسی گھسے پٹے ریکارڈ کی طرح۔ ہم تو مشاہدے اور تجربے سے ابھی یہی سمجھتے آئے تھے کہ دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور مملکت کا صدر بڑا عدیم الفرصت ہوتا ہو گا اور ایسا نظر بھی آتا ہے۔ صدر جارج بش نے کئی مہینہ تک پاکستان کی سابقہ سفیر جناب سیدہ عابدہ حسین کو اسناد سفارت پیش کرنے کے لیے اپنے دربار میں رسائی کا موقع نہیں دیا اور جب امریکی صدر کی گستاخی پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو یہ بتایا گیا کہ یہ تو وہاں کا معمول ہے اور امریکی صدر اس قدر مصروف رہتا ہے کہ غیر ممالک کے سفراء کو مہینوں شرف

باریابی حاصل نہیں ہوتا اور اس ضمن میں متعدد ریاستوں کے سفیروں کے نام بتائے گئے تھے۔

لیکن سلمان رشدی کو ایسی کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ وہ امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر کے ساتھ ایک گھنٹہ رہا۔ یاد رہے کہ اس وارن کرسٹوفر نے پاکستان کے سابق وزیراعظم کے خصوصی معاون اور ایلچی چودھری نثار علی اور نائب وزیر خارجہ مسٹر کانجو سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ پاکستانی مندوبین کرسٹوفر سے موسم' بیس بال یا پاپ میوزک پر بات چیت کرنے نہیں گئے تھے بلکہ پاکستان کو دہشت گرد قرار دینے کے یکطرفہ امریکی فیصلہ کے مسئلہ پر گفت و شنید کرنے گئے ہوئے تھے اور بے چارے بے عزت ہو کر خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ اس پر ساری قوم کی ہتک ہوئی۔ جب یہ معلوم تھا کہ امریکہ کا فیصلہ کسی سازشی منصوبہ کا حصہ تھا تو امریکہ کو صفائی دینے کے لیے سات سمندر پار جانے کی کیا ضرورت تھی۔

امریکہ جانے سے پہلے پناہ کی تلاش میں رشدی مارا مارا پھرتا رہا۔ جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے' وہ برطانوی وزیراعظم جان میجر سے ملا' پھر کینیڈا' پرتگال' آئرلینڈ' ہالینڈ اور اسکینڈے نیویا کے خاک چھانتا پھرا اور وہاں کے حکمرانوں سے پناہ کا طالب رہا مگر ان روباہ صفت افراد کو بخوبی معلوم تھا کہ اگر انہوں نے اسے پناہ دینے کی غلطی کی تو ان کی سرزمین ایک ارب کلمہ گو نفوس (جو تمام کرہ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں) کے غیظ و غضب کا ہدف بن جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے "شیطانی آیات" کے مصنف کو شیطان بزرگ کے پاس بھیج دیا ---- اس طرح ایک بار پھر امریکہ کی اسلام دشمنی منظر عام پر آ گئی۔

ملنے کو تو کلنٹن نے رشدی سے مل لیا اور جب حسب توقع ساری دنیا سے مسلمانوں کی صدائے احتجاج بلند ہوئی تو صدر امریکہ نے یہ صفائی پیش کی کہ اس ملاقات سے مسلمانوں کی ہتک یا دل آزاری مقصود نہ تھی بلکہ یہ آزادی تحریر کی حمایت کا اظہار تھا۔ یہ بڑی طفلانی یا احمقانہ بات ہے کیونکہ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ رسول ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی ہجو کرنے والے کی ہمت افزائی کر رہا ہے اور ساتھ ہی یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اسے صبر و تحمل سے برداشت کریں۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس معاملے میں اس کا پیش رو جارج بش زیادہ شاطر اور مکار نکلا۔ اس نے در پردہ اور سفارتی سطح پر سلمان رشدی کی بھرپور حمایت کی مگر رشدی کو منہ نہیں لگایا۔

کلنٹن سے ملاقات کے بعد رشدی بڑا نہال تھا اور یہ بیان دیا کہ وہ اپنے میزبان کی گرمجوشی اور دوستی سے بہت متاثر ہوا اور ملاقات کو اپنے موقف کی سیاسی حمیت پر محمول کرتے ہوئے یوں کہا "اب مجھے دنیا کے سب سے بڑے ملک کی حمایت حاصل ہو گئی ہے اور اب اس کے بل بوتے پر اسے ایران پر دباؤ ڈالنے کے لیے دوسرے ممالک کا تعاون حاصل ہو جائے گا۔" بالفاظ دیگر وہ

اس فتوے کو منسوخ کرانے میں کامیاب ہو جائے گا مگر ایں حیات است و محال است و جنون است۔

جب امریکی صدر بل کلنٹن نے رشدی کو واشنگٹن دعوت دی تو وہائٹ ہاؤس میں سکیورٹی کا انتظام اتنا ہی سخت تھا جتنا اس موقع پر تھا جب اسرائیل کا سابق وزیر اعظم اسحاق رابن' یاسر عرفات اور صدر حسنی مبارک 'اوسلو معاہدے پر دستخط کرنے وہائٹ ہاؤس وارد ہوئے تھے۔

ہندو انتہا پسند جماعت شیو سینا نے بھارت میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے' سانحہ بابری مسجد اور ہندو مسلم فسادات میں اس جماعت کے مسلح انتہا پسند ہر وقت مسلمانوں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ شیو سینا کے سربراہ بھال ٹھاکرے اسلام دشمنی میں اندھے ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے کارکنوں کو مسلمانوں کی املاک لوٹنے اور ان پر حملہ کرنے کی ہدایت دیتے رہتے ہیں۔

سید شاہ محمد قادری اپنی کتاب میں مولانا محمد علی جوہر کی اسلامی غیرت و حمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک خود میرا تعلق ہے' مجھے نہ قانون کی ضرورت ہے' نہ عدالتوں کی حاجت' اگر کوئی ہندوستانی بھائی اس قدر شقی القلب ہے کہ مجھ سے تو ایک معمولی جانور کا تقدس منوا کر اس کے متمتع ہونے کے حق میں میری دست برداری کا طالب ہے' لیکن انسان جو اشرف المخلوقات ہیں' ان میں سے سب سے اشرف نبی سرور کونین' اور باعث تکوین دو عالم کا جو تقدس میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے' اس کا اتنا پاس بھی نہیں کرتا کہ اس برگزیدہ ہستی کی توہین کر کے میرے قلب کو چور چور کرنے سے احتراز کرے تو ہندوستان کو اس غلامی سے نکالنے کے لیے' جس میں وہ آج مبتلا ہے اور جو گاؤ پرست ہندوؤں کے وجود سے کہیں زیادہ ہمارے مذہب اور ہماری ملت کی بے حرمتی کا سبب ہے' مجھ سے جہاں تک صبر ہو سکے گا' صبر کروں گا اور جب صبر کا جام لبریز ہو جائے گا تو اٹھوں گا اور یا تو اس گندہ دل' گندہ دماغ' گندہ دہن کافر کی جان لے لوں گا یا اپنی جان اس کوشش میں کھو دوں گا۔"

(مولانا محمد علی جوہر' "آپ بیتی اور فکری مقالات" از سید شاہ محمد قادری ص ۲۳۲)

وحید الدین خان "شہادت حق" کے طنزیہ عنوان سے مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مولانا محمد علی جوہر (۱۹۳۱ء-۱۸۷۸ء) مشہور سیاسی لیڈر ہیں۔ وہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۳۰ء تک برصغیر کی سیاست پر چھائے رہے۔ وہ ہندوستان کو انگریز کے سیاسی اقتدار سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے بہت سے پرجوش واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر کی آخر عمر میں لندن میں پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ہوئی۔ وہ سمندری سفر کرکے وہاں پہنچے۔ ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو انہوں نے کانفرنس میں ایک "معرکتہ الارا" تقریر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے کہا کہ واحد چیز جس کو لینے کا میں نے تہیہ کر رکھا ہے وہ مکمل آزادی ہے۔ میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔ میں اس کو پسند کروں گا کہ میں باہر کے ایک ملک میں مر جاؤں۔ جب کہ وہ ایک آزاد ملک ہو اور اگر آپ ہم کو ہندوستان میں آزادی نہیں دیتے تو مجھے یہاں انگلینڈ میں آپ کو ایک قبر کی جگہ دینی پڑے گی۔

The only thing to which I am committed is complete independence, I will not go back to a slave country. I would prefer to die in a foreign country. So long as it is a free country. And if you do not give us freedom in India, you will have to give me a grave here. (in England).

مذہبی آزادی کے اعتبار سے یہ الفاظ بڑے شاندار معلوم ہوتے ہیں مگر مذہب توحید کے اعتبار سے یہ بالکل بے قیمت ہیں۔ آزادی اور سیاست کے مذہب میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی قوم آزاد ہے یا محکوم۔ مگر مذہب توحید میں اس نوعیت کی تقسیم محض اضافی ہے۔

مذہب توحید (یا اسلام) کے نقطہ نظر سے ساری اہمیت آخرت کی ہے۔ مومن کو سب سے زیادہ جس بات کا احساس ہوتا ہے وہ یہ کہ لوگ جہنم سے بچیں اور جنت کے راستہ کو اختیار کریں۔ قومی سیاست کو لے کر اٹھنے والے آدمی کی نظر میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ آزادی اور محکومی کا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مومن کی نظر میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ جنت اور جہنم کا ہوتا ہے۔ وہ دوسری تمام باتوں کو نظرانداز کرکے اسی ایک بات پر اپنی ساری توجہ لگا دیتا ہے۔ کیوں کہ

حقیقی مسئلہ صرف وہ ہے جو ابدی زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔ باقی تمام مسائل اضافی اور غیر حقیقی ہیں۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں مولانا محمد علی کی تقریر شہادت غیر حق کی مثال ہے۔ انہوں نے انگریزوں کے سامنے یہ گواہی دی کہ سیاسی محکومی سے نجات سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

(ماہنامہ "الرسالہ" نومبر ۱۹۹۰ء' ص ۱۴-۱۵)

وحید الدین خاں، علماء و دانشوروں کی نظر میں

محمد متین خالد

استعماریت کی گود میں پلنے والے بھارتی نژاد وحید الدین خاں کے دل و دماغ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تعصب کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ پروپیگنڈا کے فن اور اس کے داؤ پیچ میں شیطان بھی ان کے روبرو صرف ایک مبتدی نظر آتا ہے۔ ان کے فرمودات سے ہٹ کر سوچنا یا عمل کرنا ان کے نزدیک خودکشی کے مترادف ہے۔

فکری انتشار میں مبتلا وحید الدین خاں کے نزدیک قومی غیرت، عزت، جہاد، شہادت، مرد مومن کا تصور، خودی، تائید غیبی، قوت ایمان، تحفظ ناموس رسالت ﷺ، اسلامی بنیاد پرستی ایسی تراکیب فرسودہ اور ناقابل عمل ہیں۔ وہ روشن اسلامی تاریخ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

مجھ کو بھی پڑھ کتاب ہوں، مضمون خاص ہوں
مانا تیرے نصاب میں شامل نہیں ہوں میں

وحید الدین خاں کبھی حضور نبی کریم ﷺ کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں، کبھی وہ شان رسالت ﷺ میں توہین کرنے والے کو "آزادی تحریر و تقریر" اور "حقوق انسانی" کے تحت نظر انداز کر دینے کا فتویٰ سناتے ہیں۔ کبھی وہ صحابہ کرام پر ناروا تنقید و تنقیص کرتے ہیں، کبھی وہ صلاح الدین ایوبی، ٹیپو سلطان اور سید احمد شہید ایسے مجاہدین اور محسنین ملت کے بارے میں سوقیانہ تحریریں رقم کرتے ہیں۔ کبھی وہ اورنگ زیب عالمگیر، سید جمال الدین افغانی، سید قطب شہید، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے ایسے مجددین و مصلحین اور مفکرین کی دعوتی و اصلاحی جدوجہد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کبھی وہ بھارت میں بابری مسجد کے انہدام اور فرقہ ورانہ فسادات کا ذمہ دار صرف اور صرف مسلمانوں کو ٹھہراتے ہیں، کبھی وہ مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبالؒ، الطاف حسین حالی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور قائداعظم محمد علی جناح ایسے جید راہنماؤں پر تنقید و استہزاء کرتے ہیں۔ کبھی وہ کشمیر، فلسطین، بوسنیا، کوسوو، چیچنیا اور اریٹریا میں مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو ناپسندیدہ اور قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

کبھی وہ دشمنان اسلام راجپال، مرزا قادیانی، سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین وغیرہ کی دل آزار اور اشتعال انگیز تحریروں کے خلاف جدوجہد کو وحشیانہ اور مجنونانہ قرار دیتے ہیں۔ کبھی وہ

اجتہاد کے نام پر الحاد پھیلانے کی ناکام سعی کرتے ہیں، کبھی وہ غازی علم الدین ایسے شہیدان ناموس رسالت ؐ کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ کبھی وہ اسلام کے درخشندہ ماضی پر نادم اور رنجیدہ نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد کو سازش قرار دیتے ہیں، کبھی وہ تقسیم پاکستان کو غلط قرار دیتے ہیں، کبھی وہ اکھنڈ بھارت کا مژدہ سناتے ہیں، کبھی وہ بال ٹھاکرے، گورو گولوالکر، آر ایس ایس کے اور وشوہندو پر د۔شد ایسی انتہائی متعصب ہندو لیڈروں اور جماعتوں کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ اسلامی فقہ اور اسلامی علوم کی بنیادی کتابوں کو دریا میں ڈبو دینے کا حکم فرماتے ہیں، کہیں وہ دین اکبری کے خالق اکبر بادشاہ کی اسلام دشمن پالیسیوں اور ملحدانہ رجحانات کے علمبردار اور حمایتی نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ ملت اسلامیہ کو تحریف شدہ دین پر کھڑی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ کبھی وہ مسلمانوں کو بابری مسجد، مسلم پرسنل لاء سمیت اپنے تمام حقوق و مطالبات سے دست بردار ہو جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔

کبھی وہ مذہبی تہذیب کو اسلام کی معاون اور موید کہتے ہیں۔ کبھی وہ "دین کے مکمل ہونے اور اس کے قیام کی جدوجہد کو سب سے بڑا فتنہ سمجھتے ہیں۔ کبھی وہ سیکولرازم کو دین کے لیے سازگار قرار دیتے ہیں۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ گاندھی وقت کے سب سے بڑے مجتہد تھے۔ کبھی کہتے ہیں کہ علماء اسلام سو سال تک جہاد کے نام پر خونیں عمل میں مصروف ہیں۔ کبھی وہ جہاد کے اسلامی تصور سے انکار کرتے ہیں اور اسے خودکشی کا نام دیتے ہیں۔

دولت کے لیے ظرف و ضمیر بیچ دینے والے مادر پدر آزاد شیطان کی اولاد ہوتے ہیں۔ وحید الدین خاں اپنے فنکارانہ گیٹ اپ میں ایسا تکنیک کار اور شعبدہ باز ہے جو جھوٹ کو سچ میں بدل دینے کا ماہر ہے۔ ان کا ذہن خباثت کی عمل گاہ ہے۔۔

اب ہوا معلوم تیرا تجزیہ کرنے کے بعد
تو ہے اک شیطان ثانی آدمی کے روپ میں

نامور اور جید دانشوروں نے "وحید الدین خاں" کی اسلام دشمن تحریروں کا بڑی خوبصورتی کے ساتھ پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ ذیل میں ایسی ہی فکر انگیز تحریروں کا انتخاب پیش خدمت ہے۔

مولانا خبیب الرحمٰن اپنی کتاب "زاد مجاہد" میں "وحید الدین خاں کی اسلام دشمنی" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تصویر کا ایک دردناک پہلو تو یہ ہے کہ ہندو اپنے بے بنیاد مذہب کو اب بڑھا چڑھا کر پیش

کر رہے ہیں۔ جبکہ مسلمان اپنے عظیم اور شاہانہ مذہب کو چھپا چھپا کر پیش کرتے ہیں۔ معلوم نہیں حالات کی مجبوری ہے یا ایمان کی کمزوری۔

حقیقی اسلام سے بے خبری ہے یا پھر دشمنوں کا آلہ کار بننے کا شوق کہ ہندوستان میں ایسے مصنفین، مفکرین اور دانشور پیدا ہو گئے ہیں جو اسلام کو بری طرح سے مسخ کر کے پیش کر رہے ہیں اور اسلام کے تابناک ماضی کو اس طرح سے معذرت خواہانہ انداز میں پیش کر رہے ہیں جیسے نعوذ باللہ ہمارے اسلاف نے جہاد کر کے جرم عظیم کیا تھا اور آج ان بے چاروں کو مشرکین کے سامنے بڑی شرمندگی اٹھانی پڑ رہی ہے اور وہ معذرت کرنے پر مجبور ہیں۔

ان مصنفین کے سرخیل وحید الدین خان ہیں جنہوں نے اسلام کی تحریف میں مرزا قادیانی، چکڑالوی اور پرویز کی برابری کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ ہندوستان کے وہ نامور مصنف ہیں جن کا فتویٰ ہے کہ چوتھی صدی کے بعد مسلمانوں نے اجتہاد چھوڑ دیا۔ بالاخر مہاتما گاندھی نے اجتہاد کے اس بند دروازے کو کھولا۔ یہی وہ بہادر انسان ہیں جنہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ جب ہندو مسلح بلوائی کسی مسلمان بستی پر حملہ کریں تو مسلمانوں کو ہرگز ان کا مقابلہ کرنے کا گناہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر آیت کریمہ کا ورد کرنا چاہیے۔ ہندوستان میں جب بابری مسجد شہید کی گئی اور اس سانحے کے غم میں پوری امت مسلمہ تڑپ رہی تھی اور مسلمان اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق غم وغصے کا اظہار کر رہے تھے تو وحید الدین خان کو غصہ آ رہا تھا اور وہ مسلمانوں کو سمجھا رہے تھے کہ رونے، چیخنے اور شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟ بابری مسجد کا گرنا تقدیر کا فیصلہ اور فطرت کا حکم تھا۔ ہمیں یہ سب خوشی خوشی سہہ لینا چاہیے اور خواہ مخواہ غم نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وحید الدین خاں ہیں جو ہر چوتھے دن ہندوستان ٹیلی ویژن پر آ کر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ بوسنیا سے لے کر کشمیر تک اور تاجکستان اور افغانستان الغرض پوری دنیا میں مسلمانوں نے انارکی اور دہشت پھیلا رکھی ہے اور اس وقت دنیا میں کہیں بھی جہاد نہیں ہو رہا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو تو جہاد کے متعلق سوچنا بھی گناہ ہے۔

وحید الدین خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عالم دین اخلاق حسین قاسمی جنہیں وحید الدین خاں سے بقول ان کے کچھ اختلافات بھی ہیں مگر ان کی رائے میں بھی حضورؐ کے تمام غزوات یا تو دفاعی تھے یا وہ سرے سے غزوات نہیں تھے بلکہ امن مشن کے وفود تھے۔ اس طرح کچھ مسلمان مفکرین نے اس موضوع پر تحقیق شروع کر دی ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں ہے 'نعوذ باللہ وہی کچھ ہندوؤں کی مقدس کتابوں "رامائن" اور "مہابھارت" میں بھی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ایک تازہ تحقیق (سورہ فاتحہ اور مہامنتر) کے نام سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور اس

کے مسلمان مصنف کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا گیا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ متعصب ہندوؤں نے ہندوستان کو اکھنڈ بھارت اور "رام راج" بنانے اور یہاں سے اسپین کی طرح مسلمانوں کے مکمل صفایا کا جو پروگرام بنایا ہوا ہے، یہ مصنفین اور دانشور اسی پروگرام کی تکمیل کے لیے میدان بنا رہے ہیں اور مسلمانوں میں سے جذبہ جہاد کھرچ کھرچ کر نکال رہے ہیں اور انہیں دنیا بھر کے مسلمان مجاہدین سے بدظن اور مایوس کر رہے ہیں تاکہ کل جب "صفایا پروگرام" شروع ہو تو مسلمان مزاحمت نہ کر سکیں۔ پورا غور و فکر کرنے اور ہر طرح کے حسن ظن رکھنے کے باوجود اس کے علاوہ ان مصنفین کے ملحدانہ پروپیگنڈے کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی"۔ ("زاد مجاہد" از حضرت خبیب مدظلہ)

معروف کالم نویس صحافی جناب حافظ شفیق الرحمٰن اپنے کالم "مظلوموں سے اظہار یکجہتی اور اسلامی مرکز نیو دہلی" میں لکھتے ہیں:

"ماہ و سال کی گردشوں اور لیل و نہار کی کروٹوں نے کیا کیا گل نہیں کھلائے؟ کیا کیا عجوبے اور تماشے نہیں دکھائے؟ ہم تو اس عصر زوال میں سانس لے رہے ہیں جس میں مولانا وحید الدین خان جیسے "جدیدیت زدہ مجدد" دہلی، یروشلم اور واشنگٹن کے آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کی خاطر کشمیر، فلپائن، چیچنیا، بوسنیا اور فلسطین کے مظلوم مسلم عوام کو چڑھتے سورج کی پوجا اور طاقت کے استھان پر سیس جھکانے کے بھاشن دے رہے ہیں ----- یہ وہ پر آشوب اور بے نور عہد ہے جس میں بے بصیرت "سیکولر اسلامی" دانشور مظلوموں کو سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کرنے اور تلوار اٹھانے کا درس دینے کی بجائے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانے اور پاؤں پڑ جانے کی تلقین کر رہے ہیں ----- وہ سامراج کی مذموم توسیع پسندی کو پولیٹیکل اگریشن (سیاسی جارحیت) کی بجائے سائنٹیفک ایڈوانس منٹ "علمی اقدام" قرار دے رہے ہیں ---- اسلامی مرکز نیو دہلی کی دار الافتاء کی ٹکسال دھڑا دھڑ اس عنوان کے فتوے ڈھال رہی ہے کہ سامراجیوں کی بالادستی کو وقتی طور پر گوارا کر لو۔

یہ بات عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ لوگ جو بزعم خویش ارسطوئے زماں اور سقراط دوراں بنے پھرتے ہیں، گنتی کے چند غیر ملکی دوروں اور ڈالروں کے عوض کیونکر اپنے ضمیر، فکر اور ذہن کو سامراج کے بخشی خانے میں گروی رکھ دیتے ہیں۔ وحید الدین خاں جیسے خام کار دانشور، غلامی نے جن کا ضمیر تک بدل کر رکھ دیا ہے ----- دنیا میں مبلغ ایک عدد سجدے کی اجازت مل جائے تو سمجھتے ہیں کہ اسلام آزاد ہے۔

سب جانتے ہیں کہ دنیا کی اکلوتی برہمنی ریاست بھارت کا مہاجنی ذہنیت رکھنے والا ہندو سرمایہ دار اور صنعت کار صرف اور صرف "رام راج" کے خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ "بزور بازو اور بزور زر" "ہندو استھان" اور اکھنڈ بھارت کے برہمن گڑھ سے مسلمان کو بیک بنی و دو گوش نکال باہر کیا جائے۔ اس کا مذہبی عقیدہ ہے کہ اس ملیچھ نے دھرتی ماتا کی پوترتا کو بھرشٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے نزدیک مسلمان ہونا مہاپاپ ہے۔ اس پاپ کی سزا یہ ہے کہ مسلمان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے، حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے---- بابری مسجد تو فقط ایک استعارہ ہے اور اس کا انہدام محض ایک اشارہ ہے۔ وہ تو اس حد تک تنگ نظر اور متعصب ہے کہ ہندوستان میں موجود ہر مسجد کو "منی پاکستان" اور اسلامی مرکز سمجھتا ہے۔ اس لیے ہر مسجد اور اسلامی مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا اس کا نصب العین ہے---- اب یہ راز کوئی راز نہیں رہا کہ اس نصب العین کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ جنونی ہندوؤں کی مسلح دہشت گرد تنظیموں کو کھلے بندوں دھن، دولت اور سرمایہ فراہم کر رہا ہے۔

خامہ انگشت بدنداں اور ناطقہ سربگریباں ہے کہ وہ ہندو سرمایہ دار جو کسی مسلمان کو ایک پھوٹی کوڑی اور کھوٹا سکہ تک دینے کا روادار نہیں، آخر کن خدمات اور کارہائے خفی و جلی کے عوض نیو دہلی کے "اسلامی مرکز" اور اس کے "سیکولر اسلامی" دانشوروں کے نان نفقے کا کفیل اور راتب کا ضامن بنا ہوا ہے---- "چمڑی جاتی ہے تو جائے، دمڑی نہ جائے" کے اصول پر سختی سے کاربند یہ لکشمی داس جب کسی کو رتی بھر تانبے کی ایک دمڑی بھی دان کرتے ہیں تو بدلے میں اس کی رگوں سے تولہ بھر سونا کشید کرنے کا فن اور گر جانتے ہیں۔ اب کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان "رام راجی" دھیلا کپوروں اور چونی راموں نے "اسلامی مرکز" کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کیوں کھول رکھے ہیں----؟ اور سیکولر اسلامی دانشوروں پر دھن برس رہا ہے تو کس لیے؟" (روزنامہ "دن"، لاہور، ۱۶ فروری ۱۹۹۸ء)

مولانا سید وصی مظہر ندوی اپنے ایک مضمون "مولانا وحید الدین کے خواب، دعوا ایمپائر کا جائزہ---- قرآن کی روشنی میں" میں لکھتے ہیں:

"آخر میں چاہتا ہوں کہ دعوا ایمپائر کے ان خوش نما کاموں پر ایک نگاہ پھر ڈال لی جائے، جو مولانا وحید الدین خاں نے گنوائے ہیں۔ یہ دراصل وہی کام ہے جو مغربی استعمار کے زیر سایہ اس استعمار کے غلام ملکوں میں عیسائی مشنریز انجام دینے کی کوشش کرتی تھیں۔ ان کوششوں کا مقصد عیسائیت کی تبلیغ نہیں تھا بلکہ غلام اقوام میں دو غلے لوگ پیدا کرنا تھا، جو اپنی قوموں میں استعماری

طاقتوں کے آلہ کار بن کران کے اقتدار کو طول دینے میں معاون ثابت ہوں۔ اسی مقصد کے لیے یہ استعماری طاقتیں ان عیسائی مشنریز کے کام کے لیے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کرتی تھیں۔ چنانچہ پادریوں کی غیر معمولی عزت و تکریم، وسائل اور سہولتوں کی فراہمی اور تمام انتظامی رکاوٹوں کو دور کرنے کا خصوصی اہتمام استعماری حکومتوں کا شیوہ رہا ہے۔

ٹھیک اسی مقصد کے حصول کے لیے برطانوی استعمار نے جھوٹی نبوت کے اس قادیانی فتنے کی سرپرستی کی جو جہاد بالسیف کے خاتمہ اور انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کے دو ستونوں پر استوار کیا گیا تھا اور جس نے آج دنیا بھر میں اپنی "دعوا ایمپائر" قائم کرنے کی جدوجہد، یہودو ہنود اور مغرب کی اسلام دشمن قوتوں کی مدد اور سرپرستی میں جاری رکھی ہے۔

مولانا وحید الدین خان معاف فرمائیں کہ انہوں نے قادیانیوں کے اسی مصرعہ کو اٹھا کر اپنا دوغزلہ تیار کر دیا ہے۔ نمائندہ قادیان کی طرح اسرائیل کا دورہ وہ کر آئے ہیں اور اس کی طرف سے ان کو بھی بڑی پذیرائی ملی ہے۔---- ہندو مولانا کے کام کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ ان کو اپنے مذہبی پروگراموں اور مذاکروں میں بلاتے ہیں اور اب بڑے پیمانے پر ان کی کتب کی اشاعت میں امریکہ کی آشیرباد کا سراغ بھی نظر آنے لگا ہے۔ اس موقع پر، میں ان کو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف توجہ دلاؤں گا، جس ارشاد میں اس قسم کی کوششیں کرنے والوں کے چہرے سے نقاب الٹ دی گئی ہے اور ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے:

ترجمہ: "منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ منافق جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست یا سرپرست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں (تو ان کو معلوم ہونا چاہیے) کہ بے شک عزت تو ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے"۔ (سورہ نساء، آیت ۱۳۹-۱۳۸)

(ہفت روزہ "تکبیر" کراچی، ۳ ستمبر ۱۹۹۸ء)

صاحب طرز ادیب اور معروف دانشور جناب صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی اپنے خصوصی مقالہ میں لکھتے ہیں:

"مولانا (وحید الدین خاں) کی تمام تحریریں پڑھنے کے بعد ان کا نقطہ نظر یہ معلوم ہوتا ہے:

اولاً: اقامت دین بذات خود ایک غیر مطلوب عمل ہے۔

ثانیاً: اس ضمن میں کی جانے والی تمام اگلی اور پچھلی کوششیں نہ صرف رائیگاں بلکہ قابل مذمت ہیں اور ان سے اسلام کو نقصان پہنچا۔

ثالثاً: اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی متکلم، کسی مجدد، کسی مجتہد، کسی مصنف اور کسی مورخ نے وہ کام سرے سے کیا ہی نہیں جو کرنے کا کام تھا۔

رابعاً: اسلامی سیاست کا قیام، اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی سیاست کا غلبہ قطعی طور پر خدا اور رسول کا مطالبہ اور اسلام کا تقاضا نہیں۔

خامساً: اسلام عزیمت کی جگہ رخصت، اقامت کی جگہ دعوت، مزاحمت کی جگہ مفاہمت مجاہدانہ عمل کی جگہ ذہنی و فکری دنگل کو ترجیح دیتا ہے۔

سادساً: گزشتہ دو صدیوں میں کام کے صرف دو آدمی نکلے ہیں، ایک سرسید احمد خان اور دوسرے مرزا غلام احمد قادیانی۔ کیونکہ انہوں نے Resentment کی بجائے Adjustment کا نعرہ لگایا۔

سابعاً: کامیابی کا راز اس امر میں ہے کہ خصوصاً اہل یورپ اسلام کے جس ایڈیشن کے بارے میں مطمئن ہوں، وہی ایڈیشن تیار کیا جائے۔ اس سے دعوت کے تمام راستے کھل جائیں گے اور ساری دنیا اسلام کی طرف لپک پڑے گی۔

ان کے علاوہ کچھ باتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر خلاصہ بہرحال یہی بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ ساتوں نکات اسلام کے کسی ہمدرد اور خادم کا ایجنڈا ہو سکتا ہے یا اسلام مخالف قوتوں کا چارٹر؟............

اگر کسی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ سخت کشان عشق کی راہ کی گرد راہ بن سکے تو یہ کہاں ضروری ہے کہ راستے میں کانٹے بچھانے کا فریضہ اپنے ذمے کر لے؟

مولانا کی ایک دل پسند اصطلاح ہے کہ ہر کام کرتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ نتیجہ رخی (Result Oriented) ہے کہ نہیں؟ یہی بات ان سے پوچھی جا سکتی ہے کہ آپ کی اس ساری کد و کاوش کا ثمر کس کی جھولی میں جا رہا ہے؟ اس تحریک سے فائدہ کن قوتوں کو پہنچ رہا ہے؟ اس اپروچ پر کون سا گروہ داد دے رہا ہے؟ یہ فکری و ذہنی بجلیاں کس کے خرمن پر گر رہی ہیں؟ یہ پائے استدلال کس طبقے کو سہارا فراہم کر رہا ہے؟ اور ان کی اپنی پوری تاریخ کی نفی کس کی تہذیب کو اثبات دے رہی ہے؟.........

سرسید ہوں یا مولانا وحید الدین خان، دونوں فرنگ کے شیشہ گروں کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتے ہیں اور فرنگیوں کا احسان اٹھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سفال ہند سے کبھی مینا و جام پیدا کرنے کی امنگ ان کے دل میں انگڑائی نہیں لیتی۔ فرنگیوں کا فسوں ایک حقیقت سہی مگر خود کو اس قدر زار و زبوں بنا لینا کہ چنگا بھلا آدمی موم کی گڑیا بن جائے۔ یہ کہاں کی دانشمندانہ حکمت عملی

ہے؟ مولانا یورپ سے مفاہمت کے بے پناہ بلکہ اچھلتے ہوئے جذبے سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ وہ کمرشل انٹرسٹ کو سود سمجھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ سلمان رشدی کی ہفوات کو آزادی فکر کا عنوان دے دیتے ہیں اور مغرب کے ذہنی پیمانوں کو حق و باطل کی میزان قرار دینے پر آ جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے بعد اگر کوئی خوش حالی آتی ہے تو اس مانگی ہوئی جنت سے ہمیں دوزخ کا عذاب گوارا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ قومی ترقی ہوگی۔ اسلامی اصول و عقائد کی تنزلی کی قیمت پر قومی ترقی ایک سیکولر انداز فکر تو ہو سکتا ہے۔ اسے اسلامی دعوت اور اس کے فروغ کا نام دینا بہت بڑی جسارت ہے۔"

(ہفت روزہ "تسخیر" لاہور یکم جون تا ۷ جون ۱۹۹۷ء)

جناب غزل کاشمیری' وحید الدین خان کی کتاب "فکر اسلامی" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وحید الدین خان آج بھی مسلمانوں کے مصائب کا ذمہ دار کلیتہً خود انہیں کو قرار دیتے ہیں۔ مانا کہ مسلمانوں کے مصائب میں ان کی اپنی کوتاہیوں کا بھی دخل ہے' مگر کیا ان کی مخالف قوتیں "معصوم" ہیں؟ فلپائن' چیچنیا' کشمیر اور بوسنیا کے مسلمانوں کی جدوجہد میں انہیں صرف مسلمانوں کی طرف سے "خونیں جہاد" کا تصور کارفرما نظر آتا ہے۔ یقیناً ان خطوں کے مسلمانوں نے اپنے بنیادی حقوق کے لیے استحصالی قوتوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے ہیں مگر ان میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو زندگی بھر سیکولرازم کے داعی رہے' اور تجربے سے ان پر واضح ہوا کہ نو آبادیاتی حکمرانوں کے گن گانے سے ذاتی فائدہ تو حاصل ہو سکتا ہے مگر بحیثیت جماعت ان کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔

حیرت ہے کہ وحید الدین خان کو بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف سرب جارحیت نظر نہیں آئی اور وہ لوگ بھی ان کے نزدیک مورد الزام نہیں جنہیں آج "جنگی مجرم" قرار دیا جا چکا ہے۔ جنوبی فلپائن کے مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور مرکزی حکومت کی وہ ظالمانہ پالیسیاں بھی وحید الدین خان کے پیش نظر نہیں جنہیں فلپائن کی مرکزی حکومت بدلنے کا عندیہ دے چکی ہے۔ چیچنیا کی جس جدوجہد اور احتجاج میں روسی حکمرانوں کو وزن محسوس ہوتا ہے' افسوس کہ وحید الدین خان کی "جہاد دشمنی" اسے قابل اعتناء خیال نہیں کرتی۔

وحید الدین خان کی یہ "جہاد دشمنی" کیوں ہے؟ اس لیے کہ جہادی تحریکوں کے نتیجے میں مغربی میڈیا اسلام کو ایک ناروا مذہب (Intolerant Religion) قرار دے رہا ہے۔

ان کا مشورہ ہے کہ "اسلام کی از سر نو تشکیل کر کے یا اس میں تغیر و تبدل کر کے اس کو روادار مذہب بنایا جائے' ورنہ دنیا اسے رد کر دے گی۔ (ص ۸۰)"

کیا مغربی میڈیا کا رویہ مبنی بر دیانت ہے؟ کون نہیں جانتا کہ مغربی میڈیا کی پالیسی حق و انصاف پر نہیں بلکہ مغربی استحصال پسندوں کے مفادات پر مبنی ہے۔ چند سال پہلے تک افغان مجاہدین کی سرگرمیاں بہت اچھی تھی۔ وہ بہت عظیم تھے کہ اپنی آزادی کی حفاظت کے لیے سوویت غاصبوں سے لڑ رہے تھے' مگر جب سوویت یونین کی فوجیں نکل گئیں تو جہاد افغانستان میں "جنگجویانہ اسلام" دریافت کیا جانے لگا۔ وحید الدین خان نے مغربی میڈیا اور علمی حلقوں کے بارے میں معروضی انداز اختیار کرنے کے بجائے ان کے وکیل کا کردار اختیار کیا ہے۔ انہوں نے یہ تو بتایا ہے کہ "دور جدید کے دانشور خطرہ اسلام (Threat Of Islam) جیسی کتابیں لکھ کر شائع کر رہے ہیں۔ مگر وہ اہل قلم ان کے مطالعہ میں نہیں آ سکے جن کے نزدیک مسلمان معاشروں میں احیائے اسلام کی تحریکوں کو مغرب مخالف کہنا محض واہمہ ہے۔ اس سلسلے میں جان اسپو سیٹو' جے۔ ہیلر' گراہم فلر اور فریڈ ہیلے ڈے چند معروف نام ہیں۔"

(ششماہی "نقطہ نظر" اسلام آباد' اکتوبر ۱۹۹۷ء تا مارچ ۱۹۹۸ء)

ڈاکٹر مولانا سید عبداللہ عباس ندوی سابق استاد ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ لکھتے ہیں

"آزادی کی تعریف یہ ہے کہ دوسروں کی آزادی مجروح نہ ہو۔ کروڑوں انسانوں کے قلوب کو مجروح کر دینا آزادی نہیں ہے۔

وحید الدین خان اس بات کو نہیں سمجھے اور وہ آزادی تقریر کا پیدائشی حق ایسے شخص کو دینا چاہتے ہیں جو دوسروں کی آزادی پر حملہ آور ہے۔ ان سے کہئے کہ آزادی تقریر سے فائدہ اٹھا کر وہ لال قلعہ کی چھت پر کھڑے ہو کر گاندھی جی' نہرو جی' اندرا جی کو مغلظات سنائیں۔ پھر پولیس ان کو بتا دے گی کہ آزادی تقریر اور آزادی تحریر کے حدود کیا ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لندن کے ہائیڈ پارک میں اسپیکر کارنر میں آزادی تقریر کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جو چاہے' جس کو بھی چاہے گالیاں دے' مگر وہاں بھی شرط ہے کہ حضرت عیسیٰ' حضرت مریم اور ملکہ وقت کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالے"۔

("اسلام میں اہانت رسول ﷺ کی سزا" از ڈاکٹر مولانا محسن عثمان ندوی)

بھارت کے مشہور دانشور مولانا عتیق احمد قاسمی اپنی کتاب "فکر کی غلطی" میں وحید الدین خاں کی مذموم تحریروں کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و تعلیمات تنہا صلح حدیبیہ سے عبارت نہیں ہیں' سیرت نبوی ؐ کے تمام غزوات و سرایا اور کتاب و سنت کی تمام تعلیمات کو نظرانداز کر کے تنہا صلح حدیبیہ کی بنیاد پر مسلمانوں کا طریقہ زندگی طے کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ مختلف غزوات کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم فریق کے ساتھ جو معاملات کیے' ان کے مخصوص اسباب تھے اور مختلف غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف طرز عمل مسلمانوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا بڑا سرچشمہ ہے لیکن کسی خاص غزوہ اور خاص حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کو مسلمانوں کے لیے تمام حالات میں لازم کرنا سیرت نبوی سے ناواقفیت کی بات ہے۔ غیر مسلم سلطنتوں سے صلح و جنگ کے بارے میں کتاب و سنت نے مسلمانوں پر ہر حال میں کوئی ایک حکم لازم نہیں کیا ہے بلکہ چند اصولی تعلیمات دے کر مسلم حکمرانوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ وقت و مصلحت اور عسکری صورت حال نیز دوسرے حالات کا جائزہ لے کر جو مناسب ہو' فیصلہ کریں۔ مختلف غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف طرز عمل خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس بارے میں اسلام نے کوئی ایک دائمی حکم نہیں دیا ہے' جس میں کوئی لچک نہ ہو۔ غزوہ بدر میں اقدام مسلمانوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ انہیں کی طرف سے اہل مکہ کے تجارتی قافلہ پر حملہ کے لیے فوج نکلتی ہے' غزوہ احد میں دفاعی جنگ لڑی جاتی ہے' غزوہ خندق میں حالات کے دباؤ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک سوچنے لگتے ہیں کہ مدینہ میں کھجوروں کی جو پیداوار ہوتی ہے' اس کا ایک حصہ دے کر بعض قبائل سے صلح کر لیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بظاہر دب کر اور کفار کی شرطیں مان کر صلح کر لی جاتی ہے' فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے نکلنے سے پہلے ابو سفیان یہ پیشکش لے کر آتے ہیں کہ صلح باقی رکھی جائے اور اسے مزید بڑھا دیا جائے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس پیشکش پر کوئی دھیان نہیں دیتے۔ اس کے بعد حنین کا معرکہ خالص اقدامی ہے۔

غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے موقع پر جو فیصلے فرمائے اور غیر مسلموں کے ساتھ جو معاملات اور معاہدات کیے' ان میں امت کے لیے ہدایت کا سامان ضرور موجود ہے' لیکن کسی خاص غزوہ میں اختیار کیے ہوئے آپ کے طرز عمل کو تمام حالات میں مسلمانوں کے لیے لازم قرار دینا کوتاہ نظری اور اسلامی تعلیمات کی روح سے بیگانگی کی بات ہے۔

وحید الدین خان نے بار بار یہ بات دہرائی ہے کہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اگر صلح و جنگ کے درمیان اختیار کرنے کا معاملہ ہو تو صلح کو اختیار کرنا لازمی ہے۔ یہ تعلیم انہوں نے سیرت نبویؐ کے تمام غزوات سے آنکھیں بند کر کے محض صلح حدیبیہ کو اپنے مخصوص زاویہ نظر سے دیکھ کر اخذ کی ہے۔ ورنہ سیرت نبویؐ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عہد نبوی کے بیشتر غزوات اقدامی تھے' دفاعی نہیں تھے۔ فتح مکہ سے پہلے ابو سفیان صلح کی پیشکش لے کر آتے ہیں اور صلح کرنے کے لیے پورا زور صرف کر دیتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسترد فرما دیا۔

ان واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ صلح ہر حال میں اور ہر قیمت پر مطلوب نہیں ہے اور جہاد صرف دفاعی نہیں ہوتا بلکہ اقدامی بھی ہوتا ہے۔ ان حقائق کے باوجود وحید الدین خان صرف دفاعی جہاد کو جائز اور صلح کو ہر قیمت پر لازم قرار دیتے ہیں"۔

(اس نظریہ کے لیے مزید دیکھیے "الرسالہ" جنوری ۱۹۸۹ء اور فروری ۱۹۹۰ء)

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں غور و فکر کے لیے ایک پہلو بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ اگر صلح حدیبیہ اسلام کی ان عمومی تعلیمات کی روشنی میں وجود میں آتی جس کی تبلیغ و تلقین آپؐ نے سالہا سال سے صحابہ کرامؓ کو فرمائی تھی تو صحابہ کرام کے رنج والم کی وہ کیفیت نہ ہوتی' جس کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے۔ اگر اسلام کی یہ مستقل تعلیم ہوتی کہ صلح ہر حال میں مطلوب و پسندیدہ ہے تو خواہ دب کر اور فریق مخالف کی یک طرفہ شرائط پر ہو تو صحابہ کرام کو صلح حدیبیہ پر استعجاب نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ بے پایاں مسرت ہونی چاہیے تھی۔ حالانکہ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دفعات پر صلح کی تھی ان کی بنا پر لوگ سخت رنجیدہ تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا رنج و غم کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے۔ (سیرت ابن ہشام)

صحابہ کرام کا یہ تاثر اور حسرت و افسوس اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حدیبیہ میں جس طرح صلح کی گئی' وہ اسلام کی مثالی اور دائمی تعلیم نہیں تھی بلکہ ان مخصوص حالات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ صلح انجام پائی۔ صلح حدیبیہ اور اس کی دفعات کو مسلمانوں کے لیے ہر زمانے اور تمام حالات میں مطلوب قرار دینا کتاب و سنت کی تعلیمات اور سیرت نبوی سے افسوس ناک حد تک ناواقفیت کی بات ہے۔ صلح حدیبیہ کے چند سال بعد ۸ھ میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا جو کفار قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کی بعض دفعات کی خلاف ورزی کا نتیجہ تھا۔ فتح مکہ سے پہلے ابو سفیان کفار مکہ کا نمائندہ بن کر صلح حدیبیہ کی تجدید کرنے مدینہ آیا اور اس نے تجدید صلح کی ہر ممکن کوشش کر لی۔ کبار صحابہؓ کو تجدید صلح کے لیے سفارشی بنانا چاہا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس بات پر دھیان نہیں دیا‘ نہ صحابہ کرام اس کی سفارش کے لیے آمادہ ہوئے۔ اگر صلح‘ اسلام میں ہر حال میں مطلوب ہوتی تو رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ صلح کی اس پیشکش کو ہرگز مسترد نہ کرتے۔

وحید الدین خان نے اپنی تحریروں سے قرآنی آیات کے ساتھ بدترین کھلواڑ کیا ہے۔ ایک ہی آیت کا جہاں جو مفہوم چاہا‘ بیان کر دیا۔ یہ سب نتیجہ ہے اس بات کا کہ ایک طرف انہوں نے عربی زبان وادب کے ماہر اساتذہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ دوسری طرف احادیث و آثار سے نا آشنا ہیں۔ اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اپنے کو دنیا کا واحد مفسر اور مفکر سمجھتے ہیں۔ اس خود رو تعلیم و مطالعہ اور دعوئ ہمہ دانی نے مل کر قیامت ڈھائی ہے اور موصوف کے خیالات اور تحریروں کو متضاد افکار و نظریات کا جنگل بنا دیا ہے۔

وحید الدین خان کے قلم سے "تزکیہ" کی انوکھی تشریح پڑھیے اور جدت طرازی پر سر دھنیے۔ لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانہ میں جو مصلحین اٹھے‘ ان میں مشترکہ طور پر یہ بنیادی خامی پائی جاتی ہے کہ انہوں نے "تزکیہ" سے اپنے کام کا آغاز نہیں کیا۔ تقریباً ہر ایک کا یہ حال ہوا کہ مسلمانوں کے کچھ احوال اس کے سامنے آئے اور ان کو دیکھ کر وہ پرجوش طور پر اٹھ کھڑا ہوا۔ ذہن بنائے بغیر اس نے عملی اقدامات شروع کر دیے۔ کسی نے انگریزی استعمار سے بگڑ کر جہاد آزادی کا نعرہ لگایا‘ کوئی مغربی تہذیب کے غلبہ کو دیکھ کر میدان عمل میں آ گیا‘ کسی (غازی علم الدین شہید) کو "شردھانند" کے قتل کے بعد پیدا ہونے والے حالات نے مجاہد اسلام بنا دیا۔ کوئی شدھی سنگھٹن کی تحریک سے بے چین ہو کر سرگرم عمل ہو گیا‘ کسی کو مسلم خلافت کے زوال نے جان دینے پر آمادہ کر دیا وغیرہ۔ یہ سب کام کا غیر پیغمبرانہ طریقہ ہے۔ کام کا پیغمبرانہ طریقہ یہ ہے کہ اس کو تزکیہ سے شروع کیا جائے نہ کہ اقدام سے۔

("الرسالہ" نومبر ۱۹۸۵‘ ص ۵۲)

مذکورہ بالا اقتباس میں وحید الدین خان نے آخری دور کے مصلحین کو کھری کھری سنائی ہے۔ موصوف کو اقبال مرحوم کے نظریہ احتساب کائنات پر کتنا ہی اعتراض ہو لیکن احتساب کائنات ---- بلکہ "استخفاف کائنات" کو خان صاحب اپنا پیدائشی حق تصور کرتے ہیں اور یہ ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اپنا وظیفہ پورا کرنے کے لیے اگر موصوف زندوں اور مردوں پر تبرا بازی کرتے رہیں تو اس "دور حریت" میں ان پر کون قدغن لگا سکتا ہے۔ لیکن ان کے لیے یہ بات قطعاً موزوں نہیں تھی کہ اپنے "شغل استخفاف" کو مستند اور باوزن بنانے کے لیے قرآنی الفاظ و

اصطلاحات کے معانی تبدیل کرنے لگیں۔ تزکیہ' قرآن و سنت کی ایک معروف اصطلاح کو نیا معنی پہناتے وقت خاں صاحب پر لازم تھا کہ احادیث و آثار' ذخیرہ تفسیر و لغت سے کوئی ایک سند تو پیش کرتے لیکن موصوف کی مجبوری یہ ہے کہ وہ طبع زاد تفسیر کے لیے سند کہاں سے مہیا کریں۔

وحید الدین کی اقبال شناسی

"شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کی خدمات اور افکار و نظریات سے ہند و پاک کے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی پر مغز مفکرانہ شاعری سے مغربی تہذیب کا سحر توڑا۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا اسلام پر اعتماد بحال کیا' اسلام کے شاندار ماضی کی جھلکیاں پیش کر کے مسلمانوں کی مایوسی اور جمود کو توڑا' نوجوانوں کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے اور ان میں فکر و عمل کا جذبہ اور جدوجہد کا حوصلہ پیدا کیا۔ علامہ اقبال مرحوم کا زمانہ وہ ہے جب مغربی تہذیب کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی اور عصری درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوان اپنے ماضی سے بدگمان ہو رہے تھے۔ اسلام سے ان کا اعتماد ختم ہو رہا تھا اور ان کے افکار و خیالات میں تلاطم برپا تھا۔ اس نازک دور میں علامہ اقبال کی شاعری نے نوجوانوں کو سنبھالا دیا' مغربی تہذیب کی غارت گری سے بڑی حد تک انہیں محفوظ رکھا اور انہیں مایوسی کے سمندر سے نکال کر جدوجہد کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔

علامہ اقبال کی خدمات خواہ کتنی عظیم ہوں پھر بھی وہ انسان تھے' معصوم فرشتہ نہیں تھے' ان کے اشعار و افکار میں غلطیاں ہو سکتی ہیں' ان کی کتاب' تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" میں پیش کیے گئے بعض نظریات پر سخت تنقیدیں کی گئی ہیں۔ ان کے بعض اشعار پر بھی لسانی اور نظریاتی تنقیدیں کی گئی ہیں لیکن تنقید کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص یہ تنقید کرنے لگے کہ علامہ اقبال نے مسلمانوں میں مایوسی پیدا کی تو یہ تنقید اسی طرح حقیقت کو منہ چڑھانا ہے۔ جس طرح یہ کہنا کہ علامہ اقبال شاعر ہی نہیں تھے۔

اکتوبر ۱۹۸۲ء کے "الرسالہ" میں وحید الدین خان نے لکھا ہے:

"مولانا شبلی نعمانی سے کسی نے پوچھا کہ بڑا آدمی بننے کا آسان نسخہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: کسی بڑے آدمی کے اوپر کیچڑ اچھالنا شروع کر دو۔" (ص ۵)

علامہ شبلی کا بیان کردہ نسخہ وحید الدین خان کو بہت پسند آیا لیکن چونکہ انہیں صرف "بڑا آدمی" نہیں بننا تھا بلکہ "سب سے بڑا آدمی" بننا تھا۔ اس لیے انہوں نے "کسی بڑے آدمی" پر کیچڑ اچھالنی کافی نہیں سمجھی بلکہ کوشش کی کہ تمام بڑوں کو اپنی کیچڑ سے نوازیں' چنانچہ بقول شاعر:

ناوک نے اس کے صید نہ چھوڑے زمانے میں

علامہ اقبال بھی چونکہ "بڑے آدمی" ہونے کے "مجرم" تھے' اس لیے وہ بھی وحید الدین خان کی نوازشات سے محفوظ نہ رہ سکے۔

ان صفحات میں وحید الدین خان کی "اقبال شناسی" یا "اقبال نوازی" کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

ترکش مارا خدنگ آخریں

وحید الدین خان مارچ ۱۹۸۹ء کے "الرسالہ" میں سفر افغانستان کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ایک صاحب اقبال کے فارسی کلام سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے اقبال کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کو حوصلہ دیا۔ اگر اقبال نہ ہوتے تو موجودہ مسلمان بے حوصلہ ہو کر رہ جاتے۔ میں نے کہا کہ اقبال نے شاعرانہ ترنم تو قوم کو ضرور دیا ہوگا' مگر جہاں تک حوصلہ کا تعلق ہے' ان کے کلام نے برعکس کام کیا ہے۔ میں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ اقبال نے ٹیپو کے بارے میں کہا کہ وہ ہماری ترکش کے آخری تیر تھے۔

ترکش مارا خدنگ آخریں

اس شعر کی روشنی میں دیکھیے تو سلطان ٹیپو کی شکست (بالفاظ دیگر مسلمانوں کی عسکری قوت کی بربادی) کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے پاس گویا کچھ نہیں رہا۔ یہ تصور کتنی زبردست پست حوصلگی پیدا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر آپ کے خیال میں اقبال کو کیا کہنا چاہیے تھا۔ میں نے کہا کہ اقبال کو کہنا چاہیے تھا۔ کہ ٹیپو کی عسکری طاقت ختم ہو گئی تو غم کی بات نہیں' اسلامی دعوت زندہ ہے۔ تم اسلامی دعوت کو لے کر اٹھو اور اس کے ذریعہ دنیا کو مسخر کر لو۔ اقبال اگر یہ بات کہتے تو اس سے مسلمانوں کو رہنمائی ملتی۔ مگر ٹیپو کو "آخری تیر" کہہ کر انہوں نے مسلمانوں کو بے حوصلگی کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔" ("الرسالہ" مارچ ۱۹۸۹ء ص ۴۱)

علامہ اقبال مرحوم پر وحید الدین خان کی یہ تنقید خود موصوف کی شعر فہمی' اقبال شناسی اور علمی سطح کو بے نقاب کر دیتی ہے۔ اس تنقید کا پہلا لطیفہ یہ ہے کہ علامہ اقبال کا یہ مصرعہ "ترکش مارا خدنگ آخریں" سلطان ٹیپو کے بارے میں نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وحید الدین خان کو اس شعر کے دوسرے مصرعہ کا علم ہی نہیں ہے' موصوف بس ایک مصرعہ لے اڑے۔ شاید انہوں نے کہیں یہ بھی سن لیا ہو گا کہ یہ شعر سلطان ٹیپو کے بارے میں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال نے یہ مصرعہ اورنگ زیب عالمگیر کے بارے میں کہا ہے۔ اگلی سطروں میں یہ پورا شعر

اور اس سے پہلے اور بعد کے اشعار اردو ترجمہ کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔

شاہ عالمگیر گردوں آستاں اعتبار دودمان گورگاں
بادشاہ عالمگیر کا مقام بہت بلند ہے مغل سلاطین کے خاندان کی آبرو ہیں۔

پایہ اسلامیاں برتر ازو احترام شرع پیغمبر ازو
اہل اسلام کا مقام اس وجہ سے بلند ہے۔ اس کی ذات سے پیغمبر کی شریعت کا احترام ہے۔

درمیان کار زار کفر و دیں ترکش مار اخدنگ آخریں
کفر و اسلام کے جنگ کے درمیان میرے ترکش کا آخری تیر تھا۔

تخم الحادے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرت دارا دمید
اکبر نے الحاد کا جو بیج بویا تھا۔ پھر وہی بیج دارا کی طبیعت میں چمکا

شمع دل در سینہ ہا روشن نبود ملت ما از فساد ایمن نبود
سینوں میں دل کی جو شمع روشن نہیں تھی۔ ہماری ملت فساد سے محفوظ نہیں تھی۔

حق گزید از ہند عالمگیر را آں فقیر صاحب شمشیر را
اللہ تعالیٰ نے ہندوستان سے عالمگیر کو چنا وہ مرد فقیر جو صاحب شمشیر تھا

ازپے احیائے دیں ماموریہ کرد بہر تجدید یقیں مامور کرد
اسے احیاء دین کے لیے مامور کیا اور یقین کی تجدید کے لیے مامور کیا

برق تیغش خرمن الحاد سوخت شمع دیں در محفل ما بر فروخت
اس تلوار کی بجلی نے خرمن الحاد کو جلا دیا۔ ہماری محفل میں دین کی شمع روشن کر دی

کور ذوقاں داستانہا ساختند وسعت ادراک او نشناختند
کور ذوقوں نے داستانیں تراشی ہیں۔ اس کے ادراک کی وسعت کو نہیں پہچان سکے

شعلہ توحید را پروانہ بود چوں براہیم اندریں بتخانہ بود
توحید کے شعلہ کا پروانہ تھا۔ اس بت خانہ میں ابراہیم کی طرح تھا۔

در صف شاہنشہاں یکتا ستے
فقر او از تربتش پیدا ستے

شہنشاہوں کی صف میں یکتا ہے۔ اس کا فقر اس کی تربت سے ظاہر ہے۔ ("کلیات

اقبال” ” فارسی ‘اسرار و رموز ‘ ص ۹۸ ‘ ۹۹)

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد اب شاید کسی کو اس بات میں شبہ باقی نہ رہے کہ علامہ اقبال کا یہ شعر اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے کے بارے میں ہے نہ کہ سلطان ٹیپو کے بارے میں۔ اقبال نے عالمگیر کا نام لے کر ان کی شان میں یہ اشعار کہے ہیں۔ تمام اشعار کو پڑھ کر ” ترکش ما را خدنگ آخریں ” کا صحیح مفہوم بھی واضح ہو تا ہے۔ علامہ اقبال کہنا چاہتے ہیں کہ اکبر نے دین اسلام کو ختم کرنے اور کفر کو فروغ دینے کی خاطر جس کارزار کا آغاز کیا تھا‘ اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دوسرے داعیان اسلام کی کوششوں کے بعد اسلام کو مکمل فتح اورنگ زیب عالمگیر کے ذریعہ ہوئی۔۔۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اکبر کے تمام باقی ماندہ مشرکانہ اور ملحدانہ اقدامات کا ازالہ کیا اور مغل سلطنت کو خالص اسلامی شریعت پر استوار کیا۔ اقبال کے ان اشعار میں تاریخ ہند میں عالمگیر کے تجدیدی کارنامہ کا اعتراف کیا گیا ہے‘ ان اشعار میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے مسلمانوں کا حوصلہ پست ہو اور ان میں افسردگی اور مایوسی پیدا ہو۔ لیکن وحید الدین خان نے اپنا شغل پورا کرنے کے لیے غور و فکر اور تحقیق کے بغیر اول تو یہ دعویٰ کر دیا کہ اقبال نے ” ترکش ما را خدنگ آخریں ” سلطان ٹیپو کے بارے میں کہا۔ اس کے بعد اس مصرعہ کو خود ساختہ معنی پہنا کر پست حوصلگی اور مایوسی پیدا کرنے والا قرار دیا۔ اس تنقید سے علامہ اقبال کا مقام تو پست نہیں ہوا‘ ہاں خود وحید الدین خان کا قد معلوم ہو گیا۔

وحید الدین خاں اقبال دشمنی میں مزید لکھتے ہیں:

” میرے نزدیک موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس دور میں ان کے درمیان کوئی تخلیقی مفکر (Creative Thinker) پیدا نہ ہو سکا۔ ہمارے تمام بڑے بڑے ذہن منفی ردعمل کا شکار رہے اور منفی ردعمل کی نفسیات کے ساتھ کبھی تخلیقی فکر پیدا نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر اقبال کو لیجیے۔ ان کا کلام بتاتا ہے کہ وہ مغربی تہذیب کے بارے میں منفی نفسیات کا شکار تھے۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک شعر یہ ہے:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اس شعر کے مطابق مغربی تہذیب کمزور شاخ (بالفاظ دیگر باطل فکر پر) قائم ہے اس لیے اس کا مقدر یہ ہے کہ وہ زوال کا شکار ہو جائے۔ عجب بات ہے کہ اقبال مغربی تہذیب کے بارے میں جو بات مستقبل کے صیغہ میں کہہ رہے ہیں‘ اسی بات کو انہوں نے خود مسلم تہذیب کے بارے

میں ماضی کے صیغہ میں بیان کیا ہے یعنی جو حادثہ ان کے نزدیک مغربی تہذیب کے ساتھ آئندہ پیش آنے والا ہے۔ وہ مسلم تہذیب کے ساتھ آج ہی پیش آچکا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا یہ شعر پڑھئے:

رو لے اب دل کھول کر اے دیدہ خوں نابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

اقبال اپنی قومی تہذیب کے بارے میں عصبیت کا شکار تھے اور غیر قوم کی تہذیب کے خلاف نفرت میں مبتلا تھے۔ اس لیے وہ تضاد کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ نفرت اور تعصب سے بلند ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ یہ کمزور شاخ کا معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ فطرت کے قانون کا معاملہ ہے۔ اسلام اپنے اصول کے اعتبار سے بلاشبہ ایک ابدی صداقت ہے۔ مگر مسلمان مادی اور سیاسی معنوں میں جو تاریخ بنائیں اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مادی اور سیاسی تاریخ کا معاملہ ایک قومی معاملہ ہے۔ جس طرح ایک فرد حیاتیاتی اعتبار سے عروج و زوال کا شکار ہوتا ہے۔ اسی طرح قومیں بھی مادی اور سیاسی اعتبار سے عروج اور زوال کا شکار ہوتی ہیں۔ یہ معاملہ ایک فطری معاملہ ہے۔ جو مسلم قوموں کے ساتھ بھی اس طرح پیش آتا ہے جس طرح دوسری قوموں کے ساتھ۔ مگر اقبال اپنی غیر تخلیقی فکر کی بنا پر اس فطری حقیقت کو سمجھنے سے معذور رہے۔

(ص ۲۵ "الرسالہ" اگست ۱۹۹۸ء)

فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں وحید الدین خان کا موقف

ہندوستانی مسلمانوں کو جو سنگین مسائل و مشکلات درپیش ہیں ان سے پورا عالم اسلام کچھ نہ کچھ واقف ہے، سب سے نازک اور حساس مسئلہ فسادات کا ہے۔ یہ فسادات محض گروہی تصادم نہیں ہوتے بلکہ منصوبہ بند قتل عام اور نسل کشی ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں متعدد انتہاپسند جارح ہندو تنظیمیں قائم ہیں جو ان فسادات کے منصوبے بناتی ہیں، ہندو نوجوانوں کو عسکری ٹریننگ دیتی ہیں۔ ان کے دل و دماغ فرقہ وارانہ جذبات سے مسموم کرتی ہیں، مقامی پولیس اور انتظامیہ سے ان کی سازباز ہوتی ہے، کسی معمولی واقعہ کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ بہت سے انصاف پسند غیر مسلم صحافی بھی اپنے جائزوں میں ان فسادات کے منصوبہ بند ہونے اور مسلمانوں کی نسل کشی ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں۔ ابھی چند مہینہ پہلے صوبہ بہار کے شہر بھاگپور اور اس کے مضافات میں ہولناک ترین فساد ہوا۔ جس میں ہزاروں مسلمانوں کو پوری شقاوت اور بے دردی سے شہید کیا گیا۔ لرزہ خیز مظالم کیے گئے، ان کی معاشیات کو برباد کیا گیا۔

ادھر دس بارہ سالوں سے ہندو تنظیموں اور مذہبی ہندو شخصیات سے وحید الدین خان کے روابط بڑھے ہیں' ان کے پروگراموں میں موصوف شرکت کرتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ شرکت بظاہر دعوتی جذبہ سے ہوتی ہے لیکن ان کی تحریروں اور بیانات سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ موصوف موثر بننے کے بجائے متاثر ہوتے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلم مسائل کے بارے میں ان کا نقطہ نظر ایسا ہوتا جا رہا ہے جو غیر مسلموں کو بے انتہا پسند ہے۔ اسی لیے فرقہ پرست ہندو پریس ان کے بیانات کو جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کرتا ہے۔ اب موصوف فسادات کے موضوع پر اپنی تحریروں میں مسلسل یہ نظریہ پیش کر رہے ہیں کہ ان فسادات کے اصل ذمہ دار مسلمان ہیں' مسلمانوں ہی کی اشتعال انگیزی' جذباتیت اور ناعاقبت اندیشی سے یہ فسادات پھوٹتے ہیں' فسادات منظم سازش اور منصوبہ بندی کے تحت نہیں ہوتے' بلکہ اتفاقی طور پر ہوتے ہیں' چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں یہ بات تقریباً ثابت شدہ ہے کہ اس کا آغاز ہمیشہ کسی مسلمان کی اشتعال انگیز کارروائی سے ہوتا ہے۔ یہ معاملہ ابتداً ایک ہندو' ایک مسلمان کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں ہی کے پیدا کردہ حالات کے نتیجہ میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ انفرادی واقعہ بہت جلد قومی واقعہ بن جاتا ہے۔ اب ہندو چونکہ اس ملک میں طاقت ور پوزیشن میں ہے' اس کا ردعمل مسلمان کے حق میں بڑا ہولناک ثابت ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ایک کے بدلے میں ایک سو کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔" (الرسالہ ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۱۳)

"ہندوستان کا تقریباً ہر فرقہ وارانہ فساد مسلمانوں کی بے صبری سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان اپنی مخصوص نفسیات کی بنا پر چھوٹی سی خلاف مزاج بات پر مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد معلوم اسباب کے تحت وہ دو قوموں کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان ٹکراؤ شروع ہوتا ہے۔ جس میں نقصان ہمیشہ مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے۔ ان فسادات کو ابھارنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری مسلم قائدین پر ہے۔ مسلمانوں میں جتنے بھی لکھنے اور بولنے والے ہیں' سب متفقہ طور پر جہاد کی باتیں کرتے ہیں' وہ مسلمانوں کے اندر برابر لڑنے کا مزاج بناتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ قرآن میں صبر کی بھی آیتیں ہیں۔ تاہم دوسروں کو اپنی زبان و قلم سے جہاد پر ابھارنے والے یہ لوگ خود ہمیشہ جہاد کے میدان سے دور رہتے ہیں۔" (الرسالہ مئی ۱۹۸۶ء ص ۱۸)

"ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات میں مسلمانوں کا سارا غصہ ہمیشہ "فسادیوں" کے خلاف ہوتا ہے' مگر ذاتی طور پر میں ان فسادات کا ذمہ دار مسلمانوں کو سمجھتا ہوں۔ اس لیے

میرے تمام احساسات کا رخ صرف مسلمانوں کی طرف رہتا ہے۔ مجھے مسلمانوں کی حالت پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ حقائق کی دنیا میں حقائق سے بالکل بے پرواہ ہو کر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔

ان فسادات کی جڑ میرے نزدیک یہ ہے کہ مسلمانوں نے ملک کو تقسیم کرایا، مگر وہ تقسیم کے نتائج قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ملک کو "ہندو انڈیا" اور "مسلم انڈیا" میں تقسیم کرنے کا لازمی مطلب یہ تھا کہ مسلمان "ہندو انڈیا" میں اپنے لیے نمبر ۲ کی حیثیت قبول کرنے پر راضی ہیں۔ اگر مسلمانوں نے خود اپنے عمل کے اس نتیجہ کو ۱۹۴۷ء کے بعد قبول کر لیا ہوتا تو حالات معمول پر آجاتے اور ملک کی تاریخ فرقہ وارانہ فساد کے بجائے فرقہ وارانہ تعمیر کی تاریخ ہوتی۔
(الرسالہ مئی ۱۹۸۷ء ص ۳۵)

وحید الدین خان نے تقسیم ہند کی ذمہ داری یکطرفہ طور پر مسلمانوں کے سر ڈال دی ہے۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ملک کے ایک وفاقی ڈھانچے پر (جس میں صوبوں کو اکثر معاملات میں خود مختاری دی گئی تھی) مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کا اتفاق ہو گیا تھا۔ خود کانگریس کے صدر جواہر لال نہرو کے بعض غیر ذمہ دارانہ بیانات اور بعض طے شدہ دفعات کی خلاف ورزی کی وجہ سے تقسیم ملک کا المیہ پیش آیا۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی کتاب "آزادی ہند" میں نہرو اور گاندھی پر تقسیم ملک کی ذمہ داری ڈالی ہے۔

وحید الدین خاں مسلمانوں کے خلاف مزید لکھتے ہیں:

"موجودہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اگر ذرہ بھی ان کے خلاف مزاج بات کرے تو وہ فوراً مشتعل ہو کر اس سے لڑنے لگتے ہیں۔۔۔۔ کوئی ان کی مسجد کی دیوار پر رنگ ڈال دے۔ ان کی نماز کے وقت کوئی گھنٹہ بجا دے۔ کسی کا جلوس ان کے محلہ کی سڑک سے گزر جائے۔ کوئی ایسا نعرہ لگا دے جو ان کے قومی وقار کے خلاف ہو۔ کوئی شخص ایک قابل اعتراض بیان اخبار میں چھاپ دے۔ اس قسم کی کوئی ادنیٰ اشتعال انگیزی بھی انہیں مشتعل کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ اتنا بے خود ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ جو لڑائی وہ چھیڑ رہے ہیں، اس میں دوسرا فریق چھری ثابت ہو گا اور وہ خود خربوزہ کی مثال بن کر رہ جائیں گے۔"

بابری مسجد کا مسئلہ

"بابری مسجد کا مسئلہ آج بچے بچے کی زبان پر ہے، بابری مسجد کی بازیابی کے لیے جو طریقہ کار مختلف تنظیموں نے اپنایا ہے، اس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے لیکن بابری مسجد تھالی میں سجا کر

مندر بنانے کے لیے پیش کر دینا اور بازیابی کی جدوجہد سے دست کش ہو جانا' مسلمانوں کے لیے کسی حال میں درست نہیں۔

بابری مسجد کے مسئلہ میں بھی وحید الدین خان کے لیے تمام مسلم علماء اور قائدین سے ہٹ کر نئی راہ اپنانا ضروری تھا تاکہ "شوق انفرادیت" کی تسکین کا سامان ہو جائے۔ چنانچہ موصوف نے جولائی ۱۹۸۸ء کے "الرسالہ" میں "قیادت کا دیوالیہ پن" کے عنوان سے دس صفحات کا بڑا تیز و تند مضمون لکھا اور ڈسٹرکٹ جج فیض آباد کے عدالتی حکم سے فروری ۱۹۸۶ء میں بابری مسجد کے دروازے کا پوجا کے لیے تالا کھولے جانے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا:

"یہ واقعہ بلاشبہ غلط تھا۔ مگر اس کے بعد مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ یقینی طور پر اس سے بھی زیادہ غلط تھا۔ کیونکہ وہ سنت رسول ؐ کے خلاف تھا۔ قدیم مکہ میں کعبہ کے مقدس ترین خانہ خدا کو بت خانہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ اسی نوعیت کا سخت تر مسئلہ تھا۔ مگر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جو موجودہ زمانہ کے مسلمانوں نے سیاست پسند لیڈروں کی پیروی میں اختیار کیا ہے۔ کعبہ کے مذکورہ مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ نے قومی لڑائی کا عنوان نہیں بنایا۔ بلکہ اپنی ساری توجہ انسانی ضمیر کو جگانے پر لگا دی۔

بابری مسجد کا مسئلہ پیدا ہونے کے بعد مسلمانوں نے یہ کیا کہ انہوں نے ہندو کی گرفتاری' دھرنا' ریلی' ایجی ٹیشن' جلسوں اور تقریروں کے ہنگامے جاری کر دیے' مگر رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جبکہ مشرکین نے خانہ خدا میں بت داخل کر رکھے تھے۔ آپ ؐ نے ان مشرکین کے دلوں میں توحید کو داخل کرنے کی مہم شروع کر دی......

بابری مسجد کے معاملہ میں مسلمانوں نے جو ہنگامہ برپا کیا' وہ سراسر ایک قومی ہنگامہ ہے' اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ استحصال پسند لیڈروں کی پیروی ہے نہ کہ خدا کے پیغمبر کی پیروی۔" (الرسالہ جولائی ۱۹۸۸ء ص ۱۸)

غیر مسلموں کے دلوں میں توحید داخل کرنے کی مہم بہ الفاظ دیگر ان میں اسلام کی دعوت و تبلیغ مسلمانوں کی دائمی اور مستقل ذمہ داری ہے' خواہ مشرکین مسجدوں میں بت داخل کر رہے ہوں یا پر امن ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مسجد کو مندر میں تبدیل کیا جا رہا ہو تو کیا مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں کہ مزاحمت کریں اور ہر جائز و ممکن طریقہ اختیار کر کے مسجد کو مسجد باقی رکھنے کی جدوجہد کریں؟

معمر قذافی اور وحید الدین خان

"سربراہان مملکت میں لیبیا کے معمر قذافی کی شخصیت اپنا مخصوص رنگ و آہنگ رکھتی ہے۔ ان کے غیر متوازن بیانات، ناہموار افکار اور پریشان خیالات ان کی تہ در تہ شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ معمر قذافی نے کمیونزم، جمہوریت، سوشلزم، اباحیت وغیرہ کے مختلف اجزا کو جمع کر کے ایک نیا عالمی نظریہ تشکیل دینا چاہا ہے، جس کے خدوخال زیادہ واضح نہیں ہیں اور یہ نظریہ اپنے بے ہنگم، غیر مربوط اجزا کی بنا پر نظریہ ساز کی پریشان خیالی اور فکر عدم توازن کی غمازی کرتا ہے۔

سربراہان مملکت میں وحید الدین خان کو معمر قذافی سے قربت و عقیدت ہے۔ لیبیا ہی کے ذریعہ وحید الدین خان کا بلاد عربیہ میں تعارف ہوا اور بلاد عربیہ میں سب سے زیادہ انہوں نے لیبیا ہی کے اسفار کیے۔ "مادی" نقطہ نظر سے موصوف کا معمر قذافی سے رابطہ زیادہ قابل اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن حیرت اس پر ہے کہ یہ رابطہ نظریاتی ہم آہنگی تک پہنچ گیا اور وحید الدین خان نے ہندوستان میں معمر قذافی کے افکار کا پرچار شروع کر دیا۔ "الکتاب الاخضر" معمر قذافی کی وہ کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنے سیاسی، معاشی اور سماجی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وحید الدین خان نے "کتاب سبز" کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے ادارہ الدار العلمیہ جمعیتہ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ نمبر ۶ دہلی سے شائع کرایا۔

"الرسالہ" کی فائلیں اٹھا کر دیکھ لی جائیں۔ اگست ۱۹۷۷ء کے شمارے سے لے کر جون ۱۹۷۸ کے شمارے تک ماہنامہ "الرسالہ" کے آخری صفحہ پر وحید الدین خان کے ادارے الدار العلمیہ جمعیتہ بلڈنگ قاسم جان دہلی نمبر ۶ کی طرف سے "کتاب سبز" کا اشتہار پابندی کے ساتھ چھپتا رہے گا۔ بڑی آب و تاب کے ساتھ یہ اشتہار "الرسالہ" کے آخری صفحہ پر شائع ہوتا رہا، اشتہار کا ایک پیراگراف یہ ہے:

"جمہوریہ لیبیا کے صدر معمر قذافی ایک انقلابی مفکر اور عہد ساز شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنے خیالات کو "الکتاب الاخضر" میں واضح کیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے جزء کا اردو ترجمہ شائع ہو گیا ہے۔ یہ جزء معمر القذافی کی تشکیل کردہ "تیسرے عالمی نظریہ" کے سیاسی پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔" (الرسالہ مئی ۱۹۷۸ء آخری صفحہ)

افسوس ہے کہ "الکتاب الاخضر" کا اردو ترجمہ جو وحید الدین خان نے شائع کیا ہے، ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ لیکن اصل عربی کتاب ہمارے پیش نظر ہے۔ حیرت ہے کہ ماہنامہ "الرسالہ" جو وحید الدین کے بقول "بے آمیز حق" لوگوں تک پہنچانے کے لیے جاری کیا گیا۔

اس ماہنامہ میں معمر قذافی کی "الکتاب الاخضر" کے لیے گنجائش کہاں سے نکل سکی۔ "الکتاب الاخضر" نہ صرف سوشلزم، کیمونزم اور اباحیت کے متعفن نظریات کا ملغوبہ ہے بلکہ اس کتاب میں کھلے ہوئے ملحدانہ اور اسلام دشمن نظریات پائے جاتے ہیں۔ وحید الدین خان جیسے "داعی اسلام" کے قلم سے "الکتاب الاخضر" کا ترجمہ اور ان کے ادارے الدار العلمیہ کی جانب سے اس کی اشاعت اور "الرسالہ" جیسے دعوت اسلامی کے علمبردار ماہنامہ میں اس کے اشتہار یہ سب باتیں ناقابل یقین نظر آتی ہیں۔ لیکن اس مادی دنیا میں ایسے ناقابل یقین واقعات ہوتے ہی رہے ہیں، اس لیے کوئی زیادہ حیرت کی بات نہیں۔

"الکتاب الاخضر" میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں سیاسی نظریہ اور نظام پیش کیا گیا ہے۔ دوسری فصل اقتصادی مشکلات سے بحث کرتی ہے اور تیسری فصل تیسرے عالمی نظریہ کے سماجی نقطہ نظر کو پیش کرتی ہے۔ پوری کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معمر القذافی کے خیالات، کیمونزم اور اباحیت کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں، یہ نظریات سراسر ملحدانہ ہیں، اسلام سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، وہی کیمونزم جو اب مکمل طور پر فیل ہو چکا ہے اور اس کے اصلی وطن روس ہی سے اس کا جنازہ نکل چکا ہے، اس کی ترجمانی اس کتاب میں ملتی ہے۔ اس کتاب میں جس اشتراکی نظام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اس میں وہی ساری بے اعتدالیاں کچھ اضافے کے ساتھ موجود ہیں جو کارل مارکس اور لینن کے نظریات میں پائی جاتی ہیں۔

معمر القذافی کی لادینیت اس بات سے بھی روشن ہو جاتی ہے کہ انہوں نے نماز کو ورزش قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الکتاب الاخضر کا صفحہ ۸۵، ۸۶)

بہرحال ایک داعی اسلام کے قلم سے معمر القذافی کے ملحدانہ افکار و خیالات کی ترجمانی اور تشہیر ناقابل فہم ہے۔ خدا جانے کیا وہ محرکات تھے۔ جنہوں نے وحید الدین خان کو معمر القذافی کی کتاب کا ترجمہ اور ان کے خیالات کی تشہیر پر آمادہ کیا۔ مجھے معمر القذافی اور وحید الدین خان میں اگر کوئی چیز مشترک نظر آتی ہے تو یہ دونوں کے افکار و خیالات کا عدم توازن اور بے ربطی ہے۔ دونوں نے اپنے اپنے میدانوں میں پریشان خیالی، فکری انتشار اور شذوذ کا مظاہرہ کیا ہے۔ دونوں کے چونکا دینے والے خیالات، اپنے اپنے میدانوں میں عجوبہ ثابت ہوئے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحید الدین خان دینی حلقہ کے معمر القذافی ہیں۔ یہی ان دونوں کے درمیان نقطہ اتحاد ہے۔

کشمیر کے بارے میں وحید الدین خاں کے نظریات

"ایک صاحب نے کشمیر کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے کہا کہ الجمعیتہ کے زمانہ (۱۹۶۷ء)

سے میں ایک ہی بات کہتا رہا ہوں وہ یہ کہ کشمیر کا مسئلہ ۱۹۴۷ء میں طے ہو چکا۔ اس قسم کے معاملات تاریخی عوامل کے تحت طے ہوتے ہیں اور تاریخی عوامل کو قطعی طور پر طے کر چکے ہیں۔ اس غوغائی سیاست یا گن کلچر کے ذریعہ اس فیصلہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس لیے حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ کشمیر کے لوگ تاریخ کے فیصلہ کو قبول کریں اور موجودہ سیاسی نظام کے تحت تعمیری میدانوں میں اپنا مستقبل بنائیں۔

۱۹۸۹ء میں جب مسلح کشمیری تحریک چلی' اس کے بعد بھی بار بار میں یہ بات مختلف طریقہ سے کشمیریوں تک پہنچاتا رہا ہوں۔ میڈیا میں اس سلسلہ میں جو کچھ میں نے کہا وہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے۔ اس کے علاوہ میری ذاتی ڈائری میں بعض نہایت عبرت انگیز اندراجات اس کی بابت موجود ہیں۔

۱۔ مسلح جدوجہد شروع ہونے کے جلد ہی بعد ۱۳ دسمبر ۱۹۸۹ء کو کشمیر کے ایک صاحب مجھ سے دہلی میں ملے۔ یہ مسٹر منظور احمد عرف سیف اللہ (محلہ خانیار' سری نگر) تھے۔ انہوں نے اپنی تحریک کی کامیابی کے بارے میں نہایت جوش کا مظاہرہ کیا۔ میری ڈائری میں مذکورہ تاریخ کے صفحہ میں ان کے یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں: "کشمیر پانچ سال میں آزاد ہو جائے گا۔"

کشمیری نوجوان کے ان الفاظ کے نیچے ڈائری میں' میں نے اپنی رائے ان لفظوں میں لکھی تھی: "میں نے کہا کہ یہ صرف نادانی کی بات ہے۔ اس طرح کشمیر کو آزاد کرانا ممکن نہیں ہے۔ موجودہ حالت میں آزاد کشمیر کی تحریک صرف کشمیر کو برباد کرنے کی تحریک ہے۔"

۲۔ دوسرا واقعہ ۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء کا ہے۔ اس روز سری نگر کے ایک اسلام پسند غلام نبی ہاگرو ایڈووکیٹ مجھ سے دہلی میں ملے۔ انہوں نے بھی کشمیری تحریک کے مستقبل کے بارہ میں نہایت پرجوش باتیں کیں۔ انہوں نے میری ڈائری میں مذکورہ تاریخ کے تحت اپنے قلم سے حسب ذیل الفاظ لکھے: "ہندوستان سے علیحدگی کے بعد جو کشمیر بنے گا انشاء اللہ وہ کشمیر اسلامی کشمیر ہوگا۔"

ان کی اس تحریر کے نیچے ڈائری میں میری رائے ان الفاظ میں لکھی ہوئی ہے: "میرے نزدیک ہندوستان سے علیحدہ ہو کر (بالفرض) جو آزاد کشمیر یا پاکستانی کشمیر بنے گا' وہ ایک برباد کشمیر ہوگا۔ کشمیریوں کے لیے جو ائس ہندوستانی کشمیر یا پاکستانی کشمیر میں نہیں ہے' بلکہ ہندوستانی کشمیر یا برباد کشمیر میں ہے۔"

۱۹۸۹ء میں جب کشمیر کے لوگوں نے اپنی مسلح تحریک شروع کی تو وہ سمجھتے تھے کہ وہ "انڈیا" کے خلاف اپنی تحریک شروع کر رہے ہیں۔ مگر حقیقتہً وہ تاریخ کے خلاف لڑنے کے لیے

کھڑے ہوئے تھے اور تاریخ کے خلاف لڑ کر کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اپنی تحریک کے آغاز میں جو کشمیری امیدوں اور حوصلوں سے بھرے ہوئے نظر آتے تھے، آج وہ مایوسی اور پست ہمتی کا شکار ہو چکے ہیں۔ انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ کھو دیا اور اس کے بدلے میں پایا کچھ بھی نہیں۔ ("الرسالہ" فروری ۱۹۹۸ء، ص ۲۵، ۲۶)

جناب محمد وسیم مدیر ماہنامہ "ایقاظ" اپنے پرچہ میں لکھتے ہیں۔

"وحید الدین خان دنیا میں اسلام کی ہر اس تعبیر کی دشمنی پر کمربستہ ہو گئے ہیں جس میں کفر کی مخالفت، کفار سے برات، تبدیلی نظام، جہاد یا "خون" کا لفظ آتا ہو۔ اس ضمن میں چاہے وہ اپنی جگہ نیک نیت بھی ہوں مگر اسلام کی اس "پرامن" اور "گاندھی نما" ترجمانی کی بدولت وہ کفر کی عالمی قوتوں کے لیے ایک مفید دریافت ثابت ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار ان کو دنیا میں لئے لئے پھرتے رہے۔ ان کی تگ و تاز بھارت اور پاکستان یا مغربی ممالک تک محدود نہ تھی بلکہ عرب ممالک تک ان کے معرکہ میدان تھے۔ لیبیا کے معمر قذافی تک جیسے لوگ اپنی اسلام دشمنی اور مسلم تحریکوں کے قتل عام کی شہرت کے باوجود برصغیر کے اس "داعی اسلام" کو باقاعدہ اپنے ملکوں میں بلاتے رہے ہیں۔ کچھ سال پیشتر ہفت روزہ "زندگی" نے ڈاکٹر اسرار صاحب کا ایک انٹرویو شائع کیا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب نے وحید الدین خان کا ایک خود شنید قول نقل کیا کہ "ان کا آئیڈیل سرسید احمد خان اور مرزا غلام احمد قادیانی ہیں" اس وضاحت کے ساتھ کہ "عقیدہ میں نہیں بلکہ طریق کار کے لحاظ سے" ڈاکٹر صاحب کے اس انکشاف کے بعد پاکستان میں وحید الدین خان کے شائقین اور پیروکاروں کی آنکھیں کھل جانی چاہیں تھیں۔ پھر قشقہ لگوانے اور دیوی کو پرنام کرنے کے حالیہ واقعہ کے بعد تو گمراہی کے اس علمبردار سے ضروری پیچھے ہٹ آنا چاہیے تھا۔ مگر ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

(ماہنامہ ایقاظ لاہور جون 1999ء شمارہ نمبر1)

ایڈیٹر ہفت روزہ "ندائے ملت" اپنے اداریہ میں لکھتے ہیں:

"زیادہ مثالوں کی ضرورت نہیں۔ صرف دہلی کی مثال پیش ہے کہ قیام پاکستان کے نتیجے میں ہندوؤں نے مشتعل ہو کر جس مسلمان کو سب سے پہلے ہلاک کیا' وہ کانگریسی تھا اور اس کا نام ایوب تھا۔ محلہ لڈو گھاٹی کی کانگریسی وارڈ کمیٹی کا صدر تھا اور بڑا سرگرم کانگریسی تھا۔ ہندو اسے مارنے کے لیے آئے تو اس نے کہا میں تو کانگریسی ہوں۔ ہندوؤں نے جواب دیا' "کانگریسی ہے تو کیا ہے' مسلمان تو ہے۔" یہ کہا اور ہلاک کر دیا۔ اسی طرح دہلی کا ہی ڈاکٹر حسین بخش کٹر کانگریسی تھا۔ فسادات کے دوران اس کا ایک ہندو دوست اسے اور اس کے بیوی بچوں کو پناہ دینے کے بہانے اپنے گھر لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد کانگریسی ڈاکٹر حسین بخش اور اس کے بیوی بچوں کی برہنہ لاشیں اس کے کلینک پر پڑی تھیں۔ کانگریس کے ہر ایوب اور ہر حسین بخش کے ساتھ بعد ازاں ہندو نے یہی کیا۔" (ہفت روزہ "ندائے ملت" لاہور ۳ تا ۹ دسمبر ۱۹۹۸ء)

عقل و شعور سے محروم وحید الدین خان کو سر والٹر لارنس کی کتاب "دی انڈیا وی سروڈ" کا یہ اقتباس بھی گوش ہوش سے پڑھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اپنے ضمیر (اگر زندہ ہے) کی عدالت سے فیصلہ لینا چاہیے کہ کیا مسلمانوں سے غداری کر کے وہ اپنے بیرونی آقاؤں کی آتش انتقام اور اپنے عبرتناک انجام سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ سر والٹر لارنس لکھتے ہیں:

"سر پرتاب (مہاراجہ ایدر) شملہ آئے ہوئے ہیں تاکہ لارڈ کرزن کی جانب سے میری بیوی کو اور مجھے روانگی سے ایک رات پہلے جو رخصتی ضیافت دی جانے والی تھی' اس میں شریک ہوں۔ ڈنر کے بعد میں اور سر پرتاب دو بجے رات تک ان کی توقعات اور ارادوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ان کی ایک آرزو یہ تھی کہ ہندوستان کے جملہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ میں نے اس تعصب پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ان مسلمانوں کا ذکر کیا جو ہمارے مشترکہ دوست تھے۔ مہاراجہ نے کہا ہاں! میں بھی ان کو پسند کرتا ہوں لیکن ان کی موت کو ترجیح دوں گا۔"

؎ کب تک وہ محفوظ رہیں گے محلوں میں رہتے ہیں

متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی

رضوان احمد

اقتدار پسندی اور جاہ طلبی میں انسان کہاں تک جاسکتا ہے اور کس قعرِ ذلت میں گر سکتا ہے، اس کی ایک مثال مولانا وحید الدین خان بھی ہیں جن کی متنازعہ حرکتوں پر گزشتہ کچھ برسوں میں اردو اخبارات کافی لعن طعن کرتے رہے ہیں۔ لیکن وہ ہندوتو کی فسطائی طاقتوں کی آنکھ کا تارہ بننا چاہتے ہیں۔ اس کے راستے میں تو یہ تحریریں خاصی معاون ہی ثابت ہوئی ہوں گی۔ ابھی تک تو وہ ہر معاملے میں ہندوستانی مسلمانوں پر لعن طعن کرنے کے لیے مشہور تھے مگر اب ایک قدم آگے بڑھ کر انہوں نے سرسوتی وندنا کرلی، دیوی کے قدموں میں سیس نوانے اور اشوک سنگھل جیسے اسلام دشمن سے قشقہ لگوانے جیسی حرکتیں بھی شروع کردی ہیں۔ حال ہی میں آر ایس ایس کے ترجمان پانچ جنیہ نے ان کی کچھ تصویریں شائع کی ہیں جن میں وہ اشوک سنگھل سے قشقہ لگواتے ہوئے اور سرسوتی کی مورتی کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ یہ تصاویر اردو اخبارات نے بھی شائع کی ہیں۔ حالانکہ اس میں حیرت کی کوئی بات اس لیے نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوتو کے علمبرداروں کی تمام فسطائی حرکتوں کی ہمیشہ ہی حمایت کی اور مسلمانوں پر لعن طعن کرتے رہے۔ لیکن وہ اس حد تک چلے جائیں گے اس کا تصور شاید کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

میری مولانا وحید الدین خاں سے کوئی خاص قربت نہیں رہی ہے۔ جو دو تین ملاقاتیں ہوئیں وہ بھی بہت سرسری لیکن جب ان کا ماہنامہ "الرسالہ" نکلنا شروع ہوا تو میں بہت پابندی سے اس کا مطالعہ کرنے لگا تھا اور ان کی تحریروں کا بہت مداح تھا۔ اگرچہ کچھ معاملات پر ان سے اختلاف بھی تھا۔ مثلاً وہ صبر و اعراض کی بات کرتے تھے جبکہ اسلام صبر و اعراض کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ حضور اکرم ؐ کی زندگی میں غزوات اور معرکے بھی ہیں۔ مگر مولانا ہمیشہ ان کو نظرانداز

کر کے ہی چلنا پسند کرتے رہے ہیں۔ اس ذیل میں 'میں نے ایک بار سوچا کہ ان سے بات چیت کی جائے۔ یہ سولہ سترہ سال قبل کی بات ہے میں دہلی گیا ہوا تھا تو ان سے ملنے کی غرض سے جمعیتہ بلڈنگ گیا جہاں ایک چھوٹے سے کمرے میں ان کا دفتر اور رہائش دونوں تھے۔ میں نے دستک دی تو انہوں نے دروازہ کھولا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو فرمانے لگے میں آپ کے اداریے اور مضامین بہت پابندی سے پڑھتا ہوں اور آپ سے تفصیلی گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں لیکن دشواری یہ ہے کہ ابھی وزارت خارجہ سے ایک ٹیلی فون آگیا ہے جس کے سبب مجھے وہاں جانا پڑ رہا ہے۔ اگر آپ کسی اور وقت تشریف لاتے تو مجھے آپ سے بات کر کے بہت خوشی ہوتی۔ ان کے در دولت پر حاضری کا میرا یہ پہلا اور آخری موقع تھا۔ البتہ اس کے بعد دہلی اردو اکیڈمی کے سیمینار میں ان سے ضرور ملاقات ہوئی جو صحافت کے موضوع پر تھا اور اس میں بھی انہوں نے اپنا وہی رویہ اختیار کیا تھا یعنی اردو صحافت کو منفی اور احتجاجی صحافت کہہ کر تمام اردو اخبارات اور مدیران کو مطعون کر ڈالا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک بار پٹنہ تشریف لائے تو ان کے مداح خاص ایم ٹی خان صاحب نے مجھے دعوت دی کہ میں مولانا کی تحریروں پر کوئی مضمون لکھوں اور اس سیمینار میں پڑھوں تو میں نے معذرت کر لی۔ لیکن جب بابری مسجد کی شہادت ہوئی اور اس کے بعد مولانا نے ایک فارمولہ پیش کیا کہ مسلمان اجودھیا کو بھول جائیں تو مجھے ایسا لگا کہ ان کے پس پردہ کوئی اور بول رہا ہے۔ ہندی اخبارات نے ان کے بیانات کو کافی نمایاں طور پر شائع کیا اور اس کے بعد ہندوستانی آندولن کے ایک لیڈر مدھو مہتا نے انہیں تعزیے کی طرح ملک میں گھمانا شروع کر دیا۔ یہاں پر جملہ معترضہ کے طور پر مدھو مہتا کے بارے میں بتانا ضروری ہے کہ یہ شریمان صنعت کار تھے اور ان کا تعلق ہندوتو کی تبلیغ کرنے والوں کی جماعت سے تھا۔ مرارجی ڈیسائی نے جب نشہ بندی نافذ کرنے کا اعلان کیا تھا تو مدھو مہتہ نے سربازار شراب کی بوتلیں کھول کر خود بھی شراب پی تھی اور شرابیوں میں تقسیم بھی کی تھی اور یہ مہاشے مولانا وحید الدین خان کو لے کر پورے ملک میں گھوم رہے تھے۔

اسی سلسلے میں وہ پٹنہ بھی تشریف لائے۔ بجرنگ دل' وشو ہندو پریشد اور بھارتیہ جنتا پارٹی نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور کئی جلسے کروائے۔ میں کسی جلسے میں شریک نہیں ہوا البتہ مولانا کی پریس کانفرنس میں ضرور گیا تھا جو ایک عالی شان ہوٹل میں ہوئی تھی۔ ان کے ایک جانب جنرل ایس کے سنہا (موجودہ گورنر آسام) اور دوسری جانب مدھو مہتا بیٹھے ہوئے تھے۔ ہندی' انگریزی کے اخبار نویس مولانا سے ادھر ادھر کے سوالات پوچھتے رہے کیونکہ وہ ان کے جغرافیہ سے واقف ہی نہیں تھے۔ اس دوران میں نے ایک چبھتا ہوا سوال پوچھا کہ مولانا یہ فرمائیے کہ کیا بابری مسجد

جس بربریت سے شہید کی گئی ہے' اس پر آر ایس ایس کے لوگ ایک عبا و قبا' جبہ و دستار اور ریش دراز مولانا سے تصدیق کی مہر لگوانا چاہتے ہیں تو مولانا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ ان کے بغل میں بیٹھے ہوئے جنرل سنہا نے کہا کہ رضوان صاحب آپ یہ تو پڑھ چکے ہیں کہ بابری مسجد جس انداز میں شہید کی گئی اس کی مذمت لال کرشن ایڈوانی اور پروفیسر راجندر سنگھ عرف رجو بھیا تک کر چکے ہیں۔ تب پھر یہ سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد مولانا بار بار اپنے فارمولے کی وکالت کرتے رہے اور کہتے رہے کہ اگر مسلمان اسے مان لیں تو میں آر ایس ایس کے لوگوں سے بھی اس کو منوا سکتا ہوں لیکن جب یہ سوال پوچھا گیا کہ سنگھ پریوار تو بہت بڑا ہے آپ ایک رکن کو منا لیں گے تو دوسرا انکار کر دے گا' تب آپ کیا کریں گے تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

مجھے ایک بات اور بھی آج بہت شدت سے یاد آ رہی ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد پہلی بار جب لال کرشن ایڈوانی پٹنہ وارد ہوئے تو ان کا استقبال رام دوت کی حیثیت سے کیا گیا تھا۔ انہوں نے گاندھی میدان کے عظیم الشان جلسے میں جو تقریر کی' اس میں بار بار اس بات پر زور دیا کہ وہ سرے سے مسجد تھی ہی نہیں اور حوالہ مولانا وحید الدین خان کا دیتے رہے کہ یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں ایک بہت بڑے عالم مولانا وحید خان نے اپنے مضمون میں لکھا ہے جو آج ہی ہندوستان ٹائمز کے ضمیمے میں شائع ہوا ہے۔ میں نے بھی وہ مضمون پڑھا تھا۔ مسجد جیسے موضوع پر لکھے ہوئے اس مضمون کو پڑھ کر کراہت کا احساس ہوتا تھا۔

مولانا نے اپنا یہی منفی رویہ سلمان رشدی کے خلاف علامہ خمینی کے فتویٰ اور سرسوتی وندنا و وندے ماترم پر اختیار کیا اور اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ انہوں نے ہر معاملے میں ہندوؤں کی علمبردار فسطائی تنظیموں کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی ہے اور ان باتوں کا مقصد کیا ہو سکتا ہے' وہ لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے گزشتہ ایک دہائی میں مولانا کی مادی ترقی کو دیکھا ہے

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ جاں سوز ہے ساقی

فتنہ وحید الدین خاں

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

سلمان رشدی کے بارے میں وحید الدین خاں کے موقف کا جائزہ

"خدا میرے لیے ایک رسمی عقیدہ نہیں ہے' خدا میری دریافت ہے' خدا کو میں نے دیکھا ہے' خدا کو میں نے چھوا ہے' بخدا میری مثال صحرائے سینا کے اس پہاڑ کی ہے' جس پر خدا اترا اور اس نے اس کی ہستی کے ریزے ریزے کر دیے"۔

یہ اقتباس پڑھ کر خدا جانے آپ کا ذہن کہاں کہاں جائے۔ شاید آپ یقین کر بیٹھے ہوں کہ یہ اقتباس مرزا غلام احمد قادیانی کی کسی کتاب کا ہے لیکن قیاس آرائی میں عجلت نہ کیجئے اور میری طرح آپ بھی یہ جان کر صدمے سے دو چار ہویئے کہ یہ تحریر "علم جدید کا چیلنج" اور دوسری مفید کتابوں کے مصنف وحید الدین خاں کی ہے۔ یہ خبر بظاہر ناقابل یقین ہے' اس لیے اگر یقین کرنے میں دشواری محسوس ہو تو وحید الدین خاں کے ماہنامہ "الرسالہ" دسمبر ۱۹۸۶ء کا شمارہ کھول کر صفحہ ۲۶ پر یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

اسے بدقسمتی ہی کہئے کہ ایک عرصہ سے خاں صاحب کی تحریر کا رخ مڑ چکا ہے' اور ان کے قلم سے ایسی بھیانک تحریریں نکل رہی ہیں' جنہیں پڑھ کر خاموشی' کتمان حق کے دائرے میں آتی ہے۔ اندیشہ ہوتا ہے کہ خدانخواستہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل موصوف کوئی "دعویٰ" نہ کر بیٹھیں۔ دل پر بہت جبر کر کے دو ایک وحشت ناک اقتباسات اور بھی پڑھ لیجئے۔

یکم فروری ۱۹۶۳ء کی رات وحید الدین خاں نے ایک خواب دیکھا۔ بیدار ہونے کے بعد

انہیں خواب کا صرف اتنا حصہ یاد رہا۔ "۱۹ جولائی" اس خواب کے ۲۳ سال بعد ۱۹۸۶ء کی ۱۹ جولائی کو انہوں نے اپنی تفسیر "تذکیر القرآن" مکمل کی۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے "الرسالہ" میں موصوف نے "خواب پورا ہوگیا" کے عنوان سے مستقل ایک مضمون لکھا۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"۱۹ جولائی کو "تذکیر القرآن" کا مکمل ہونا بڑا عجیب واقعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام تمام تر خدا کی مدد سے ہوا' اور عین خدا کے منصوبے کے تحت اپنی تکمیل کو پہنچا۔ یہ ایک خدائی منصوبہ تھا اور خدا ہی نے اپنے خصوصی اہتمام سے اس کو پورا کیا۔ "تذکیر القرآن" ایسے حالات میں مکمل ہوئی جبکہ میرے حالات بے حد خراب تھے۔ حتیٰ کہ کچھ لوگ مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھے۔ آج جب میں نے "تذکیر القرآن" کو مکمل کیا تو میرے دل نے کہا جو کام مجھے کرنا تھا وہ آج پورا ہوگیا۔ اب انشاء اللہ خدا کے دین پر کوئی شخص پردہ نہ ڈال سکے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے"۔

("الرسالہ" اکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۲۵-۲۶)

بجلی کے ایک حادثے میں وحید الدین خاں کی کلائی زخمی ہوگئی۔ اس حادثہ کے بارے میں اکتوبر ۱۹۸۳ء کے "الرسالہ" میں بہت مفصل مضمون لکھا۔ اسی مضمون میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"آج صبح کو مجھ پر ایک عجیب تجربہ گزرا۔ میں "تذکیر القرآن" میں سورۂ یونس (آیات ۲۵-۲۷) کی تشریح لکھ رہا تھا۔ الیکٹرک برن (Burn) کی وجہ سے میری کلائی زخمی ہے۔ دائیں ہاتھ کی انگلیاں تقریباً ۷۵% سن ہیں۔ ہاتھ اتنا کمزور ہے کہ قلم پکڑنے میں نہیں آتا' تاہم اسی حالت میں لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ عین اس وقت مجھ پر ایک لحاتی تجربہ گزرا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں خدا کو اپنے فرشتوں سے یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں کہ:

"ذرا میرے بندے کو دیکھو......"

بے اختیار دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے......."

("الرسالہ" اکتوبر ۱۹۸۳' ص ۱۸)

وحید الدین خاں کی اس طرح کی تحریریں ان کے خیر خواہوں اور قدر دانوں کے دلوں میں اندیشے پیدا کر رہی ہیں کہ کہیں وہ اشاروں اور کنایوں سے آگے بڑھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح نعوذ باللہ اعلانیہ کوئی دعویٰ نہ کر بیٹھیں۔ ان اندیشوں سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو بھی یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ وحید الدین خاں روز بہ روز اپنی تحریروں میں جادۂ اعتدال اور صراط

مستقیم سے ہٹتے جا رہے ہیں۔ ان کا شوق انفرادیت" انہیں کتاب و سنت اور اجماع امت سے بہت دور لے جا رہا ہے۔ جن مسائل کے بارے میں کتاب و سنت کی واضح نصوص موجود ہیں اور چودہ سو سال سے جن مسائل پر امت متفق ہے' وحید الدین خاں ان سے بھی اختلاف کر رہے ہیں۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا تمام رسولوں سے افضل ہونا اور دین اسلام کا تمام ادیان سے کامل ہونا ایسی بدیہی حقیقت ہے جس سے اختلاف کرنے کی بات کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ لیکن وحید الدین خاں اس بدیہی حقیقت سے بھی اختلاف کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ موصوف پوری جرات و صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں:

> "خدا کے تمام رسول ایک ہی دین لے کر آئے۔ ان میں سے کوئی رسول نہ دوسرے رسولوں سے افضل تھا اور نہ ان میں سے کسی کا دین دوسروں کے دین کے مقابلہ میں زیادہ کامل"۔
>
> ("الرسالہ" مارچ ۱۹۸۴ء ص ۳۸)

وحید الدین خاں کا دینی انحراف صرف یہی نہیں ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کے بہت سے اجتماعی مسائل کو اپنے "شوق انفرادیت و شذوذ" کا شکار بنایا' بلکہ اپنی تحریروں میں موصوف نے آیات و احادیث کی من مانی تشریحات کیں' اپنے خیالات پر کھینچ تان کر آیات و احادیث کو فٹ کرنے کی کوشش کی۔ آیات قرآنی کی متعدد متضاد تفسیریں کیں اور آیات و احادیث کی تشریح کے معاملہ میں بڑی ناخدا ترسی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا۔

سنگین تر بات یہ ہے کہ وحید الدین خاں' مولانا مودودی کے تصور دین کی تردید میں غلو اور ردعمل کی نفسیات کے شکار ہوگئے اور انہوں نے اپنے "تصور دین" میں اسلام کے اجتماعی احکام کی "تصغیر" کی' ان کی اہمیت حد درجہ گھٹا دی اور ان کی تحریروں سے یہ تاثر ابھرنے لگا کہ گویا اسلام میں بھی مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے۔ موصوف نے لکھا کہ "اسلام کا مخاطب فرد ہے نہ کہ اجتماع" انہوں نے اجتماعی احکام کو دین کا "اضافی جز" قرار دیا۔ اجتماعی احکام کی اہمیت گھٹانے کی وجہ سے ان کی تحریروں میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد اور مسلم ممالک میں اسلامی قوانین اور اسلامی سزاؤں کے اجراء کی کوششوں کا استہزاء استخفاف ملتا ہے۔ موصوف پوری صفائی کے ساتھ یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

> "دین کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے خوف و محبت کا تعلق جوڑے اور آخرت کی کامیابی کے لیے فکر مند ہو۔ مگر دنیا کی زندگی میں مومن کی

ایک اور بھی پسندیدہ چیز (صف ۱۳) ہوتی ہے اور وہ ہے اسلام کا غلبہ۔ یعنی اہل حق دوسری قوموں کے مقابلہ میں دبے ہوئے نہ ہوں بلکہ انہیں کو زمین کے اوپر سربلندی حاصل ہو۔ تاہم اہل ایمان کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ براہ راست اسلامی اقتدار قائم کرنے کی مہم چلائیں۔ قرآن میں واضح لفظوں میں ارشاد ہوا ہے کہ اقتدار کا مالک اللہ ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے (آل عمران ۲۶) انبیاء میں سے کسی نبی نے بھی حکومت قائم کرنے کی مہم نہیں چلائی۔ حضرت داؤد کو حکومت ملی مگر قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ "اے داؤد تم کو یہ اقتدار ہم نے عطا کیا ہے" (ص ۲۶)

("دین کیا ہے؟" ص ۱۰)

جذبہ جہاد مسلمانوں کے لیے قوت و شوکت کا عظیم ذخیرہ ہے، جس سے دشمنان اسلام ہمیشہ تھراتے ہیں اور اس جذبہ کو مسلمانوں کے دل و دماغ سے نکالنے کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام کی طرف سے خود مسلمانوں میں ایسے لوگ کھڑے کیے گئے، جنہوں نے جہاد کے خلاف ذہن سازی کی، مسلمانوں کے دل و دماغ سے جہاد کی عظمت و تقدس ختم کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔ جہاد کے لیے ایسی خودساختہ شرطیں بیان کیں، جن کا یکجا وجود جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

برٹش گورنمنٹ کو مسلمانوں کا جذبہ جہاد سرد کرنے کے لیے ایک متنبی کھڑا کرنا پڑا۔ نبی کاذب مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کی طرف سے اسی لیے برپا کیے گئے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کے "غلیظ خیالات" نکال کر انہیں ہمیشہ کے لیے انگریز کے قدموں میں ڈال دیں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے اس عظیم کارنامے کا فخریہ تذکرہ خود اپنے قلم سے کیا ہے۔ اپنی کتاب "ستارۂ قیصر" میں لکھتے ہیں:

"مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی، وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلاد اسلام میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گزار اور دعاگو رہے۔ اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو، فارسی، عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں

مکہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصراور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا' اشاعت کر دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکا"۔

("ستارۂ قیصر" ص ۳)

وحید الدین خاں کو شکایت ہے کہ مسلمانوں نے جہاد کے بارے میں غلام احمد قادیانی کے نظریہ سے اتفاق نہیں کیا۔ اپنی کتاب "تجدید دین" میں انیسویں اور بیسویں صدی کی تمام تحریکات کو کنڈم کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس پورے دور میں تعمیر واستحکام کے مقصد کے تحت اٹھنے والی کوئی قابل لحاظ تحریک نظر نہیں آتی۔ مسلم رہنماؤں کا حال یہ رہا کہ وہ---- زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ ستیز" جیسے رومانی تصورات پر فدا ہوتے رہے' کسی کی سمجھ میں وہ حقیقت پسندانہ طریق کار نہ آسکا' جس کو بدنام طور پر حالی (۱۹۱۴--۱۸۴۰) نے ان لفظوں میں بیان کیا تھا:

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

ہندوستان میں اس سلسلہ میں دو مستثنیٰ مثالیں ملتی ہیں' وہ بھی دو بدنام شخصیتوں کی' میری مراد سرسید احمد خاں (۱۸۹۸---۱۸۱۷) اور مرزا غلام احمد قادیانی (۱۹۰۸-۱۸۴۰) سے ہے.......... اس قسم کی غلطی دوسری شکل میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کی۔ انہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا تو یہ وقت تھا جب کہ سارے مسلم رہنما انگریز کے خلاف جہاد حریت میں مصروف تھے۔ ان پرجوش مجاہدین کو محسوس ہوا کہ قادیانی مشن مسلمانوں کو مقدس جہاد کے محاذ سے ہٹا کر پرامن تبلیغ کے میدان میں لگا دینا چاہتا ہے۔ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں کہا کہ جہاد (بمعنی سیاسی مقابلہ) کوئی مستقل شرعی حکم نہیں ہے۔ وہ صرف دفاعی ضرورت کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ مگر ہمارے مجاہدین حریت کے لیے یہ جواب تشفی بخش ثابت نہ ہو سکا۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کے ایجنٹ ہیں"۔

("تجدید دین" ص ۴۴-۴۵)

اس اقتباس کو پڑھ کر انصاف پسند قاری صاف طور پر محسوس کرتا ہے کہ وحید الدین خاں کو جہاد کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے نظریہ سے اختلاف نہیں بلکہ اس کے صریح دعویٰ رسالت سے اختلاف ہے۔ چنانچہ موصوف نے غلام احمد قادیانی کے اس نظریہ "جہاد اسلام میں کوئی مستقل شرعی حکم نہیں، بلکہ وہ صرف دفاعی ضرورت کے لیے مقرر کیا گیا ہے" کو اپنا کر جہاد کو محض دفاعی ثابت کرنے کے لیے "وکالت اور استدلال" کی پوری طاقت صرف کر دی اور جہاد کے لیے ایسی خود ساختہ شرطیں لگائیں جن کا کتاب و سنت سے کوئی ثبوت نہیں۔ یہاں وحید الدین خاں کا صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

"اسلام میں جنگ بہ طور دفاع ہے۔ اسلام میں اصل چیز دعوت ہے، یعنی لوگوں کو پرامن طور پر اور حکیمانہ انداز میں حق کی طرف بلانا۔ یہی اسلامی عمل کا آغاز ہے اور یہی اس کا اختتام بھی۔ تاہم اگر فریق ثانی جارحیت سے باز نہ آئے تو اس سے دفاعی جنگ کی جائے۔ مگر دفاعی جنگ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس سے پہلے مسلمان نماز کو قائم کرنے والے بن جائیں"۔

("الرسالہ" جون ۱۹۸۶، ص ۱۰)

جہاد سے دوری اور بیزاری نے وحید الدین خاں کے قلم سے بھیانک تحریریں لکھوائی ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن، خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی چہیتی صاحبزادی، حواری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ کی شریک حیات، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے مرتبہ و مقام سے کون مسلمان ناواقف ہو گا۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں ذات النطاقین کے لقب سے نوازا۔ اسی جلیل القدر صحابیہ کا تذکرہ وحید الدین خاں کے قلم سے پڑھئے:

"عبداللہ بن زبیر کی ماں (اسماء) نے ان کو مسلم حکمراں سے لڑنے پر اکسایا، چنانچہ ایک شخص جو لڑائی کا ارادہ چھوڑ چکا تھا، وہ دوبارہ لڑائی لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ شہنشاہ اکبر کی ماں (مریم مکانی) نے اکبر کو ملا عبدالنبی کے خلاف کارروائی کرنے سے روکا۔ چنانچہ اکبر ان کے خلاف سخت کارروائی کرنے سے باز رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔ راقم الحروف اگر بچپن میں ماں سے محروم ہو جاتا، یا اگر مجھ کو ایسی ماں ملتی جو مجھے اپنے دشمنوں کے خلاف لڑنے جھگڑنے پر اکساتی رہتی تو یقینی طور پر میری زندگی کا رخ بالکل دوسرا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسے انجام سے بچایا اور مجھ کو اپنی ایک صداقت کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ تاہم اس عالم اسباب میں جو ہستی اس واقعہ کا ابتدائی سبب بنی، وہ یقیناً ایک خاتون تھی اور وہ

بھی اسلامی اصولوں کے مطابق ایک خانہ نشین خاتون"۔

("خاتون اسلام" ص ۲۰۴، طبع ۱۹۸۸ء)

حضرت اسماءؓ جیسی مقدس، صاحب عزیمت ماں اور ان کے جلیل القدر فرزند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر پوری امت ہمیشہ فخر کرتی رہی ہے۔ وحید الدین خاں پہلے مسلمان ہیں جو حضرت اسماءؓ کی تربیت کو غلط قرار دیتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ میری ماں نے وہ تربیت نہیں دی جو حضرت اسماءؓ نے اپنے بیٹے کی تربیت فرمائی۔ نیز حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے "انجام" سے بچنے پر بے پناہ مسرور ہیں۔

دو تین صدیوں کے تمام مجددین و مصلحین، مجاہدین و شہداء، وحید الدین خاں کے نزدیک معتوب ہیں۔ یہ سب حضرات (وحید الدین خاں کے بہ قول) منفی ردعمل کی نفسیات کا شکار ہو گئے اور بربادی کی تاریخ چھوڑ کر اس دنیا سے گئے۔

وحید الدین خاں دور حاضر میں مسلمانوں کو مسلسل ہزیمت و پسپائی کا درس دے رہے ہیں اور اپنے اس درس ہزیمت کو قرآن و سنت سے مدلل کر کے پیش کرنے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو اپنے مخصوص فکری سانچے میں ڈھال کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ واقعہ ان کے "فلسفہ ہزیمت" کی اساس بن سکے اور اس سلسلے میں واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے قومی و ملی مسائل میں ان کا رویہ بڑا افسوس ناک ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی قیادت میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور اسلامی تشخص کی بقا کے لیے جو قابل قدر جدوجہد ہوئی اور ہو رہی ہے، اس پر سطحی تنقیدیں کرنے کا "خوشگوار فریضہ" وحید الدین خاں برابر انجام دے رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں ان کا مطالعہ یہ ہے:

"ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں یہ بات تقریباً ثابت شدہ ہے کہ اس کا آغاز ہمیشہ کسی مسلمان کی اشتعال انگیز کارروائی سے ہوتا ہے۔ یہ معاملہ ابتداً ایک ہندو، ایک مسلمان کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں ہی کے پیدا کردہ حالات کے نتیجہ میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ انفرادی واقعہ، بہت جلد قومی واقعہ بن جاتا ہے"۔

("الرسالہ" ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۳)

ہندوستانی مسلمانوں کے ملی مسائل میں وحید الدین خاں اگر مجرد اپنی رائے پیش کرتے تو ہمیں ان سے تعرض کی زیادہ ضرورت نہ ہوتی۔ انہوں نے غضب یہ کیا ہے کہ اپنی ان آراء کو

قرآن و سنت کا صریح فرمان بنا کر پیش کیا ہے۔ مثلاً موصوف جب اپنی یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو حقوق طلبی کی مہم مکمل طور پر ترک کر دینا چاہیے تو قرآن کی ان آیتوں کا حوالہ دیتے ہیں جن میں انبیاء کرام کے اپنی اقوام کے سامنے اس اعلان کا ذکر ہے:

لا اسئلکم علیہ اجرا

"میں دین کی اس دعوت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا"۔

مذکورہ بالا اشارات سے معلوم ہوا کہ وحید الدین خاں کے انحرافات ہمہ جہت ہیں' انہوں نے متعدد مسائل میں اجماع امت سے خروج کیا' آیات و احادیث کی غلط اور متضاد تشریحیں کیں' ردعمل کا شکار ہو کر دین کا غلط تصور پیش کیا۔ اسلام کے نظریہ جہاد کی غلط ترجمانی کی۔ صحابہ' تابعین' ائمہ مجتہدین' فقہاء و محدثین' مجددین و مصلحین' شہداء و مجاہدین کو ہتک آمیز بے بنیاد تنقیدوں کا نشانہ بنایا۔ مسلمانوں کو تمام میدانوں میں ہزیمت و پسپائی کا درس دیا۔ ملی مسائل میں کتاب و سنت کا حوالہ دے کر غلط رہنمائی کی۔ اس لیے ان کے افکار و نظریات کا ناقدانہ جائزہ لینا ایک اہم دینی ذمہ داری ہے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں ہر دور میں دین اسلام سے غلو پسندوں کی "تحریف" باطل پرستوں کے "انتحال" اور اہل جہل کی "تاویل کا ازالہ مسلمانوں کا اہم فرض ہے۔

وحید الدین خاں اپنی زندگی کا ساتواں دہا پار کر رہے ہیں۔ ان کی عمر ۶۵ سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ عمر کا یہ وہ مرحلہ ہے جب انسان کو فطری طور پر موت' آخرت اور دربار خداوندی میں پیشی کا استحضار ہونے لگتا ہے اور انسان اپنی عملی و فکری لغزشوں کا جائزہ لے کر ان کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ وحید الدین خاں' شام زندگی کے نازک مرحلے میں میرا ناقدانہ جائزہ پڑھ کر ردعمل کی نفسیات کا شکار نہیں ہوں گے۔ انہیں مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہو گا کہ مجھ سے دین اسلام کی تعبیر و تشریح میں' مسائل کی ترجمانی میں' آیات و احادیث کی تشریح میں' امت کی رہنمائی میں اور اسلاف امت پر تنقید میں غلطیاں ہوئی ہیں تو اپنی علمی و فکری غلطیوں کا اعتراف و اظہار کر کے اپنے کو اس ہولناک خطرے سے بچائیں گے کہ بعد کی نسلیں ان کی تحریروں سے فکری' اعتقادی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا ہوں اور ان سب کا گناہ وحید الدین خاں کے اعمال نامے میں لکھا جائے۔ میں مومنانہ خیر خواہی کی بنا پر ان کو انہیں کی یہ تذکیری تحریر یاد دلا رہا ہوں:

"بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب کہ ہم میں سے ہر شخص خداوند عالم کے سامنے کھڑا ہو گا۔ اس دن حقیقت آخری حد تک کھل چکی ہو گی۔ خوبصورت

الفاظ کی دیواریں جو آج لوگوں نے اپنے گرد کھڑی کر رکھی ہیں، سب اس روز ڈھ جائیں گی۔ لوگ اس طرح ننگے ہو جائیں گے کہ درخت کے پتے بھی نہ ہوں گے جن سے وہ اپنے آپ کو چھپا سکیں۔ مبارک ہے وہ جس کے لیے وہ دن سعی مشکور کی خوشخبری لے کر آئے۔ بدنصیب ہے وہ جس کا دین اس روز قبول نہ کیا جائے اور خدا اس سے کہہ دے تم جس بات کے علمبردار بنے ہوئے تھے، وہ محض تمہارے دماغ کی اپج تھی، وہ میری بات ہی نہیں تھی"۔

("تعبیر کی غلطی" ص ۳۴۳-۳۴۴، دوسرا ایڈیشن)

وحید الدین خاں کے عقیدت مندوں کے دلوں میں شاید یہ شبہ پیدا ہو کہ موصوف کی تحریروں سے دینی فائدہ ہو رہا ہے۔ لوگ دعوت اور آخرت کی طرف مائل ہو رہے ہیں، اس لیے ان کے افکار و خیالات اور تحریروں میں انحراف اور گمراہی کیسے ہو سکتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کے بجائے وحید الدین خاں ہی کے الفاظ میں اس شبہ کا ازالہ کر دوں:

"بعض مرتبہ دین کے نام پر اٹھنے والی کسی تحریک کی غلطیوں کو سمجھنا لوگوں کے لیے اس لیے بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس سے دین کے کچھ فائدے ہو رہے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ جس تحریک سے دین کو فائدہ پہنچے، اس میں کوئی غلطی کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کا مفید ہونا خود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحیح ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی لازمی رشتہ نہیں ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کوئی کوشش دین کے لیے کسی پہلو سے مفید ہو، مگر اس کوشش کی بنیاد درست نہ ہو۔ یورپ میں بعض عیسائیوں نے خدا کے اثبات پر نہایت اونچے درجے کے سائنسی دلائل فراہم کیے ہیں جو اب تک کسی مسلمان عالم سے ممکن نہ ہو سکا۔ مگر اس کے باوجود کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہی وہ چیز ہے جو ایک انسان سے اللہ کو مطلوب ہے یا یہ کہ عیسائی خدا کی دین کے صحیح ترجمان ہیں"۔

("تعبیر کی غلطی" ص ۲۸۰)

امت مسلمہ کا ہر دور میں اجماع رہا ہے کہ جو مسلمان بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی و ابی) کی اہانت کرے، آپ کو سب و شتم کرے، اس کی سزا قتل ہے، ایسا شخص واجب القتل ہے لیکن وحید الدین خاں اجماع امت کو پس پشت ڈال کر اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ اسلام میں شاتم رسول کی سزا قتل ہے۔

دین اسلام میں محبت رسول کی اہمیت

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (فداہ ابی و امی) کی محبت جزو ایمان ہے۔ ایک مسلمان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو' خواہ کتنا ہی گنہگار اور غرق عصیان ہو' ناموس رسالت ﷺ کے خلاف ایک حرف برداشت نہیں کر سکتا۔ محبت رسول مسلمانوں کے لیے ایمان و یقین کا سرچشمہ اور آخرت کے لیے بہترین ذخیرہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت' قرآن و سنت کی رو سے مطلوب ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے اپنی جان' مال' بیوی اور اولاد سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا' بیٹے' بھائی' بیویاں' خاندان اور تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے اموال اور وہ تجارت جس میں کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور پسندیدہ رہائش گاہیں تمہیں اللہ' اللہ کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (عذاب) آئے اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت یاب نہیں کرتے"۔ (التوبہ:۱۰)

قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے والوں کو دردناک عذاب کی خبر دی گئی:

"جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں' ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

(توبہ:۶۱)

رسول اکرم ﷺ سے کس قدر ادب و تعظیم' عزت و احترام کا معاملہ کیا جانا اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے' اس کا اندازہ درج ذیل آیت سے لگایا جا سکتا ہے:

"اے ایمان والو نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور نہ نبی سے اس طرح زور سے بولو جس طرح تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو کہ مبادہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو احساس بھی نہ ہو"۔

(سورۂ حجرات:۲)

ذات رسالت ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کمال ایمان کی اہم شرط ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میری ذات سے' اسے اپنے باپ' بیٹے اور

تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو جائے"۔

("بخاری" کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان)

امت مسلمہ کا اجماع

آغاز اسلام سے لے کر چودہ صدیوں تک امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور سب و شتم بدترین قسم کا ارتداد ہے اور ایسا شخص مباح الدم اور واجب القتل ہے۔ امت کے تمام ائمہ' فقہاء' محدثین و مفسرین شاتم رسول کے واجب القتل ہونے پر متفق ہیں۔ صحابہ' تابعین' فقہاء مجتہدین کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اہانت رسول کا ارتکاب کرنے والے کی سزا کے بارے میں قرآن و سنت کی نصوص اور امت مسلمہ کے اجماعی موقف کی تفصیل ان کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے:

(۱) الصارم المسلول علی شاتم الرسول (شیخ الاسلام ابن تیمیہ")

(۲) السیف المسلول علی من سب الرسول (تقی الدین ابوالحسن علی السبکی)

(۳) تنبیہ الولاہ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام اواحد اصحابہ الکرام (ابن عابدین الشامی)

حافظ ابن تیمیہ" اپنی مشہور کتاب "الصارم المسلول" میں لکھتے ہیں:

"قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ جو مسلمان رسول اکرم ﷺ کی تنقیص کرے اور سب و شتم کرے اس کے قتل اور تکفیر پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ جلیل القدر امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں' مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کیا' یا اللہ کی نازل کی ہوئی کسی بات کا انکار کیا' یا اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو قتل کیا' وہ کافر ہوگیا۔ خواہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو۔۔۔ خطابی لکھتے ہیں' مجھے کسی مسلمان کا اس بارے میں اختلاف معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب و شتم کرنے والے کا قتل واجب ہے۔ محمد بن سحنون فرماتے ہیں' علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرنے والا اور آپ ﷺ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے' اس کے لیے اللہ کے عذاب کی وعید آئی ہے۔ امت مسلمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور اس کے کفر اور عذاب میں شک کرنے والا کافر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اپنے اس عمل کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے' اسے قتل کیا جائے گا۔ یہی ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ کا مذہب ہے۔ اس سلسلے میں اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے"۔

("الصارم المسلول علی شاتم الرسول" ص۵)

فخر المتاخرین علامہ ابن عابدین شامیؒ "شاتم رسولؐ کے موضوع پر اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:

"(پہلا مسئلہ) خاتم المجتہدین امام تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ اپنی کتاب "السیف المسلول علیٰ من سب الرسول" (ﷺ) میں لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ جو مسلمان رسول اکرم ﷺ کی تنقیص کرے اور سب و شتم کرے' اس کے قتل پر امت کا اجماع ہے۔ ابوبکر بن المنذر فرماتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص رسول اکرم ﷺ کو سب و شتم کرے' اس کی سزا قتل ہے۔ مالکؒ بن انس' لیثؒ بن سعد' احمدؒ بن حنبل' اسحاق بن راہویہ نے یہی بات کہی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ سب و شتم کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ سفیان ثوریؒ' اہل کوفہ اور امام اوزاعیؒ نے بھی سزائے قتل کا حکم لگایا ہے"۔

("تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام"

ص ۲۹۴' مجموعہ رسائل ابن عابدین جز اول)

شاتم رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے کے سلسلے میں قرآن و سنت کے دلائل اتنے کثیر اور صریح ہیں کہ کوئی انصاف پسند ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے "الصارم المسلول" میں زیر بحث مسئلہ پر قرآن پاک سے چھ دلائل ذکر کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرنے والے کے مباح الدم واجب القتل ہونے کے سلسلے میں پندرہ حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان پر بڑے سائز کے ایک سو بیس صفحات میں بحث کی ہے' شبہات کا جواب دیا ہے۔ استدلال کی وضاحت کی ہے اور حسب عادت دوران بحث احادیث و آثار کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ شاتم رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ نے صحابہ کرام کا اجماع ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جہاں تک اجماع صحابہ کا تعلق ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اتنے متعدد

واقعات میں صحابہ کرام سے یہ بات (شاتم رسول کا واجب القتل ہونا) منقول ہے جنہیں شہرت و استفاضہ حاصل ہو جاتا ہے اور کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں کی ہے۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ کسی فرعی مسئلہ میں اس سے زیادہ مضبوط طریقہ سے صحابہ کرام کے اجماع کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا"۔

("الصارم المسلول علی شاتم الرسول" ص ۱۷۳)

شاتم رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں امت مسلمہ میں چودہ صدیوں تک جس پیمانے کا اجماع رہا ہے' اس طرح کا اجماع بہت کم مسائل میں ملے گا۔ اس طرح کے اجماعی مسئلہ کے بارے میں اختلاف کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

سلمان رشدی کی دریدہ دہنی

بیسویں صدی کے آخر میں ملعون سلمان رشدی نے "شیطانی آیات" کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی جس قدر اہانت' سب و شتم کی ہے' اس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ اس ملعون نے اپنے اس "شیطانی کارنامے" سے ابوجہل' ابولہب اور ابلیس لعین کو بھی شرما دیا ہے۔ "شیطانی آیات" کے خلاف پورے عالم اسلام میں جو رد عمل ہوا' وہ ایمانی غیرت و حمیت کا تقاضا تھا۔ "شیطانی آیات" میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تنقیص و توہین کی گئی ہے۔ خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ (فداہ ابی و امی) کا مذاق اڑایا گیا ہے' رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کا پوری بے حیائی' دریدہ دہنی کے ساتھ ذکر کیا گیا' اسلامی شریعت کی نظر میں سلمان رشدی کے جرم کی سزا دو دو چار کی طرح واضح اور قطعی ہے۔ سلمان رشدی اپنی کفریات کی اشاعت کر کے اور ان پر اصرار کر کے مرتد ہو چکا ہے' اہانت انبیاء اور سب صحابہ کی وجہ سے اس کا جرم ارتداد زیادہ سنگین ہو چکا ہے' اس لیے وہ مباح الدم' واجب القتل ہو چکا ہے' اس ملعون کو قتل کرنا کار ثواب اور دین کی نصرت ہے۔

خمینی اور ایران کا رویہ

خمینی اور ایران نے سلمان رشدی کے سلسلے میں جو رویہ اختیار کیا' وہ بلاشبہ حکمت و دانائی کے خلاف تھا' اس طریقہ کار سے سلمان رشدی ہی کو فائدہ ہوا۔ اسے مضبوط تحفظ فراہم کر دیا گیا' اس کی شہرت میں غیر معمولی اضافہ ہوا' تمام اسلام دشمن طاقتیں اس کی پشت پناہی کے لیے متحد ہو گئیں' اس کے معاملہ کو بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا گیا۔ سلمان رشدی کے بارے میں خمینی اور

ایران نے جو طریقہ اختیار کیا' اس سے خمینی اور ایران کو ضرور فائدہ پہنچا' عالم اسلام میں ایران کی گرتی ہوئی ساکھ سنبھل گئی' عامۃ المسلمین میں ایران کی نیک نامی ہوگئی' لیکن سلمان رشدی کا کیس بھی مضبوط ہوگیا' عالمی سطح پر غیر مسلموں میں اس کے لیے ہمدردی اور تحفظ کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ اسے آہنی دیواروں کے پیچھے اس طرح چھپا دیا گیا کہ وہاں تک کسی کا ہاتھ پہنچنا دشوار تر ہوگیا۔ اگر اس کی بجائے حکمت و دانائی' اخفاء اور رازداری کا طریقہ اختیار کیا گیا ہوتا تو اس دشمن رسول کو اتنا تحفظ فراہم نہ ہو پاتا اور اس کے ناپاک وجود سے روئے زمین پاک ہو چکی ہوتی۔

سلمان رشدی کے بارے میں وحید الدین خاں کا طرز عمل

شریعت اسلامی کی نظر میں سلمان رشدی کے جرم کی سزا اتنی واضح ہے کہ اس کے بارے میں دو رائیں ممکن نہیں ہیں' قرآن و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں یہ شخص زندگی کا استحقاق کھو چکا ہے اور مباح الدم واجب القتل قرار پا چکا ہے۔ لیکن اس دور فتن میں اسلام کی غربت اور بے بسی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ اسلام کے قطعی مسلمات بھی خود مسلم مدعیان علم و تحقیق کی طرف سے تشکیک و ارتیاب کا نشانہ بن چکے ہیں' امت مسلمہ کے اجماعی مسائل کا انکار' دور حاضر کا فیشن بن چکا ہے۔ چشم فلک یہ منظر دیکھ کر حیران ہے کہ "دعوت اسلام" کی رٹ لگانے والا ایک "مفکر" سلمان رشدی کے دفاع میں قلم سنبھالے ہوئے ہے اور اجماع امت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خود ان مسلمانوں کو طعن و تشنیع' سب و شتم کا نشانہ بنائے ہوئے ہے جو ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت پر پابندی لگانے کا مطالبہ کر رہے ہیں' اور برطانوی حکومت پر سیاسی دباؤ ڈال رہے ہیں کہ شاتم رسول کی حفاظت سے دست کش ہو جائے اور اسے قرار واقعی سزا دے۔

میری مراد وحید الدین خاں سے ہے۔ انہوں نے "الرسالہ" میں اس دشمن رسول کی مدافعت کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور سلمان رشدی کے خلاف کی جانے والی کوششوں کے خلاف پورا زور قلم خرچ کر دیا۔ ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کے لیے کیے جانے والے اقدامات پر دل خراش جارحانہ تبصرے کیے۔ حیرت ہے کہ وحید الدین خاں کا قلم مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور غیر مسلموں کے ساتھ عدم جارحیت کا رویہ اپنانے کی نصیحت سے نہیں تھکتا' لیکن مسلمان علماء' مفکرین' فقہاء' مجتہدین اور عامۃ المسلمین پر اظہار رائے کرتے ہوئے ان کا قلم جارحیت کی آخری حدوں کو چھو لیتا ہے اور تنقیص و استہزاء کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ خدا جانے یہ حکمت دعوت کی کون سی قسم ہے۔

ماہنامہ "الرسالہ" دہلی کے جون' جولائی ۱۹۸۹ء کے شمارے شاتمین رسول کی جانب سے وکالت سے پر ہیں۔ خاں صاحب نے شتم رسول کے جرم میں سزائے قتل سے انکار کیا ہے اور شاتم رسول کی سزائے قتل کو قرآن و سنت کی مخالفت قرار دیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

- "موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا عام خیال یہ ہو گیا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی یا اس کا استہزاء' ایک ایسا جرم ہے جو علی الاطلاق طور پر مجرم کو واجب القتل بنا دیتا ہے' یعنی جیسے ہی کوئی شخص ایسے الفاظ بولے جو مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی نظر آئے' اس کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس قسم کا مطلق نظریہ شرعی اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ اسلام میں اس کے لیے کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں"۔

("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء' ص ۱۴)

- "کیا اس کے بعد بھی اس میں شبہ کی کوئی گنجائش باقی ہے کہ رسول اللہ کی شان میں گستاخی بجائے خود مستوجب قتل جرم نہیں ہے۔ کسی کے واجب القتل ہونے کے لیے اسی کے ساتھ کچھ مزید اسباب درکار ہیں۔ مثلاً ریاست اسلامی سے بغاوت۔ چند افراد جو دور اول میں قتل کیے گئے ہیں' ان کا معاملہ اسی دوسرے حکم کے تحت آتا ہے۔ انہیں ریاست سے بغاوت کے جرم میں قتل کیا گیا نہ کہ مجرد گستاخی رسول کے جرم میں"۔

("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء' ص ۲۳' ۲۴)

- "ایسی حالت میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی علی الاطلاق طور پر مستوجب قتل جرم ہے' وہ ایک ایسی بات کہتے ہیں جس کے لیے ان کے پاس قرآن و سنت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے"۔

("الرسالہ" جون ۱۹۸۹ء' ص ۲۶)

- "یہ ہے اس طرح کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ۔ اب اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ سلمان رشدی کی کتاب سے ہمارے جذبات مجروح ہوئے ہیں اور ہم تو اس کو قتل کر کے رہیں گے' تو میں کہوں گا کہ "مسلمانوں کے جذبات کا مجروح ہونا" اسلام کے قانون جرائم کی کوئی دفعہ نہیں ہے۔ مسلمان اگر اس قسم کی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو اس کو اپنی قومی سرکشی کے نام پر کر سکتے ہیں مگر اسلام کے نام پر انہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر وہ اسلام کے نام پر اس قسم

کا فعل کریں تو انہیں ڈرنا چاہیے کہ ایک مجرم کو سزا دینے کی کوشش میں وہ خود اپنے آپ کو اللہ کی نظر میں زیادہ بڑا مجرم نہ بنالیں"۔

("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹، ص ۱۸)

• "اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہے جو "قتل شاتم" سے بھی زیادہ قابل لحاظ ہے اور وہ اسلام کی دین رحمت کی تصویر ہے۔ اسلام کی دعوتی تصویر بگڑنے کا اندیشہ ہو تو ایک شخص کے کھلے ہوئے سب وشتم اور اس کی شدید ایذا رسانی کے باوجود اسے قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو نظرانداز کر کے چھوڑ دیا جائے گا۔ اسلام میں سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز دعوتی مصلحت ہے، دعوتی مصلحت اسلام میں سپریم حیثیت کا درجہ رکھتی ہے۔ دعوتی مصلحت کی خاطر ہر دوسری چیز کو نظر انداز کر دیا جائے گا خواہ وہ بجائے خود کتنی ہی سنگین نظر آتی ہو۔ مسلمانوں کے دلوں کا مجروح ہونا خدا اور رسول کی نظر میں اتنا اہم نہیں ہے، جتنا کہ دعوتی مصلحت کا مجروح ہونا۔ اگر کسی معاملہ میں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں تو انہیں اپنے جذبات کو دبانا چاہیے، نہ کہ وہ جذبات کا بے جا اظہار کریں۔ اور دعوت کے قیمتی مصالح کو برباد کر کے رکھ دیں"۔

("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹، ص ۲۲)

• "سلمان رشدی نے بلاشبہ توہین رسول اور اسلام دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ حقیقت واقعہ کے اعتبار سے وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔ لیکن مسلمان اگر اس کے خلاف قاتلانہ کارروائی کریں تو ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ لوگ یہ کہیں کہ مسلمانوں نے ایک اسلام دشمن کو قتل کر دیا بلکہ لازمی طور پر ایسا ہوگا کہ لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ مسلمان آزادی فکر کے قاتل ہیں۔ اسلام کا اصل انحصار تلوار کی طاقت پر ہے نہ کہ دلیل کی طاقت پر۔ ہمیں اس حقیقت کو جاننا چاہیے کہ موجودہ زمانہ آزادی فکر کا زمانہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں آزادی فکر کو سب سے بڑی قدر کا درجہ دیا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں آزادی، خیراعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج کا انسان کسی ایسے مذہب یا نظام کو غیرمہذب اور وحشیانہ سمجھتا ہے جو آزادی فکر کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ ایسی حالت میں باعتبار نتیجہ سب سے بڑی اسلام دشمنی یہ ہوگی کہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جو دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع دے کہ اسلام آزادی فکر کا قاتل ہے اور اس لیے وہ ایک وحشیانہ مذہب ہے۔ اس معاملہ میں سنت رسول کا

تقاضا یہ ہے کہ اسلام کو اس "بدنامی" سے بچایا جائے۔ خواہ اس کی جو بھی قیمت دینی ہو' خواہ اس کے لیے کتنی ہی بڑی چیز کو برداشت کرنا پڑے"۔
("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹' ص ۲۳)

اجماع امت کے خلاف کسی کی رائے اور تحقیق معتبر نہیں

جو مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور سب و شتم کا ارتکاب کرے' اس کا بدترین مرتد اور واجب القتل ہونا امت میں اس قدر متفقہ اور اجماعی مسئلہ ہے کہ کسی "مفکر" اور "داعی" کا اس کے بارے میں اختلاف کا اظہار قابل اعتناء نہیں ہے۔ اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں آپ زیر بحث مسئلہ میں ابن المنذر" ' قاضی عیاض" ' اسحاق بن راہویہ" ' خطابی" ' محمد بن سحنون" ' تقی الدین سبکی" ' حافظ ابن تیمیہ" ' علامہ شامی" کے الفاظ میں اجماع امت کا دعویٰ سن چکے۔ ان بلند پایہ آئمہ' فقہاء' محدثین اور محققین کی جانب سے امت مسلمہ کا اجماع نقل کیے جانے کے بعد وحید الدین خاں کے اختلاف کی بے وزنی بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاتجتمع امتی علی الضلالہ
"میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی"

امت مسلمہ کو یہ شرف و اعزاز حاصل ہے کہ اس کا اجماع حق و صداقت کی دلیل پر قرار دیا گیا ہے۔ قیامت تک یہ امت کسی بھی دور میں غلطی اور گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ جس مسئلہ پر امت مسلمہ کا چودہ صدیوں تک اتفاق رہا ہو' اس کا حق و صواب ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔۔۔۔ اسی کا ایک منطقی اور فطری نتیجہ ہے کہ وحید الدین خاں کے اختلاف کو غلطی اور گمراہی قرار دیا جائے۔ اس طرح کے اجماعی مسئلہ میں اگر کوئی بڑا فاضل و محقق بھی اختلاف کا اظہار کرتا تو اس کے اختلاف کو بھی پرکاہ سے زیادہ حیثیت حاصل نہ ہوتی۔ اس لیے امت کے اجماعی مسئلہ سے وحید الدین خاں کا اختلاف کسی اہمیت اور سنجیدہ نوٹس کے لائق نہیں ہے۔ لیکن اس دور فتن میں ایک طرف ہماری نوجوان نسل' دین کے اصول اور بنیادی تصورات سے ناآشنا ہوتی جا رہی ہے۔ دوسری طرف تشکیک زدہ نوجوانوں کے ایک طبقہ میں اجماع امت سے اختلاف ایک فیشن بن چکا ہے۔ تیسری طرف وحید الدین خاں کے مخصوص اسلوب تحریر اور طرز نگارش سے نوجوانوں کا ایک طبقہ ان سے مانوس اور متاثر ہے۔ اس طبقہ کا چونکہ اسلامیات کا براہ راست گہرا مطالعہ نہیں ہے' اس لیے وہ وحید الدین خاں کے افکار و خیالات میں کھرے کھوٹے کی تمیز

کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ ان سب اسباب کی بناء پر ضروری معلوم ہوا کہ شاتم رسول کی سزا کے بارے میں موصوف نے جو موقف اختیار کیا ہے' اس کا علمی جائزہ لیا جائے اور ان کی دلائل نما تلبیسات کا پردہ چاک کیا جائے۔

شاتم رسول بدترین مرتد ہے

سلمان رشدی کا کیس صریحی طور پر اہانت رسول اور شتم رسول کا کیس ہے۔ اجماع امت سے قطع نظر ہم قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس جرم کی سزا اسلام میں کیا ہے؟ کوئی بھی صاحب علم شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم ﷺ کی اہانت' استہزاء اور سب و شتم کا ارتکاب اگر کسی مسلمان کی جانب سے ہو تو وہ مسلمان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی اہانت اور استہزاء دراصل آپ کی رسالت سے انکار ہے۔ رسول کی رسالت پر عقیدہ رکھتے ہوئے کوئی شخص رسول کے ساتھ اہانت و استہزاء کا رویہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اہانت رسول کے مرتکب کا دائرہ اسلام سے خارج ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ ان (کے پیغمبر) پر کہیں کوئی ایسی سورت (نہ) اتر آئے کہ ان کے دل کی باتوں کو ان (مسلمانوں) پر ظاہر کر دے' کہہ دو کہ ہنسی کیے جاؤ جس بات سے تم ڈرتے ہو' خدا اس کو ضرور ظاہر کر دے گا' اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے' کہو کیا تم خدا اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے۔ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو' اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں تو دوسری جماعت کو سزا بھی دیں گے چونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں"۔

("سورہ توبہ" آیت ۶۴ تا ۶۶)

یہ آیت اس مفہوم میں بالکل صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور رسول اکرم ﷺ کا استہزاء کفر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اہانت اور سب و شتم استہزاء سے زیادہ سنگین چیز ہے۔ لہٰذا اس کا کفر ہونا زیادہ واضح ہے۔ قرآن پاک نے تو رسول اکرم ﷺ کے فیصلے کو بے چوں و چرا تسلیم کرنا بھی ایمان کی شرط قرار دیا ہے:

"تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں

منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو' اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے"۔

("سورۂ نساء" آیت ۶۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا سر قلم کر دیا تھا جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا اور دربار نبوت سے فیصلہ ہو جانے کے بعد اپنا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔

قرآن پاک کی متعدد آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو تسلیم نہ کرنا کفر و نفاق قرار دیا گیا ہے۔

یہ بات عقل عام سے بھی معلوم ہو سکتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپ کی شان میں گستاخی' سب و شتم' آپ کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے سے زیادہ سنگین اور بھیانک جرم ہے۔ لہٰذا اہانت رسول کی بناء پر انسان بدرجہ اولیٰ دائرہ اسلام سے نکل جائے گا اور مباح الدم قرار پائے گا۔

فقہاء اسلام کی تصریحات

قرآن پاک کی آیات و احادیث کی بناء پر فقہاء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور سب و شتم بدترین ارتداد ہے۔ فقہاء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

"امام ابو یوسف نے فرمایا "جس مسلمان شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا یا جھٹلایا یا عیب لگایا یا تنقیص کی' اس نے کفر کیا۔ اس کی بیوی اس سے جدا ہو گئی"۔

("رد المختار علی الدر المختار" ج ۳' ص ۳۱۹)

"جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو سب و شتم کیا' وہ کافر ہو گیا۔ خواہ اس نے سنجیدگی سے ایسا کیا ہو یا مذاق میں کیا ہو۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہو گیا' جس نے اللہ تعالیٰ کا یا اس کی آیات کا یا اس کے رسولوں یا کتابوں کا استہزاء کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولئن سالتھم لیقولن.......الخ"۔

("الشرح الکبیر مع المغنی" ج ۱۰' ص ۷۵' دار الکتاب العربی' بیروت)

اسلام میں مرتد کی سزا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور سب و شتم کا کفر و ارتداد ہونا متعدد آیات قرآنیہ سے

ثابت ہے اور مرتد کا واجب القتل ہونا متعدد احادیث میں مذکور ہے:

"حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس زنادقہ کو لایا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا: "اگر علی رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم لوگ اللہ والا عذاب (آگ میں جلانا) نہ دو لیکن میں ان زندیقوں کو قتل کرتا' کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو (مسلمان) اپنا دین تبدیل کر دے' اسے قتل کر دو"۔

("صحیح بخاری" کتاب "استتابہ المعاندین و المرتدین" باب الحکم المرتد و المرتدۃ)

"حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کوئی مسلمان شخص جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیتا ہو' اس کا خون صرف تین باتوں میں سے کسی ایک بات کی وجہ سے مباح ہوتا ہے (i) شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو (ii) کسی کو قتل کیا ہو (iii) اپنے مذہب کو چھوڑ چکا ہو اور مسلمانوں سے الگ ہو گیا ہو"۔

("صحیح بخاری" کتاب "الدیات" باب قول اللہ ان النفس بالنفس)

مرتد کے سلسلے میں وارد شدہ صحیح آیات و احادیث کی بناء پر فقہاء اسلام مرتد کی سزائے قتل پر متفق ہیں۔ خواہ یہ بات آزادی فکر اور آزادی مذہب کے فریب خوردہ افراد کو کتنی گراں گزرے۔ مشہور فقیہہ ابن قدامہ" لکھتے ہیں:

"اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔ یہ بات حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' علی' معاذ' ابوموسیٰ' ابن عباس' خالد وغیرہ (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی' اس لیے اجماع ہو گیا"۔

("الشرح الکبیر" ج ۱' ص ۷۵)

شتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

صحابہ کرام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگرد تھے۔ اسلام کے سارے احکام ان کے سامنے نازل ہوئے۔ قرآنی آیات کے اسباب نزول اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس منظر'

احکام کے مدارج اور ناسخ و منسوخ سے ان سے زیادہ کون واقف ہو سکتا ہے۔ ان کا فہم دین حجت ہے۔ آیئے دیکھیں کہ قرآن و سنت کی روشنی میں ان حضرات نے شاتمین رسول کی کیا سزا سمجھی:

"حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا' جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر فرمایا "جس نے اللہ تعالیٰ کو یا کسی نبی کو برا بھلا کہا' اسے قتل کر دو"۔

("الصارم المسلول علی شاتم الرسول" ص ۴۱۷' تصنیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ' دار الاعتصام' قاہرہ)

احادیث و آثار کی کتابیں ایسی روایات سے معمور ہیں' جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام ؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور سب و شتم کی سزا' قطعیت سے قتل بیان کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ ؒ نے لکھا ہے کہ کسی فرعی مسئلہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس سے زیادہ مکمل اجماع نہیں ملتا جیسا اجماع شاتم رسول کے قتل کے بارے میں ہے۔ خلفاء راشدین کے عہد میں کوئی ایسی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی کہ کسی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصلحت دعوت بیان کر کے معاف کر دیا گیا ہو۔

شاتمین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

جہاں تک شاتمین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا مسئلہ ہے' اسے ہم مختلف ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں زیادہ تر وہ سورتیں اور آیتیں نازل ہوئیں جو توحید' رسالت' آخرت' جنم' ترغیب و ترہیب پر مشتمل تھیں۔ احکام کے بارے میں بہت کم آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور احکام کی جو آیتیں مکی زندگی میں اتریں' ان کا تعلق عبادات اور انفرادی اعمال سے تھا۔ حدود و قصاص وغیرہ کے احکام مکی دور میں نازل نہیں ہوئے۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کو جہاد و قتال اور جوابی کارروائی سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی خواہش اور تقاضے کے باوجود انہیں کفار سے نبرد آزما ہونے اور دشمنان اسلام کی معاندانہ و ظالمانہ کارروائیوں کا انتقام لینے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں کفار کی جانب سے پیش آنے والی ہر تکلیف جھیلنے اور مکمل صبر و اعراض کی ہدایت تھی۔

مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کے بعد تدریجاً اجتماعی احکام اور حدود و قصاص کا نزول ہوا۔ مسلمانوں کو کئی مرحلوں میں جہاد و قتال اور جوابی کارروائی کی اجازت دی گئی۔ ابتداء میں دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی:

"جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے"۔

("الحج' ۳۹-۴۰")

اس کے بعد اصلاحی اور اقدامی جنگ فرض کی گئی۔ مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم دیا گیا:

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو (پہلے یہ) حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو (جنگ سے) روکے رہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہیں' پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو بعض لوگ ان میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے خدا سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

("سورہ نساء" آیت ۷۷)

مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کفار تھے۔ اس وقت تک مسلمانوں کو یک طرف طور پر صبر و اعراض کا حکم تھا' اسلام کے تعزیراتی قوانین مکی دور میں نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے رسول اکرم ﷺ نے اپنی ذات مبارکہ کو سب و شتم کرنے والوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی میں خصوصاً مدنی زندگی کے آخری حصہ میں ایسی بہ کثرت مثالیں ملتی ہیں کہ شاتمین رسول کو قتل کرنے پر حضور اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو مامور فرمایا۔ بعض صحابہ نے رسول اکرم ﷺ کے علم میں لائے بغیر بعض شاتمین رسول ﷺ کو قتل کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس اقدام پر نہ صرف یہ کہ بازپرس نہیں فرمائی بلکہ اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس اقدام قتل کو اللہ اور رسول کی نصرت قرار دیا۔ اس نوع کے کثیر واقعات میں سے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی کی ام ولد تھی جو رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرتی تھی۔ وہ نابینا صحابی اس حرکت سے اسے منع کرتے لیکن وہ نہیں مانتی۔ ایک رات کی بات ہے کہ وہ ام ولد رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدتمیزی کے کلمات کہنے لگی۔ نابینا صحابی نے چھوٹی تلوار لے کر اس کی نوک ام ولد کے پیٹ پر رکھ کر اسے زور سے دبایا جس سے وہ ام ولد مر گئی۔ صبح رسول اللہ ﷺ کو اس ام ولد کے قتل ہونے کی خبر ہوئی۔ آپ ﷺ نے صبح لوگوں کو جمع کر کے قاتل کے بارے میں تفتیش شروع کی۔ وہی نابینا شخص لوگوں کو پھاندتے ہوئے آگے بڑھا اور رسول اللہ ﷺ کے روبرو بیٹھ کر عرض کیا "میں اس ام ولد کا

مالک ہوں۔ وہ آپ ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی اور آپ کی عیب جوئی کرتی تھی' میرے ڈانٹنے اور منع کرنے کے باوجود اس حرکت سے باز نہیں آتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے دو خوب صورت (دو موتیوں کی طرح) بچے بھی ہیں۔ میرے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا تھا۔ گزشتہ رات بھی وہ آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگی تو میں نے چھوٹی تلوار سے اس کا پیٹ چاک کر کے اسے قتل کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "سن لو' گواہ رہو کہ اس ام ولد کا خون رائیگاں ہے"۔

("سنن نسائی" کتاب "المحاربہ' تحریم الدم" باب الحکم فی من سب النبی ﷺ)

۲ - کعب بن اشرف یہودی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہجویہ اشعار کہتا۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ ایک بار آپ نے فرمایا "کون کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگا سکتا ہے۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے؟" محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "اے رسول اللہ ﷺ میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں' کیا آپ کی خواہش ہے کہ کعب بن اشرف کو قتل کر دیا جائے؟" آپ نے فرمایا "ہاں" اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کو قتل کیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل حدیث کی مستند ترین کتابوں' بخاری' مسلم اور کتب سیرت میں موجود ہے۔

("صحیح بخاری"' "کتاب المغازی" باب قتل کعب بن الاشرف میں تفصیلی روایت ملاحظہ ہو)

۳ - عصماء بنت مروان یزید بن زید بن حصن خطمی کی بیوی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور مذہب اسلام کی ہجو میں اشعار کہتی' غزوۂ بدر کے موقع پر عصماء بنت مروان نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے چند اشعار کہے۔ ان اشعار کی بازگشت میدان بدر تک گئی۔ عمیر بن عدی خطمی نے قسم کھالی کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ واپس تشریف لانے پر' میں اس عورت کو قتل کر دوں گا۔ رسول اکرم ﷺ کی مدینہ واپسی کے بعد رات کی تاریکی میں عمر بن عدی خطمی نے عصماء بنت مروان کو قتل کر دیا اور رسول اکرم ﷺ کے پیچھے نماز فجر ادا کی۔ نماز کے بعد رسول اکرم ﷺ نے عمیر کو دیکھا اور فرمایا کیا تم نے مروان کی لڑکی کو قتل کر دیا؟ انہوں نے جواب دیا' ہاں اے رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ عمیر ڈرے کہ کہیں اس اقدام پر گرفت نہ ہو۔ دریافت کیا' کیا اس اقدام قتل سے مجھ پر کچھ لازم ہوگا؟ آپ نے فرمایا نہیں--- پھر حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھو"۔

("الصارم المسلول" ابن تیمیہ، ص ۸۱، ۸۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے کی جانے والی جدوجہد نبی اکرم ﷺ کی نظر میں خدا اور رسول خدا کی نصرت ہے خواہ خودرو قسم کے داعی و مفکر اسے "شور و غل" اور "قومی سرکشی" کا نام دیں۔

۴۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمان سپاہیوں کو حکم دے دیا تھا کہ جو لوگ جنگ اور مقابلہ کریں ان کے سوا کسی کو قتل نہ کریں۔ مگر چند افراد کے بارے میں فرمایا کہ اگر غلاف کعبہ سے چمٹے ہوں تو بھی انہیں وہیں قتل کر دو۔ یہ چند مرد اور عورتیں جن کے بارے میں رحمت عالم ﷺ نے ہر حال میں قتل کیے جانے کا حکم دیا تھا' ان میں سے اکثر پر رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور آپ کو سب و شتم کرنے کی فرد جرم عائد تھی۔

۵۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہوئے تو بجیر بن زہیر بن ابی سلمی نے کعب بن زہیر کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں چند ایسے لوگوں کو قتل کیا جو آپ کی ہجو کرتے تھے اور آپ کو اذیت پہنچاتے تھے اور قریش کے باقی ماندہ شعراء عبداللہ بن الزبعری' ہبیرہ بن ابی وہب مختلف علاقوں کی طرف فرار ہو گئے ہیں۔

("الصارم المسلول" ص ۱۱۸)

۶۔ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کیا کرتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا "کون ہے جو میرے دشمن سے انتقام لے" حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے جا کر قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق' جلد ۵' ص ۳۰۷' "المجلس العلمی")

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد

حافظ ابن تیمیہؒ نے عہد رسالت میں شتم رسول کے جرم میں قتل کیے جانے کے بہ کثرت واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

> "اور ہم نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں' ان سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کو قتل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے متعدد بار سب و شتم کرنے والے کے قتل کا حکم دیا اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو جس شخص کے بارے میں بھی سب و شتم کرنے کی خبر

ملی' اس کا خون آپ نے رائیگاں قرار دے دیا۔ صحابہ کرام نے بھی ایسا ہی کیا۔ حالانکہ آپ کو معاف کرنے کا بھی حق تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کسی کو اختیار نہیں کہ شاتم رسول کو معاف کر دے۔ اس لیے اب شاتم رسول کو قتل کرنا زیادہ لازم ہے۔ شاتم رسول کو قتل کرنا ایک قسم کا جہاد ہے۔ کفار و منافقین پر سختی کرنا' دین الٰہی کو غالب کرنا اور اعلاء کلمہ اللہ ہے' اور ان چیزوں کا واجب ہونا معروف ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے لیے شاتم رسول کو معاف کرنا اس صورت میں جائز تھا' جب یہ حرکت ایسے شخص سے صادر ہو جو آپ کے قابو میں ہو' اسلام اور اطاعت کا اظہار کرتا ہو یا خود سپردگی کر کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہو' جو لوگ اہانت رسول کرنے کے بعد سرکشی اور اہانت پر قائم تھے' حضور اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا"۔

("الصارم المسلول" ص ۱۴۵)

شتم رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں اسوہ نبی ﷺ کا خلاصہ

رسول اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور سب و شتم کرنے والوں کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ نے بسا اوقات اقدام قتل کا حکم فرمایا اور صحابہ کرام نے پوری جان نثاری کے ساتھ اپنے کو خطرے میں ڈال کر حضور اکرم ﷺ کے حکم پر عمل کیا۔ بعض دفعہ صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ کے علم میں لائے بغیر بعض شاتمین رسول کو جہنم رسید کیا۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو نہ صرف یہ کہ اس پر سرزنش نہیں کی' بلکہ ان کے اس اقدام قتل کو اللہ اور اس کے رسول کی نصرت قرار دیا۔

صحابہ کرام کے علم میں جب بھی کوئی ایسا واقعہ آتا کہ کسی نے رسول اکرم ﷺ کی اہانت اور آپ کی شان میں گستاخی کی ہے تو وہ فوراً اسے قتل کرنا چاہتے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کے سامنے کا واقعہ ہوتا تو آپ سے قتل کی اجازت چاہتے۔ رسول اکرم ﷺ نے کبھی بھی صحابہ کرام کے اس رویہ پر ادنیٰ نکیر نہیں کی۔ یہ کبھی نہیں فرمایا کہ تم لوگ کیوں بھڑک اٹھتے ہو۔ مجھے سب و شتم کرنا مستوجب قتل نہیں ہے' بلکہ اگر صحابہ کرام کو قتل کرنے سے روکتے تو روکنے کی کوئی اور وجہ بیان فرماتے۔

مثلاً یہ کہ لوگوں میں مشہور ہوگا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ شتم رسول کے واقعات میں حضور اکرم ﷺ کی طرف سے معافی یا اعراض کے جو واقعات ملتے ہیں' وہ یا تو مکی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ مسلمانوں کو یک طرفہ صبر و اعراض کا حکم تھا' یا اس کی صورت یہ ہوئی کہ شاتم رسول نے توبہ و استغفار کیا۔ تجدید ایمان کی اور معافی مانگی تو رسول اکرم ﷺ نے توبہ قبول کر کے اسے معاف کر دیا۔ یا پھر منافقین مدینہ کے ساتھ اعراض کے واقعات پیش آئے۔ یہ لوگ اسلام کا اظہار کرتے' تمام سرگرمیوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہتے۔ کبھی کبھی اپنی نجی محفلوں میں یا بعض کمزور مسلمانوں کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہتے لیکن جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے تو زوردار طریقہ پر اس کی تردید کرتے۔ سلمان رشدی کی طرح اہانت رسول کا اعلان و اظہار اور اس پر فخر نہیں کرتے تھے۔ اہل عرب انہیں مسلم سماج ہی کا جز سمجھتے تھے' اس لیے رسول اللہ ﷺ ان سے اعراض کرتے' قتل نہیں کراتے کہ لوگوں میں چرچا ہوگا کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو اپنی شان میں کی گئی گستاخی اور اہانت کے معاف کرنے کا حق تھا۔ اس لیے آپ اگر معاف کرنے میں مصلحت سمجھتے تو معاف فرما دیتے۔

واقعہ افک میں حضور اکرم ﷺ کا عمل

بعض منافقین کے اہانت رسول کا کیس بالکل طشت از بام ہوگیا۔ ایک منافق نے برملا رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی اور اہانت کا بیڑا اٹھایا تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اسے قتل کرنے کی ترغیب دی لیکن خود انصار مدینہ میں اس کی بناء پر جنگ کے حالات پیدا ہوگئے۔ اس لیے حکم قتل پر عمل نہ ہو سکا۔ یہ صورت حال واقعہ افک میں پیش آئی۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی بن سلول نے رسول اکرم ﷺ کو ایذا پہنچانے اور اہانت کرنے کے لیے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کی اور اس کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ مدینہ کی پوری فضا اس الزام اور افتراء سے گونجنے لگی۔ چند سادہ لوح صحابہ بھی اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوگئے۔ رسول اکرم ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا پورا یقین تھا۔ پھر بھی آپ نے احتیاطاً اپنے افراد خانہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب ترین افراد سے ان کے بارے میں تفتیش کی۔ سب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ پورا اطمینان کر لینے کے بعد نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور پھر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے مسلمانو! کون ہے جو اس شخص سے میرا بدلہ لے جس نے میری بیوی کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم میں اپنی بیوی میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔ نیز جس شخص کا ذکر کرتے ہیں اس کے اندر بھی بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا' وہ میرے گھر میں میرے ساتھ ہی داخل ہوتا ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ کا یہ خطاب سن کر بنی اشہل کے ایک فرد حضرت سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! آپ کا بدلہ میں لوں گا۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس کا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر قبیلہ خزرج والے ہمارے بھائیوں میں سے ہے تو جس طرح آپ حکم فرمائیں' اس کی تعمیل کی جائے گی"۔ اس کے بعد خزرج والوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوگیا' وہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ بڑے نیک آدمی تھے لیکن اس موقع پر پرانی حمیت نے ان کے اندر جوش مارا اور انہوں نے کہا "خدا کی قسم آپ غلط کہہ رہے ہیں' نہ آپ اسے قتل کریں گے نہ آپ اسے قتل کر سکتے ہیں۔ اگر وہ آپ کے قبیلہ کا ہوتا تو آپ اس کو قتل کرنا ہرگز پسند نہ کرتے"۔ اس پر سعد بن عبادہ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے سعد بن عبادہ سے کہا "آپ غلط کہہ رہے ہیں' ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ معلوم ہوگیا کہ آپ بھی منافق ہیں' اسی لیے تو منافقوں کا دفاع کر رہے ہیں"۔ اس پر قبیلہ اوس و خزرج کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل تن گئے اور خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں آپس میں دست و گریباں ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر موجود تھے۔ آپ نے بہ مشکل دونوں گروہوں کو خاموش کیا۔

("صحیح بخاری" کتاب "المغازی" باب الافک)

واقعہ افک کی پوری تفصیل "صحیح بخاری" اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہے۔ ان روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی سلول کی بارگاہ نبوت میں شدید اور مسلسل ایذا رسانی کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے چاہا کہ اسے قتل کر دیا جائے' لیکن اس موقع پر اوس و خزرج کی قدیم حمیت جاگ اٹھی اور باہم جنگ و جدال کا خطرہ پیدا ہوگیا اس لیے رسول اکرم ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

شاتم رسول کی سزائے قتل کے بارے میں اوپر قرآن و سنت' اجماع امت' آثار صحابہ اور اقوال آئمہ سے جو دلائل پیش کیے گئے' ان کا مطالعہ کرنے کے بعد وحید الدین خاں کے اس قسم کے دعووں کی رکاکت اور بے وزنی قارئین پر واضح ہو چکی ہوگی۔ "رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی بجائے خود مستوجب قتل جرم نہیں ہے"۔ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ

گستاخی علی الاطلاق طور پر مستوجب قتل جرم ہے وہ ایک ایسی بات کہتے ہیں، جس کے لیے ان کے پاس قرآن و سنت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔"

اس لیے ان دلیل دعاوی پر از سر نو بحث کر کے ہم صفحات نہیں سیاہ کرنا چاہتے۔ ہاں وحید الدین خاں نے دلائل کے نام سے تلبیسات کا جو انبار لگایا ہے، اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

وحید الدین خاں کے دلائل کا جائزہ

وحید الدین خاں نے سلمان رشدی کے کیس کا حکم شرعی بیان کرنے کے لیے "اسوۂ نبوت" کے عنوان سے ایک مضمون "الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹ء میں شائع کیا، اس کا ایک تمہیدی پیراگراف ہے:

"سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں جو کچھ کہا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں نہ صرف پچھلے ہزار سال سے کسی نہ کسی شکل میں کہی جا رہی ہیں بلکہ یہ خود اس زمانے میں بھی کہی گئی تھیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں موجود تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اس کو معلوم کر کے ہم یہ طے کر سکتے ہیں کہ اسی قسم کے موجودہ واقعہ میں ہم کیا طرز عمل اختیار کریں۔ اس معاملہ میں کسی اجتہاد یا قیاس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کا اسوہ (نمونہ) واضح طور پر ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے"۔ (ص ۱۰)

اس کے بعد موصوف نے "چند مثالیں" کے عنوان سے عہد رسالت کے چند واقعات پیش کیے ہیں، جن میں ان کے بہ قول رسول اکرم ﷺ نے اہانت رسول کرنے والوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اسوۂ نبی ﷺ کا حوالہ

اس سلسلے میں ہماری پہلی تنقید یہ ہے کہ وحید الدین خاں کو اگر اسوۂ نبوت کی روشنی میں دیانت داری سے اہانت رسول کرنے والوں کا حکم دریافت کرنا تھا تو انہیں رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی میں شتم رسول کے واقعات میں حضور اکرم ﷺ کا طرز عمل دیکھنا چاہیے تھا۔ موصوف نے کوشش کر کے سیرت نبوی ﷺ سے انہیں واقعات کو جمع کرنا چاہا ہے جن میں حضور اکرم ﷺ نے عفو و درگزر سے کام لیا ہے۔ حالانکہ حیات نبوی میں ایسے واقعات بھی بہ کثرت پیش آئے، جن میں رسول اکرم ﷺ کے حکم سے شاتمین رسول ﷺ کو قتل کیا گیا

یا صحابہ کرام نے اہانت رسول کرنیوالوں کو قتل کیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے نہ صرف یہ کہ اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ تعریفی کلمات کہے۔ حیات نبوی خصوصاً نبی اکرم ﷺ کے مدنی دور میں شاتمین رسول کے قتل کیے جانے کے بہ کثرت واقعات موجود ہیں۔ حدیث اور سیرت کی مشہور کتابوں میں اس طرح کے واقعات بکھرے ہوئے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں اس طرح کے واقعات کو یکجا کر دیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ کتاب شتم رسول کے موضوع پر سب سے اہم تصنیف مانی جاتی ہے۔ علوم اسلامیہ پر نظر رکھنے والا شاید ہی کوئی فرد اس کتاب سے ناواقف ہو۔ وحید الدین خاں کو اگر شتم رسول کے موضوع پر قلم اٹھانا ہی تھا تو انہیں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کر لینا چاہیے تھا تاکہ موضوع کے تمام گوشوں پر ان کی نظر رہتی اور شتم رسول ﷺ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا پورا اسوہ ان کے پیش نظر رہتا۔ اگر وحید الدین خاں اس کتاب سے ناواقف ہیں تو ان کی جرات کی داد دینی چاہیے کہ:

"لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں"

ایسی صورت میں انہیں اس موضوع پر قلم نہیں اٹھانا چاہیے تھا بلکہ مزید مطالعہ اور تحقیق میں وقت گزارنا چاہیے تھا اور اگر حافظ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ بالا کتاب ان کے پیش نظر ہے تو پھر شتم رسول کے سلسلہ میں اسوہ رسول پیش کرتے وقت صرف انہیں واقعات کا تذکرہ کرنا جن میں رسول اکرم ﷺ نے عفو و درگزر سے کام لیا تھا' کھلی ہوئی تلبیس ہے۔ اوپر کے صفحات میں بطور نمونہ چند ایسے واقعات پیش کیے گئے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے شاتمین رسول کو قتل کیا گیا۔ یا آپ ﷺ نے اہانت رسول کرنے والوں کے قتل پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ جن حضرات کو شتم رسول کے موضوع پر مکمل مطالعہ کرنا ہو وہ حافظ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ بالا کتاب کی طرح رجوع کریں۔

واقعہ افک کا حوالہ

وحید الدین خاں نے اسوۂ نبوت کے عنوان سے جو واقعات نقل کیے ہیں' انہیں میں سے ایک واقعہ افک بھی ہے۔ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

"مگر اس وقت بھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ان تمام لوگوں کے قتل کا حکم دے دیں جو کردار کشی کی جھوٹی مہم میں ملوث تھے۔ کچھ صحابہ نے ایسے افراد کو قتل کرنے کی پیش کش کی مگر آپ ﷺ نے اس پیش کش کو قبول نہیں

فرمایا۔ امہات المومنین کے کردار کشی کے ان مجرمین کو زندہ چھوڑ دیا گیا' یہاں تک کہ وہ مدینہ میں اپنی طبعی موت مرے"۔

("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹ء' ص ۱۳)

وحید الدین خاں کا یہ اقتباس واقعہ افک سے ان کی بے خبری کو بتاتا ہے' اگر انہوں نے حدیث کی مستند ترین کتاب "صحیح بخاری" ہی میں واقعہ افک کا مطالعہ کر لیا ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے واقعہ افک کے موقع پر مسجد نبوی کے منبر پر مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا من یعذرنی من رجل بلغنی اذاہ فی اھلی (الخ) "کون ہے جو اس شخص سے میرا بدلہ لے جس نے میری بیوی کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچائی۔ خدا کی قسم میں اپنی بیوی میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا" رسول اکرم ﷺ کے اس خطاب کو سن کر حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ آپ کا بدلہ میں لوں گا' اگر وہ شخص قبیلہ اوس کا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر قبیلہ خزرج سے اس کا تعلق ہے تو بھی آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یا حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کرنے والے کو قتل کرنے کی جو پیشکش کی' وہ حضور ﷺ ہی کی ترغیب پر تھی اور حضور ﷺ نے ان کی اس پیشکش کو مسترد بھی نہیں کیا لیکن چونکہ افترا پردازی کرنے والوں کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا اس لیے خزرج کے بعض لوگوں نے خصوصاً حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے غلط فہمی کی بنیاد پر یہ سمجھا کہ چونکہ افترا پرداز کرنے والوں کا تعلق قبیلہ خزرج سے ہے' اس لیے قبیلہ اوس والے بڑھ بڑھ کر انہیں قتل کرنے کی پیشکش کر رہے ہیں۔ اس غلط فہمی کی بنیاد پر مسجد نبوی میں رسول اللہ کی موجودگی میں اوس اور خزرج میں تناؤ پیدا ہو گیا اور باہمی جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ افتراء پردازی کرنے والوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ بالا خطاب حدیث اور سیرت کی تقریباً تمام کتابوں میں مذکورہ ہے لیکن وحید الدین خاں ان تمام چیزوں سے آنکھیں بند کر کے لکھ رہے ہیں "کچھ صحابہ نے ایسے افراد کو قتل کرنے کی پیشکش کی مگر آپ ﷺ نے اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا"۔

"الرسالہ" کے جون ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں واقعہ افک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن ابی کے اس مجرمانہ فعل کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کو قتل کر

دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو لوگ چرچا کریں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں"۔

وحید الدین خاں نے اس سلسلہ میں کوئی حوالہ پیش نہیں کیا اگر حوالہ پیش کرتے تو اس کا جائزہ لیا جاتا۔ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے خطاب کے تیور سے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی خواہش تھی کہ واقعہ افک کے اصلی مجرم کو قتل کر دیا جائے۔

ہماری معلومات کی حد تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا پیشکش کا تعلق واقعہ افک سے نہیں، ہے بلکہ ایک دوسرے واقعہ سے ہے۔ جس میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی میں مہاجرین و انصار کے درمیان ایک جھڑپ کے بعد عبداللہ ابن ابی نے اپنے قبیلہ والوں کے سامنے اشتعال انگیز تقریر کی۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا پیشکش کی جسے وحید الدین خاں نے واقعہ افک سے جوڑ دیا۔

مغالطہ انگیزیاں

شتم رسول کے سلسلہ میں اسوۂ رسول پیش کرتے ہوئے وحید الدین خاں نے جن واقعات کا حوالہ دیا ہے، ان میں سے اکثر کا تعلق مکی زندگی سے ہے۔ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو کفار کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں کو یک طرفہ طور پر جھیلنے کی ہدایت تھی، مکمل صبر و اعراض کا حکم تھا۔ کفار کے خلاف کسی جوابی کارروائی یا جنگ و قتال کی اجازت نہیں تھی۔ جن لوگوں نے قرآن پاک ہی کا مطالعہ کیا ہو، انہیں بھی مکی دور کی اس صورت حال کا علم ہوگا۔ اس لیے مکی دور میں پیش آنے والے واقعات کو شتم رسول کے سلسلہ میں حکم شرعی دریافت کرنے کے لیے پیش کرنا درست نہیں ہے۔ اجتماعی عملی احکام خصوصاً حدود و قصاص اور تعزیرات کا نزول، مدنی دور میں ہوا۔ بلکہ ابن حزم کی تحقیق تو یہ ہے کہ مرتدین کو قتل کرنے کا حکم غزوۂ خیبر ۷ھ کے بعد نازل ہوا۔ اس لیے اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ محض مکی زندگی کے واقعات کو بنیاد بنا کر شتم رسول ﷺ کے مسئلہ پر کوئی فیصلہ کیا جائے۔ جہاں تک قرآن پاک میں شتم رسول کی سزائے قتل کا صراحتاً مذکور نہ ہونے کا مسئلہ ہے، اس کے بارے میں ہم وحید الدین خاں سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کسی حکم کے، حکم شرعی ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ صراحتاً قرآن میں اس کا ذکر ہو؟ اگر حکم شرعی ہونے کے لیے قرآن میں صراحتاً مذکور ہونا شرط نہیں ہے تو پھر موصوف کی اس دلیل میں کیا وزن رہ جاتا ہے؟ مجرد استہزا کی بنا پر قرآن میں نہ غیر مسلموں کے لیے قتل کی قانونی سزا کا حکم دیا گیا اور نہ منافق مسلمانوں کے لیے"

اور اگر حکم شرعی ہونے کے لیے قرآن میں صراحتاً مذکور ہونا شرط ہے تو پھر موصوف کو ان ہزاروں شرعی احکام کا انکار کرنا پڑے گا جن کا صراحتاً قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ کیا وحید الدین خاں سنت، اجماع امت اور قیاس کے حجت شرعی ہونے کا اور ان کے ذریعہ ثابت شدہ احکام کا انکار کرنے کی جسارت کریں گے؟

ایک اور استدلال کا جائزہ

وحید الدین خاں نے بطور دلیل سیرت نبوی سے کچھ ایسے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں رسول اکرم ﷺ نے شاتمین رسول کی توبہ قبول کر لی اور انہیں معاف کر کے بیعت کر لیا۔ ان واقعات سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ حق تھا کہ شاتمین رسول کو معاف فرما کر انہیں بیعت کر لیں، اس سے کسی کو انکار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو شاتمین رسول کی توبہ قبول کرنے کا اختیار ہونا امت میں متفق علیہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ ؒ نے بڑی گہری بات لکھی ہے کہ حیات نبوی ﷺ میں شتم رسول پر سزا جاری کرنا یا معاف کر دینا نبی اکرم ﷺ کا حق تھا۔ اسی لیے جب کوئی رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تو اسے مستحق قتل سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، رسول اکرم ﷺ سے قتل کرنے کی اجازت چاہتے، حضور اکرم ﷺ کبھی قتل کرنے کا حکم فرماتے اور کبھی درگزر کا معاملہ فرماتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد شتم رسول کا کیس خالص حق اللہ ہے۔ اسے معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ ہاں اگر شاتم رسول توبہ کرے اور تجدید ایمان کرے تو اس کی توبہ قابل قبول ہوگی یا نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں فقہاء اسلام میں دو رائیں ہیں، اگر ہم اسی رائے کو اختیار کریں جس میں شاتمین رسول کی توبہ قابل قبول قرار دی گئی ہے تو بھی سلمان رشدی کے کیس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ معلون اب تک اپنے اس جرم پر قائم ہے اور شیطانی آیات کی اشاعت اس کی مرضی سے برابر جاری ہے۔

مصلحت دعوت کا فلسفہ

وحید الدین خاں نے اپنی تحریروں میں اہانت رسول کے سلسلہ میں دو الگ الگ باتیں لکھی ہیں۔ کہیں تو وہ یہ لکھتے ہیں کہ محض اہانت رسول مستوجب قتل جرم نہیں ہے۔ اس پہلو کا جائزہ تفصیل سے اوپر آ چکا ہے اور کہیں کہیں ان کی تحریروں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شتم رسول کی سزا اگرچہ قتل ہے لیکن موجودہ حالات میں سلمان رشدی کو واجب القتل کہنے یا قتل

کرنے سے چونکہ عالمی پیمانہ پر اسلام کی تصویر بگاڑے جانے کا خطرہ ہے' دشمنان اسلام جن کے ہاتھ میں پریس کی طاقت ہے' وہ یہ پروپیگنڈہ کریں گے کہ اسلام آزادی فکر کا دشمن اور ایک خونخوار مذہب ہے' اس لیے دعوت اسلامی کی مصلحت یہ ہے کہ سلمان رشدی کے خلاف کوئی ہنگامہ نہ کیا جائے' اسے قتل نہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں وحید الدین خاں نے مصلحت دعوت کے عنوان سے ایک پورا فلسفہ کھڑا کیا ہے اور ان کا یہ ذہنی فلسفہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے دوسرے افکار و خیالات پر اثر انداز ہے۔ اس لیے مصلحت دعوت کا جائزہ لینا از حد ضروری ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"کسی کارخانہ کی خوشنامی اس کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح اسلام کی اشاعت کے لیے اس کی دعوتی تصویر بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام میں یہ بات آخری حد تک مطلوب ہے کہ اسلام کی دعوتی تصویر کو بگڑنے سے بچایا جائے۔ اسلام کی دعوتی تصویر کی حفاظت ہر دوسری چیز پر مقدم ہے' حتیٰ کہ توہین رسالت اور اہانت اسلام جیسے واقع پر بھی"۔

("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹ء ص ۱۸)

چند صفحات کے بعد مزید لکھتے ہیں:

"اسلام میں سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز دعوتی مصلحت ہے۔ دعوتی مصلحت اسلام میں سپریم حیثیت کا درجہ رکھتی ہے۔ دعوتی مصلحت کی خاطر ہر دوسری چیز کو نظر انداز کر دیا جائے گا خواہ وہ بظاہر کتنی ہی سنگین نظر آتی ہو"۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"سلمان رشدی نے بلاشبہ توہین رسول اور اسلام دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ حقیقت واقعہ کے اعتبار سے وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔ لیکن مسلمان اگر اس کے خلاف قاتلانہ کارروائی کریں گے تو ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ لوگ یہ کہیں کہ مسلمانوں نے ایک اسلام دشمن کو قتل کر دیا بلکہ لازمی طور پر ایسا ہوگا کہ لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ مسلمان آزادی فکر کے قاتل ہیں۔ اسلام کا اصل انحصار تلوار کی طاقت پر ہے نہ کہ دلیل کی طاقت پر' ہمیں اس حقیقت کو جاننا چاہیے کہ موجودہ زمانہ آزادی فکر کا زمانہ ہے' موجودہ زمانہ میں آزادی فکر کو سب سے بڑی قدر کا درجہ دیا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں آزادی فکر خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج کا انسان کسی ایسے مذہب یا نظام کو غیر مہذب اور وحشیانہ سمجھتا ہے۔ جو

آزادیٔ فکر کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ ایسی حالت میں باعتبار نتیجہ سب سے بڑی اسلام دشمنی یہ ہوگی کہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جو دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع دے کہ اسلام آزادیٔ فکر کا قاتل ہے اور اس لیے وہ ایک وحشیانہ مذہب ہے۔ اس معاملہ میں سنت رسول کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کو اس "بدنامی" سے بچایا جائے خواہ اس کی جو بھی قیمت دینی ہو۔ خواہ اس کے لیے کتنی ہی بڑی چیز برداشت کرنی پڑے"۔

("الرسالہ" جولائی ۱۹۸۹ء ص ۲۳)

وحید الدین خاں نے مصلحت دعوت کے خوشنما لیبل سے جس تحریف کا دروازہ کھولنا چاہا ہے' اسے اگر برداشت کر لیا جائے تو پورا دین اس تحریف کی زد میں آ جائے گا۔ شاتم رسول کی سزا اگر قتل نہیں ہے تو موصوف نے بلا ضرورت مصلحت دعوت کا شوشہ چھوڑا ہے اور اگر موصوف اس بات سے متفق ہیں کہ شاتم رسول کی سزا اصلاً قتل ہے تو انہوں نے سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کے ردعمل کو غلط قرار دینے کے لیے جس دلیل کا سہارا لیا ہے' وہ بہت ہلاکت آفریں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وحید الدین خاں کے نزدیک مسلمان کوئی ایسی بات نہ کہیں اور نہ کوئی ایسا کام کریں (خواہ وہ بات اور کام دینی نقطہ نظر سے کتنا ضروری ہو) جسے بہانہ بنا کر غیر مسلم پریس اسلام کی تصویر بگاڑ سکتا ہو۔ یعنی اسلام کی تصویر سنوارنے اور بگاڑنے کے ذہنی مفروضے کو بنیاد بنا کر موصوف دینی احکام میں کتربیونت کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ وحید الدین خاں کے اس نئے فلسفہ کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان فقہاء اور مصنفین دور حاضر میں یہ لکھنا اور بتانا بند کر دیں کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے۔ کیونکہ اس سے دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ اسلام آزادیٔ فکر اور آزادیٔ مذہب کا دشمن ہے اور اسلام خونخوار مذہب ہے۔ اس طرح اسلام کی تصویر بگڑتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں حدود اور تعزیرات کے جو احکام ہیں' وہ بھی موصوف کے ذہنی مفروضے کی بنا پر اسلام کی تصویر بگاڑنے کا سبب ہیں۔ اسلام مخالف ذرائع ابلاغ اور پریس کو مسلم ممالک میں اسلامی سزائیں (قصاص میں قتل کرنا' زنا میں سنگسار کرنا اور شراب نوشی میں کوڑے لگانا وغیرہ) جاری کیے جانے سے یہ موقع ہاتھ آتا ہے کہ وہ اسلام کو وحشی اور خونخوار مذہب کی شکل میں پیش کریں۔ اس طرح اسلام کی دعوتی تصویر بگڑتی ہے۔ لہٰذا اسلامی سزاؤں کا نفاذ بند ہونا چاہیے اور اسلامی کتابوں سے حدود و تعزیرات کا باب خارج کیا جانا چاہیے۔ غالباً وحید الدین خاں نے مصلحت دعوت ہی کو پیش نظر رکھ اسلامی جہاد کی تعبیر بدل دی ہے۔ انہوں نے بار بار یہ بات لکھی ہے کہ اسلام میں محض دفاعی

جہاد کی گنجائش ہے۔ یعنی دشمنان اسلام کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ ہونے کی صورت میں جہاد کیا جا سکتا ہے۔ اقدامی جہاد موصوف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ تصور جہاد کو لے کر اسلام دشمن مصنفین نے اسلام کی تصویر بگاڑی۔ اسے خونخوار اور خون ریز مذہب کے روپ میں پیش کیا ہے۔ اس لیے موصوف نے ضروری سمجھا کہ مصلحت دعوت کے پیش نظر جہاد کی تشریح ہی تبدیل کر دی جائے۔ ہمیں تو یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وحید الدین خاں مصلحت دعوت سے مجبور ہو کر مسلمانان عالم کو مشورہ نہ دینے لگیں کہ قرآن سے جہاد و قتال اور حدود و قصاص کی آیتیں حذف کر کے قرآن کا کوئی ایسا ایڈیشن تیار کیا جائے جو اسلام کی صرف "خوشنما" تصویر غیر مسلموں کے سامنے پیش کرے' کیونکہ جہاد و قتال کی آیتیں دیکھ کر غیر مسلم بھڑک اٹھتے ہیں اور اسلامی دعوت سے قریب نہیں آپاتے۔

میں نے وحید الدین خاں کے فلسفہ مصلحت دعوت کے چند تقاضوں کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ اگر یہ سلسلہ دراز کیا جائے تو شاید پورا مذہب اسلام اس کی زد میں آ جائے اور یہ مصلحت دعوت' اس دین ہی کو لے ڈوبے جس کی دعوت کا بے پناہ جذبہ وحید الدین خاں ظاہر کرتے ہیں۔

آزادی فکر کا لیبل

ملعون سلمان رشدی نے "شیطانی آیات" میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ' خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور امہات المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے بارے میں جو ہرزہ سرائی' گستاخی کی ہے۔ اسے آزادی فکر کا نام دینا عقلی دیوالیہ پن کا ثبوت مہیا کرنا ہے۔ آزادی فکر کا کیا یہی مطلب ہے کہ ہر شخص کو دوسرے پر افتراء پردازی' بہتان تراشی اور سب و شتم کرنے کی کھلی چھوٹ ہو' ہر انسان جس کے بارے میں چاہے دریدہ دہنی اور سوقیانہ پن کا مظاہرہ کر سکتا ہو۔ اگر آزادی فکر کا یہی مطلب ہے اور آزادی فکر خیر اعلیٰ ہے تو خود برطانیہ (جو "آزادی فکر" کا جنم داتا اور محافظ ہے) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین قابل سزا جرم کیوں ہے؟ سلمان رشدی کے خلاف برپا ہونے والی جدوجہد پر آزادی فکر کی دہائی دے کر قدغن لگانا خود آزادی فکر کی توہین ہے۔

اس طرح کی بے مہار اور جارحانہ آزادی فکر مغربی فکر و فلسفہ میں مقدس ہو تو ہو لیکن نہ عقل عام سے اس کا جواز نکلتا ہے نہ الٰہی قوانین سے۔ آخر اس کی کہاں سے گنجائش نکال لی گئی ہے کہ مغربی افکار و تصورات کی عینک لگا کر ہم اسلامی عقائد و احکام کا مطالعہ کریں اور مغربی عینک سے دیکھنے پر اسلامی تعلیمات کے جو اجزاء ہم کو بدنما اور نامناسب نظر آئیں' انہیں اسلام سے

حذف کرنے کی کوشش کریں اور اس کے لیے تاویل اور وکالت کی پوری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ اسلام کے اس قانون کو ہم ہضم نہ کر سکیں کہ ارتداد کی سزا قتل ہے، کیونکہ یہ قانون یورپ کے تصور آزادی مذہب سے متصادم نظر آتا ہے اور ریاست سے بغاوت کے جرم میں سزائے قتل فوراً ہماری سمجھ میں آ جائے کیونکہ مغربی فکر و فلسفہ میں اس پر تنقید نہیں کی گئی۔ مغربی افکار و تصورات کی غلامی سے آزاد ہو کر کھلے ذہن کے ساتھ ذرا ہم یہ غور کریں کہ خالص عقلی اور منطقی اعتبار سے جُرم بغاوت اور جرم ارتداد میں سے کون زیادہ سنگین ہے، جرم بغاوت اگر بندوں سے بغاوت کا نام ہے تو ارتداد خالق کائنات سے بغاوت کا نام ہے۔ پھر آخر ہمارا ذہن جرم بغاوت میں سزائے قتل پر مطمئن اور جرم ارتداد میں سزائے قتل سے غیر مطمئن کیوں ہے؟

جہادِ کشمیر اور وحید الدین خاں کا زہریلا پروپیگنڈا

تنویر قیصر شاہد

بھارت سے تعلق رکھنے والے مولانا وحید الدین خان اپنی وضع کے انوکھے عالم دین ہیں۔۔ تقسیم ہند سے قبل جب مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کی بنیادیں رکھیں تو یہ صاحب بھی اس میں شامل ہوگئے۔ ایک مدت تک وہ مولانا مودودیؒ کو اپنا رہنما' رہبر اور مرشد تسلیم کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اختلافات پیدا ہوئے تو "تعبیر کی غلطی" ایسی کتاب لکھ کر مولانا مودودیؒ اور ان کے چاہنے والوں کو ناراض کر دیا اور بعد ازاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے "جماعت اسلامی" اور تحریک اسلامی سے اپنی راہیں' فکری اور نظری طور پر جدا کر لیں۔ موصوف کا جارحانہ طرز تحریر اور مجالس میں جارحانہ طرز کلام ہمیشہ نزاع اور جھگڑے کا باعث بنتا رہا ہے.......... وہ دو درجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابوں اور کتابچوں کے مصنف ہیں۔ چند برس قبل ان کی تفسیر قرآن "تذکیر القرآن" منصہ شہود پر آئی تو ان کے نئے طرز استدلال نے سنجیدہ اور باذوق علمی حلقوں میں تشویش کی نئی لہر دوڑا دی۔ مولانا وحید الدین خان نئی دہلی سے ایک ماہنامہ "الرسالہ" بھی شائع کرتے ہیں۔ جو بیک وقت اردو' انگریزی اور ہندی میں شائع ہوتا ہے۔ نئی دہلی میں وہ ایک پرشکوہ اور عظیم الشان بک سنٹر کے مالک ہیں۔

مجھے مولانا وحید الدین خان سے تین چار بار ملاقات کرنے کا "اعزاز" حاصل ہو چکا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں جب وہ لاہور آئے تو اس وقت راقم لاہور سے شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ میں کام کر رہا تھا اور اسی جریدے کے لیے ان کا انٹرویو کرنے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ پھر وہ لاہور ہی میں سینئر اخبار نویسوں کی ایک انجمن کی ہفتہ واری نشست میں بلائے گئے تو وہاں بھی ان کے ارشادات سننے کا موقع ملا۔ بدقسمتی سے اس نشست میں پاک بھارت تعلقات' بھارت میں بسنے والے مسلمانوں اور عالمی اسلامی تحریکوں کے حوالے سے ان کی متنازعہ گفتگو کی وجہ سے ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ وہ اس مجلس میں ایک متین' غیر جانبدار اور مسلم امہ کے لیے درد دل

رکھنے والے ایک عالم دین کا تاثر قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ گزشتہ سال وہ امریکہ آئے تو راقم بھی وہیں تھا۔ وہ نیویارک میں اپنے عزیز معید کلیم الدین کے دولت خانہ پر تشریف فرما تھے۔ مجھے وہاں بھی ان کی زیارت کرنے اور ان کی گفتگو سننے کا شرف حاصل رہا..... مگر ہر بار ان کی گفتگو سننے اور ہر ماہ ان کے جریدے (الرسالہ) کا مطالعہ کرنے کے بعد بدقسمتی سے مجھے شدت کے ساتھ یہی احساس گھیرے رہا کہ آج کے بھارت میں بھارتی حکمران اور سفلہ ہندو بنیا ان سے وہی کام لے رہا ہے جو تقسیم ہند سے قبل نہرو اور ایم کے گاندھی' مولانا ابوالکلام آزاد سے لے رہے تھے۔

آج جبکہ مقبوضہ کشمیر میں قابض بھارتی افواج نہتے مسلمان کشمیریوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہی ہیں۔ بھارتی درندے کشمیری عفت ماب مسلمان خواتین کی اجتماعی آبرو ریزی کر رہے ہیں۔ ظالم اور غاصب بھارتی فوجی نوجوان کشمیری افراد کو خون کا غسل دے رہے ہیں۔ خون آشام بھارتی سپاہ' معصوم کشمیری بچوں کو یتیم کر رہے ہیں اور عسرت زدہ اور آزادی کے متوالے کشمیری مسلمانوں کے گھروں کو نذر آتش کر رہے ہیں اور قیامت کی ان گھڑیوں اور ظلم و تعدی کی اس سیاہ رات کو مولانا وحید الدین محض ڈرامے اور جعلی جہاد کے ناموں سے یاد کر کے شہدائے کشمیر کے خون کا نہ صرف مذاق اڑا رہے ہیں بلکہ ان کے وابستگان کے زخموں پر نمک پاشی کا موجب بھی بن رہے ہیں۔

قادیانیوں اور احمدیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جہاد کے منکر ہیں کہ ان کے آقا (ملعون غلام احمد قادیانی) نے اپنے آقاؤں (انگریزوں) کے اشارے پر اسلامیان ہند کے دلوں سے روح جہاد کے خاتمے کے لیے یہ نام نہاد فتویٰ دیا تھا کہ اب جہاد بالخصوص ہندوستان میں فتح ہو چکا ہے...... مگر حیرت ہے کہ مولانا وحید الدین خان مسلمان ہونے کے باوجود نہ صرف جہاد کشمیر کے منکر ہیں بلکہ موجودہ دور میں دنیا بھر میں جہاں جہاں مجاہدین اسلام نے طاغوت اور اسلام دشمن غاصب قوتوں کے خلاف علم جہاد بلند کر رکھا ہے۔ مولانا وحید ان سب کو دین اسلام کی روح کے منکر اور فساد فی الارض کا سبب گردانتے ہیں۔ مثلاً جنوری ۱۹۹۴ء میں انہوں نے اپنے جریدے "الرسالہ" (صفحہ ۴۴) میں فلپائنی مجاہدین کی تنظیم "مورو لبریشن فرنٹ" اور اس کے سربراہ نوری مسواری کے جہاد پر کڑی تنقید کرتے ہوئے لکھا.....:

"موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی جدوجہد ہر مقام پر اسی صورت حال کا شکار ہے۔ مسلمان ہر جگہ بے فائدہ جنگ لڑ رہے ہیں جس کا نام انہوں نے غلط طور پر جہاد فی سبیل اللہ رکھ لیا ہے۔ وہ دوسروں سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں جس کو

دوسرے لوگ انہیں دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس قسم کی جنگ سراسر بے فائدہ ہے۔ اس کا تعلق عقل سے بھی نہیں۔ اسلام سے اس کا تعلق ہونا تو درکنار"۔

جنوری ۱۹۹۶ء کے شمارے میں جہاد اسلامی کے خلاف مولانا وحید الدین خان یوں رقم طراز ہیں:

"اس پورے معاملے پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے علماء سو سال سے بھی زیادہ عرصہ تک جہاد کے نام پر ایک خونیں عمل میں مشغول رہے جس کا کوئی بھی نتیجہ تباہی کے سوا کچھ اور نکلنے والا نہ تھا۔ اس خونیں جہاد کے دوران انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ناقابل بیان تباہی سے دوچار کیا" اور پھر مولانا وحید بعینہ مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں...... "یہ صرف مہاتما گاندھی تھے جنہوں نے ان کو (مسلمانوں کو) اس تباہ کن غار سے نکالا" (صفحہ ۱۱)

بھارتی ہندوؤں کو خوش کرنے اور کفر کے خلاف رزم آراء مجاہدین اسلام کو غلط ثابت کرنے کے لیے مولانا وحید الدین خان جوش جنون میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ تاریخ اسلام کے کبار مجاہدین کے خلاف دشنام طرازی کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ اس ضمن میں وہ تاریخ ہند کے عظیم مجاہد، محمود غزنوی علیہ رحمت، کو لٹیرا اور غاصب ثابت کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ وہ لکھتے ہیں:

"سبکتگین کے بعد اس کا لڑکا اس سلطنت کا حکمران بنا جو محمود غزنوی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے ۱۰۲۴ء میں پہلی بار سومناتھ پر حملہ کیا۔ اس نے سنا تھا کہ یہاں شیو کا مندر ہے اور اس کے اندر بڑی مقدار میں سونا موجود ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ مندر توڑ کر اس کا سونا حاصل کر لے۔ چنانچہ محمود غزنوی جب اپنے لشکر کو لے کر سومناتھ پہنچا تو یہاں کے پنڈتوں نے اس سے مل کر یہ پیشکش کی آپ ہمارے مندر کو نہ توڑیں، اس کے بدلے ہم آپ کو بڑی مقدار میں سونا چاندی پیش کر دیں گے۔ محمود غزنوی نے اس کے جواب میں کہا من بت شکنم نہ بت فروش۔ محمود غزنوی نے اپنے آپ کو اسلام کے نمائندہ کی حیثیت میں پیش کیا مگر اس کے اس فعل کا کوئی تعلق اسلام سے نہ تھا۔ بت شکنی اسلام کا کوئی اصول نہیں اور کسی مندر کا خزانہ لوٹنا تو اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ کیونکہ وہ سراسر حرام ہے"۔ ("الرسالہ" جولائی ۱۹۹۶ء، صفحہ ۸)

آج جبکہ دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم منصف مزاج افراد مقبوضہ کشمیر میں حق خودارادیت

کی جنگ لڑنے والے مجاہدین کی حمایت پر اتر آئے ہیں' اقوام متحدہ گزشتہ چار دہائیوں سے مسلسل کشمیریوں کے اس حق کو تسلیم کرتی چلی آ رہی ہے۔ عالم اسلام کے ان گنت سرفروش مجاہدین مقبوضہ کشمیر میں اپنے بھائیوں کے ہم دوش جہاد کا فریضہ انجام دے رہے ہیں مگر مولانا وحید الدین خان بھارت بھر میں عوامی جلسوں میں' اپنے خطابات میں' ریڈیو اور ٹی وی (جو بھارتی حکمرانوں کے خصوصی حکم کے تحت ان کے لیے کھول دیے گئے ہیں) کی نشری تقریروں میں' اپنے ہر انٹرویو میں' اپنے ماہنامہ جریدے کی وساطت اور بھارتی سیاست کاروں کی سرپرستی میں' ان کے لیے وضع کردہ غیر ملکی دوروں میں' بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جہاد کشمیر اور مجاہدین کشمیر کی قربانیوں کو بے بنیاد' لایعنی اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے سفرنامہ اسپین کی روداد قلمبند کرتے ہوئے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے لکھا:

"موجودہ زمانہ میں بار بار مسلمان موت کے منہ میں کودے ہیں' ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی علماء شاملی کے میدان میں موت کے منہ میں کود پڑے۔ سید احمد شہید بریلوی کا قافلہ بالاکوٹ میں موت کے منہ میں کود پڑا۔ اسی طرح فلسطین' کشمیر' چیچنیا' بوسنیا وغیرہ میں مسلمان موت کے منہ میں کودے ہوئے ہیں مگر ان تمام اقدامات میں تباہی کے سوا کچھ اور مسلمانوں کے حصہ میں نہیں آیا"۔ (صفحہ ۴۴)

فروری ۱۹۹۶ء کے "الرسالہ" کے شمارہ میں (صفحہ ۴۰) مولانا وحید الدین لکھتے ہیں کہ:

"موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے جہاں بھی اس قسم کی تحریک (اسلامی جہاد) اٹھائی ہے ہر جگہ ان کو پسپائی اختیار کرنی پڑی ہے۔ اراکان (برما) میں' فلپائن میں' فلسطین میں' بوسنیا میں ہر جگہ یہی ہوا ہے کہ مسلم لیڈروں نے زیادہ کی طرف چھلانگ لگائی ہے اور آخر میں صرف کم ہی ان کے حصے میں آیا ہے۔ یہی اب کشمیر میں ہونے والا ہے"۔

جہاد کشمیر کی نفی اور مجاہدین کشمیر کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے مولانا وحید الدین خان جولائی ۱۹۹۵ء کے "الرسالہ" (صفحہ ۴۴) میں لکھتے ہیں:

"یکم جنوری ۱۹۹۴ء کی شام کو یہاں کچھ کشمیری لیڈروں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے کس لیے امریکہ کا سفر کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم کشمیری ایشو کو انٹرنیشنل کرنے کے لیے امریکہ آئے ہیں۔ میں نے کہا حدیث میں ہے کہ مومن ایک بل سے دوبارہ ڈسا نہیں جاتا اور آپ لوگ بار بار کے ناکام تجربے کے باوجود پھر اسی بل میں اپنا ہاتھ ڈال رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کا

کیا مطلب؟ میں نے کہا اس طرح کے معاملات کبھی انٹرنیشنلائزیشن سے حل نہیں ہوتے۔ سلطان ٹیپو نے دو سو سال پہلے انگریزی استعمار کے مسئلہ کو انٹرنیشنلائز کیا مگر وہ مکمل طور پر ناکام رہے۔ پھر علماء نے ریشمی رومال تحریک کی صورت میں آزادی ہند کے مسئلہ کو انٹرنیشنلائز کیا مگر وہ بے سود ثابت ہوا۔ پھر مسلمانوں نے فلسطین اور بوسنیا کے مسائل کو انٹرنیشنلائز کیا مگر وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔ اسی طرح بابری مسجد کے مقامی ایشو کو نیشنلائز اور پھر انٹرنیشنلائز کیا مگر بابری مسجد کو بچایا نہ جا سکا۔ پھر اب آپ کس بنا پر اس قسم کی تدبیر کے ذریعے کامیاب ہو جائیں گے؟"

وہ آگے چل کر مزید خامہ فرسائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں نے کہا کہ کشمیر میں آپ اپنے ناپختہ نوجوانوں کو ایک ریگولر آرمی سے لڑوا رہے ہیں۔ آخر اس نامساوی ٹکراؤ سے آپ کس طرح فتح کی امید قائم کیے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ مسلمان تھے اور وہ ایک ہزار طاقتور فوج پر غالب آئے۔ میں نے کہا کہ جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے پیشگی یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ اس میں فرشتے مدد کے لیے اتارے جائیں گے اور وہ مسلمانوں کے حق میں کامیابی کی ضمانت ہوں گے۔ کیا آپ لوگوں کے پاس بھی اس قسم کی کوئی وحی آئی ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا"۔

اگر غور سے مولانا وحید الدین خان کے افکار اور ان کے خودساختہ فلسفہ جہاد کا مطالعہ کیا جائے تو صاف عیاں ہوتا ہے کہ ان کے دل میں یہ آرزو تڑپ رہی ہے کہ مسلمان فی الفور جہاد سے دست کش ہو جائیں اور خصوصاً مقبوضہ کشمیر میں برسرِ پیکار مجاہدین فوری طور پر ہتھیار ڈال کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مکار ہندو کی غلامی کا جوا گلے میں پہن لیں۔ اس سلسلے میں وہ نہ تو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے حامی ہیں اور نہ ہی کسی بین الاقوامی سیاسی اخلاقیات کے پابند۔ وہ الٹا مجاہدین کشمیر کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آج اگر کشمیریوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں تو یہ دراصل مکافاتِ عمل ہے۔

"پھر انہوں (کشمیریوں) نے کہا کہ جواہر لعل نہرو کی یقین دہانی اور اقوام متحدہ کا ریزولیوشن ریفرنڈم کے حق میں موجود ہے۔ پھر انڈیا کیوں نہیں اس مسئلے پر ریفرنڈم کرواتا؟ میں نے کہا کہ آپ کی یہ بات محض ایک پرنسپل کی ہے اور

متشددانہ جنگ میں لفظی پرنسپل کا حوالہ کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ پرنسپل پرامن لڑائی میں طاقت کا کام کر سکتا ہے مگر متشددانہ لڑائی میں وہ ہرگز کسی کے لیے کوئی طاقت نہیں"۔ پھر انہوں نے افغانستان کی مثال دی۔ انہوں (کشمیریوں) نے کہا کہ افغانی مجاہدین ایک سپرپاور سے لڑے اور کامیاب ہوئے۔ اسی طرح کشمیری مجاہدین بھی اپنی لڑائی میں کامیاب رہیں گے۔ میں نے کہا کہ یہ ادھوری بات ہے۔ افغانستان کی جنگ میں ایک سپرپاور کھلم کھلا پوری طرح افغانیوں کے ساتھ تھی جبکہ آپ کی (کشمیریوں کی) موجودہ جنگ میں کسی پاور یا سپرپاور کی حمایت اس طرح آپ کو حاصل ہے؟ وہ کسی بھی ملک کا نام نہ لے سکے۔

مولانا وحید الدین خان اپنے محسنوں اور آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے جہاد کشمیر کی نفی کے ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

"کشمیری رہنماؤں نے مجھے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ انڈیا ہمارے اوپر کتنا زیادہ ظلم کر رہا ہے؟ اس نے ہمارے عزت داروں کو بے عزت کیا۔ اس نے کشمیری سماج کو تباہ کیا۔ میں نے کہا کہ قرآن حکیم میں حکم ہے کہ دشمنی میں بے انصاف نہ بن جاؤ بلکہ ہمیشہ انصاف کی بات کہو۔ آپ جس ظلم کا حوالہ دے رہے ہیں، وہ ۱۹۸۹ء کے بعد پیش آیا ہے جب آپ لوگوں نے سری نگر کی سرکاری عمارتوں پر بم مارا اور اس طرح تشدد اور جوابی تشدد کی سیاست کشمیر میں چلائی۔ ۱۹۸۹ء سے پہلے انڈیا کی فوج کشمیر میں تھی مگر اس نے کبھی بھی کشمیری آبادیوں پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ جب آپ نے متشددانہ اقدام کر دیا تو اس کے بعد آپ کو اس شکایت کا حق باقی نہیں رہتا کہ فریق ثانی آپ کے خلاف تشدد کی کارروائی کر رہا ہے۔

پھر انہوں (کشمیری رہنماؤں) نے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انڈیا کا اقتصادی ڈھانچہ ٹوٹ رہا ہے۔ انڈیا کی اقتصادی کمزوری ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔ جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ انڈیا کی اقتصادی طاقت تباہ ہوگی اور وہ کشمیر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ یہ معاملہ دونوں فریقوں کے ساتھ ہے اور اس میں اصل فیصلہ کن چیز وقت ہے۔ آپ اور انڈیا میں جس فریق کی اقتصادی طاقت پہلے ٹوٹے گی، وہ دوسرے فریق کی جیت کا باعث بنے گی۔ ایسی حالت میں آپ کے پاس کون سی مزید دلیل ہے جس کی بنا پر آپ یہ یقین کر رہے ہیں کہ انڈیا کی

اقتصادی حالت آپ سے پہلے تباہ ہو جائے گی۔ اس کا بھی ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا"۔ ("الرسالہ" جولائی ۱۹۹۵ء، صفحہ ۳۵)

کھلے بندوں جہاد کا انکار کرنا مولانا وحید الدین خان کا طرز حیات بن گیا ہے۔ ذرا ملاحظہ کیجئے ان کی تحریر کا ایک اور ٹکڑا!

"موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں ہر جگہ جہاد کے نام پر لڑائی کا مزاج بنا ہوا ہے۔ ہر جگہ کسی نہ کسی صورت لڑائی جاری ہے۔ اس کے نتیجے میں ہر قسم کی اخلاقی اور انسانی روائتیں ٹوٹ رہی ہیں۔ یہ لڑائیاں بالفرض فتح پر ختم ہوں تب بھی ان کا یہ نقصان یقینی ہے کہ اس کے بعد ہر جگہ ایک ایسا انسانی معاشرہ بنے گا جو تمام اعلیٰ روایتوں سے خالی ہو گا۔ یہاں تک کہ لوگ چیخ اٹھیں گے کہ اس اسلامی نظام سے تو قدیم غیر اسلامی نظام ہی اچھا تھا"۔ ("الرسالہ" اپریل ۱۹۹۷ء صفحہ ۴۱)

اور مقبوضہ کشمیر میں بردئے کار تحریک آزادی کے خلاف طنز کرتے ہوئے مولانا وحید الدین خان بین السطور لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانہ میں مسلمانوں میں یہ سیاست عام ہے کہ کسی ملک کے ایک حصے میں اگر ان کی اکثریت ہے تو اس حصہ کو بقیہ ملک سے الگ کر کے وہاں وہ خودمختار مسلم حکومت یا آزاد اسلامی حکومت قائم کرنے کی تحریک چلانے لگتے ہیں۔ میرے نزدیک اس سیاست کا تعلق نہ اسلام سے ہے اور نہ عقل سے۔ اس احمقانہ سیاست کے نتیجہ میں ملک کی حکومت جب ان کے اوپر سختی کرتی ہے تو دوسرا کام انہیں یہ مل جاتا ہے کہ ملکی حکومت کے خلاف سطحی قسم کے بیانات اور مضامین چھاپتے رہتے ہیں۔ اس کا نام اگر اسلام ہے تو غیر اسلام کس چیز کا نام ہو گا؟ ("الرسالہ" دسمبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۴۲)

وحید الدین خاں اور فتنہ قادیانیت

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی

برمنگھم کے اہل حدیث مرکز میں مولانا وحید الدین خان کا دیا گیا بیان خلاف واقعہ ہے۔ افسوس کہ وہاں موجود علماء میں کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ مہمان معزز غلط بیانی کر رہے ہیں اور کسی نے اس پر انگلی نہ اٹھائی۔

گزشتہ دنوں دہلی کے مولانا وحید الدین خان نے برطانیہ کا دورہ کیا موصوف برطانیہ کے مختلف مقامات پر گئے۔ اسی طرح آپ برمنگھم کے اہل حدیث مرکز میں بھی گئے اور وہاں ایک مجلس سے خطاب کیا۔ کچھ سامعین نے آپ سے سوالات کیے جن کا آپ نے جواب دیا پھر آپ نے جن جوابات کو زیادہ مفید پایا ان میں سے کچھ سوالات و جوابات کو اپنے ماہنامہ ﴿الرسالہ﴾ میں شائع کیا۔ اس کا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا وحید الدین خان صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ فتنہ قادیانیت ایک نئے روپ میں برطانیہ میں خصوصاً" پھیل رہا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی کوئی نصیحت ہو تو بتائیں کہ ہم اس فتنہ کا مقابلہ کس طرح کریں؟

مولانا موصوف نے جواباً" کہا (اور پھر اسے لکھا) کہ:

> "اس معاملے میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں ہندوستان میں قادیانیت پیدا ہوئی، اسی کے قریب زمانہ میں امریکہ کی بلیک مسلم تحریک بھی پیدا ہوئی۔ دونوں کا کیس بالکل ایک تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بلیک مسلم تحریک کا فتنہ جلد ختم ہو گیا اور قادیانیت کا فتنہ ابھی تک باقی ہے اور بڑھ رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے، بلیک مسلم تحریک کے فتنہ کو خاموش تدبیر سے حل کیا گیا

جبکہ قادیانی فتنہ کو شوروغل کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور شوروغل سے کبھی کوئی چیز ختم نہیں ہوتی۔

بلیک مسلم تحریک ایلجاہ (عالیجاہ) محمد نے شروع کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں چنانچہ ان کے تمام پیرو ان کو پیغمبر مانتے تھے۔ مگر ۱۹۷۵ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا وارث دین محمد ان کا جانشین ہوا۔ بیٹے کا رجحان یہ تھا کہ ان کے والد پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ ایک ریفارمر تھے۔ امریکہ کے مسلمانوں نے اس کو خوب استعمال کیا۔ یہاں تک کہ بلیک مسلم اصلاح یافتہ ہو کر بہت بڑی تعداد میں عالمی مسلم امت کا جز بن گئی۔

ٹھیک یہی معاملہ قادیانیت کا ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں غلام احمد قادیانی نے اس کی تشکیل کی۔ اس کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں۔ مگر ۱۹۱۴ء میں اس کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو جانشین بنایا گیا۔ بیٹے نے اعلان کر دیا کہ اس کا باپ پیغمبر نہیں تھا' وہ صرف ریفارمر تھا۔ یہاں موقع تھا کہ دوبارہ بیٹے کو استعمال کر کے قادیانی فتنہ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ امکان بالکل غیر استعمال شدہ رہ گیا۔ یہاں تک کہ شوروغل کی سیاست نے قادیانی فتنہ کو وہاں پہنچا دیا ہے جہاں آج آپ اس کو دیکھ رہے ہیں"۔ (الرسالہ' دہلی' اکتوبر ۱۹۹۶ء' ص ۳۸)

مولانا وحید الدین کی پوری عبارت ہم نے یہاں نقل کر دی ہے۔ جو حضرات قادیانیت سے کچھ بھی واقف ہیں' وہ مولانا موصوف کی اس عبارت میں متعدد غلط بیانیوں اور اس سے اخذ کیے جانے والے نتائج کو پڑھ کر یقیناً حیران ہوں گے اور یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ مولانا موصوف نے سائل کے سوال کا جو مذکورہ جواب دیا ہے وہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

(۱) مرزا غلام احمد نے اپنے کام کی ابتداء ۱۸۸۹ء سے نہیں کی۔ اس نے کام کی ابتداء کتاب براہین احمدیہ سے کی' جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہو چکی تھی اور اسی سال لدھیانہ کے علماء نے اپنی تحقیق کی روشنی میں اس پر فتویٰ کفر دیا تھا۔

(۲) مرزا غلام احمد نے ۱۸۸۹ء میں نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا' اس کا دعویٰ نبوت اس کے اپنے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کے بیان کی رو سے ۱۹۰۱ء میں سامنے آیا۔

(۳) مرزا غلام احمد کی وفات ۱۹۱۴ء نہیں بلکہ ۱۹۰۸ء تھی۔ اس کا سن وفات ۱۹۱۴ء ہونا یہ ایک نئی تحقیق ہے۔ مرزا غلام احمد نے خدا کے نام سے یہ پیشگوئی کی تھی کہ اس کی عمر کم از کم

۷۴ سال اور زیادہ سے زیادہ ۸۶ سال ہو گی۔

علماء اسلام کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد ۱۹۰۸ء میں ۶۸ سال کی عمر میں فوت ہوا اور اس کی عمر ۷۴ سال نہ ہو سکی۔ اب اہل حدیث: منگھم کے ہاں یہ تحقیق سامنے آئی ہے۔ مرزا قادیانی کی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ اس سے اس کی عمر ۷۴ سال بن جاتی ہے۔ یہ واقعی ایک نئی تحقیق ہے۔ (مگر یہ ہے غلط)

(۴) مرزا غلام احمد کے بعد اس کے جانشین مرزا بشیر الدین نہ تھا بلکہ حکیم نور الدین تھا۔ مولانا وحید الدین خاں' بشیر الدین اور نور الدین میں فرق نہ کر سکے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

(۵) مرزا بشیر الدین نے اپنے باپ مرزا غلام احمد کو نبی کہا اور اس کی نبوت کا کھلے عام پرچار کرتا رہا۔ اس کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد نے بھی اپنے باپ کو نبی مانا اور ہمیشہ اس کی تصدیق کرتا رہا۔ کبھی یہ نہ کہا کہ میرا باپ صرف ایک ریفارمر تھا۔ مرزا بشیر الدین کا اپنے باپ مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں عقیدہ اس کی متعدد کتابوں اور بیانات میں ۰۰:۰۰ ہے۔ ہم یہاں اس کا ایک بیان درج کیے دیتے ہیں۔

”پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنی بیان کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت (مرزا قادیانی) صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں“۔ (حقیقت النبوت' ص ۱۷۴)

اس میں (اور اس قسم کی دیگر تحریرات میں) مرزا بشیر الدین کا عقیدہ کھل کر سامنے آتا ہے کہ وہ اپنے باپ مرزا غلام احمد کو صرف ایک ریفارمر نہ مانتا تھا اور اس میں کسی قسم کا مجاز تسلیم نہیں کرتا اس کا عقیدہ ہے کہ اس کا باپ حقیقی نبی تھا۔

زا بشیر الدین اگر اپنے باپ کو صرف ایک ریفارمر مانتا تو کبھی یہ نہ کہتا کہ غیر قادیانی کافر ہیں اور ان کا اور ہمارا راستہ الگ ہے۔

مرزا بشیر الدین کے ان عقائد کے ہوتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مرزا غلام احمد صرف ایک ریفارمر تھا۔ مرزا بشیر الدین تو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اس کا باپ حقیقی نبی تھا۔ نبیوں سے اس کا مقام آگے تھا' اس کا منکر کافر ہے اور ہمارے یہ مولانا وحید الدین خاں فرما رہے ہیں کہ اس کا اپنے باپ کے بارے میں عقیدہ صرف ایک ریفارمر کا تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(۶) کوئی یہ نہ سمجھے کہ مولانا موصوف کی مراد مرزا غلام احمد قادیانی کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد سے ہے۔ گو کہ مولانا موصوف کی مراد مرزا بشیر احمد نہیں تاہم ان کا عقیدہ بھی اپنے باپ کے بارے میں یہی تھا اور وہ بھی اس عقیدے کو بڑی تحدی سے پیش کرتا تھا۔ اس کا ایک بیان ملاحظہ کیجئے۔

"یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود (یعنی مرزا قادیانی) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تھا اور وہی نبی تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کے نام سے پکارا اور وہی نبی تھا جس کو خود خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں یا ایھا النبی کے الفاظ سے مخاطب کیا"۔ (کلمۃ الفصل)

مرزا غلام احمد قادیانی کے دونوں لڑکوں مرزا بشیر الدین محمود اور مرزا بشیر احمد کے عقائد آپ کے سامنے ہیں۔ انہی عقاید کی یہ لوگ تبلیغ کرتے ہیں اور اس عقیدہ کے منکر کو پکا کافر کہتے ہیں۔ مولانا وحید الدین خاں ہی بتلائیں کہ کیا کسی ریفارمر کا انکار کفر ہے اور اس کے منکر کو پکا کافر کہا جاتا ہے۔

(۷) ہم یہاں یہ تاویل بھی نہیں کر سکتے کہ مولانا وحید الدین خاں کا مطلب قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کا سربراہ مولوی محمد علی تھا۔ مولانا موصوف نے جو تقابل پیش کیا ہے وہ بیٹے کا ہے کسی مرید کا نہیں۔ مولوی محمد علی مرزا قادیانی کا مرید تھا اور مرزا بشیر الدین اس کا بیٹا۔ بیٹے کو اگر مرزا کی نبوت پر مصر بنایا تو مولوی محمد علی نے۔ وہ نہ اس موضوع کو چھیڑتا نہ بشیر الدین اپنے باپ کی نبوت پر اڑتا۔ اگر مولانا وحید الدین کی مراد مولوی محمد علی پر جرح ہے کہ اس کے مقابلانہ نعرے نے قادیانیت کو انکار ختم نبوت پر مضبوطی بخشی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

(۸) مولانا موصوف کا برطانیہ کا یہ دورہ ان دنوں ہو رہا تھا جب یہاں قادیانیوں کے خلاف ختم نبوت کانفرنس ہو رہی تھی اور مرزا طاہر کی سالانہ کانفرنس میں اٹھائے جانے والے اعتراضات اور غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا جا رہا تھا۔ مولانا موصوف کے نزدیک قادیانیت کے خلاف اٹھنے والی ہر صدا شوروغل ہے۔ تحریک ختم نبوت (خواہ وہ ۱۹۵۳ء کی ہو خواہ ۱۹۷۴ء کی ہو، خواہ ۱۹۸۴ء کی ہو، کیا برمنگھم میں ہونے والی ختم نبوت کانفرنسیں شوروغل ہیں) کو شوروغل قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔

(۹) مولانا موصوف عمر کی اس منزل میں ہیں، جہاں کبھی سہو بھی ہو سکتا ہے اور ذہول بھی۔ مولانا موصوف نے اگر یہ غلط باتیں برمنگھم کے اہل حدیث مرکز میں کہہ دی تھیں تو انہیں چاہیے تھا کہ اسی بات کو تحریر میں لاتے وقت کچھ تو غور کر لیتے۔ واقعات سے نتائج اخذ کرنا اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کسی کو صحیح واقعہ کا علم بھی ہو۔ افسوس ہے کہ مولانا موصوف بسا اوقات ان مسائل میں بھی لب کشائی فرماتے ہیں، جو ان کا موضوع ہی نہیں ہوتا۔ اگر مولانا موصوف قادیانی تحریک کے خدوخال سے واقف ہی نہیں اور نہ انہیں یہ پتہ ہے کہ مرزا غلام احمد کے بیٹوں کا اس کے بارے میں کیا عقیدہ رہا ہے اور آج تک کس عقیدے کا پرچار کیا جا رہا ہے تو انہیں چاہیے تھا کہ کسی واقف کار سے پوچھ لیتے یا کم از کم لکھتے وقت ہی کسی سے اصل حقیقت معلوم کر لیتے۔

(۱۰) ہمیں مولانا موصوف سے زیادہ برمنگھم کے ان اہل حدیث علماء پر افسوس ہوتا ہے جنہوں نے مولانا موصوف کی اس غلط بیانی کو بڑی آسانی سے قبول کر لیا۔ نہ انہوں نے اس وقت آپ کو اصل حقیقت بتائی اور نہ جلسہ کے بعد انہیں بتلایا کہ آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صحیح نہیں اور یہ بات جو آپ نے بیان کی ہے' بالکل خلاف حقیقت ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہاں کے ان علماء کو خود بھی ان حقائق کا علم نہ ہو' ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بھری مجلس میں بالکل خلاف واقعہ بات کرتا چلا جائے اور یہ علماء اسے خاموشی سے سنتے چلے جائیں۔ نہ اس وقت انہیں ٹوکیں اور نہ بعد میں انہیں حقیقت حال سے مطلع کریں کہ نہ مرزا کی عمر ۷۴ سال ہوئی نہ وہ ۱۹۱۴ء میں فوت ہوا اور نہ مرزا بشیر الدین اپنے باپ کی نبوت کا منکر تھا۔

ع کتنے جھوٹ لکھے تو دانشور کہلائے ہم

بھلی بات اور وحید الدین خاں

مولانا عزیز الحسن صدیقی

مذکورہ بالا عنوان ماہنامہ الرسالہ کا ہے جس کے تحت صاحب الرسالہ مولانا وحید الدین خاں نے اپنے رسالہ کے شمارہ نمبر ۲۶۲ ستمبر ۱۹۹۸ء کے صفحہ ۱۲ پر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ بولے تو بھلی بات بولے ورنہ چپ رہے۔

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا اولیصمت

دنیا کا اکثر بگاڑ کسی غلط بول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا اکثر بناؤ کسی اچھے بول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک بول سے لوگوں میں محبت بڑھتی ہے' دوسرا بول لوگوں میں نفرت پھیلانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں سنجیدہ اور ذمہ دار آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان و قلم کو استعمال کرنے میں بے حد احتیاط کرے۔ لکھنا یا بولنا اسی کے لیے جائز ہے جو مذکورہ پیغمبرانہ ہداہت پر عمل کرے۔ جو شخص اس ہدایت پر عمل نہ کر سکے' اس کے لیے لکھنا اور بولنا سرے سے جائز ہی نہیں۔

اس معاملہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی کے پاس کہنے کے لیے ایک ایسی بات ہے کہ جو دوسروں کے بارے میں اچھا گمان پیدا کرنے والی ہے۔ اس قسم کی بات بلاشبہ ایک بھلی بات ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ جو بات لکھنے یا سمجھنے جا رہے ہیں' وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک منفی بات ہے۔ اندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے اندر بدگمانیاں پیدا ہوں---- ایسی صورت میں آپ کے لیے لازم ہے کہ آپ چپ رہیں نہ کہ بول کر انسانیت کے مسائل میں اضافہ کا سبب بن جائیں"۔

کاش مولانا وحید الدین یہ صفحہ لکھتے وقت سوچ لیتے کہ ان کے بول سے کتنے انسانوں کے دل دکھے ہیں؟ ان کے بے جا تبصروں نے کیسے کیسے بزرگوں کی شخصیت کو داغدار کیا ہے؟ ان کے اقوال اور ان کی تحقیقات سے کیسے کیسے مسائل کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے اپنی ناتجربہ کاری اور سیاسی بصیرت سے محرومی کے سبب اسلام اور مسلمانوں کے مخالفین کے میگزین میں بارود کی کتنی مقدار اکٹھا کردی ہے؟ انہوں نے شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے لے کر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمدؒ مدنی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تک کو بے بصیرت اور بے تدبیر ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی اور اگر ہم محاورہ کی زبان بولیں تو کہہ سکتے ہیں کہ آسمان پر تھوکنے کی مشق کی۔ سو، سوا سو سال کے طویل عرصے میں پیدا ہونے والے نہ جانے کیسے کیسے زعمائے دین وملت ان کے قلم کی زد میں آچکے ہیں مگر انہیں ذرا خیال نہیں آیا کہ وہ کیا کررہے ہیں؟ آج تک کسی نے انہیں نہیں سمجھایا کہ بھائی! اپنے مال کو بیچنے کے لیے دوسرے کے مال کو گھٹیا ثابت کرنا کیا ضروری ہے، کیا ہم امید رکھیں کہ مولانائے محترم مذکورہ حدیث کی روشنی میں اپنے اقوال کا جائزہ لیں گے اور بڑا بول بولنے سے باز آئیں گے۔ گو کہ ہم نے مولانا سے امید قائم کرلی ہے مگر یقین یہی کہ وہ اپنی خو نہیں بدلیں گے۔

اپنے رسالہ کے اسی شمارے میں وہ لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانے میں ہر جگہ مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ پچھلے دو سو سال سے وہ اپنے حریفوں سے مسلح ٹکراؤ کررہے ہیں۔ مگر یہ ٹکراؤ مسلمانوں کے نقصان میں اضافہ کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہ کرسکا۔ اب مسلمانوں پر فرض کے درجہ میں ضروری ہوگیا کہ وہ ٹکراؤ اور تصادم کے بے فائدہ تجربہ کو مزید نہ دہرائیں۔ وہ صلح حدیبیہ کے اصول کو مکمل طور پر اختیار کرلیں"۔

مولانا کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ پہلے ایک مفروضہ قائم کرلیتے ہیں پھر نتیجے نکالتے چلے جاتے ہیں۔ پولیس کا سب سے بڑا افسر وبھوتی نرائن رائے جس نے ۱۴۰ صفحات کی اپنی تحقیقاتی کتاب میں مسلمانوں کو بے قصور ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ پچاس برسوں میں جتنے فسادات ہوئے، ان میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے کسی مذہبی جلوس پر پتھر پھینک کر فساد کا آغاز نہیں کیا بلکہ پولیس ہندوؤں کو ابھار کر فساد کراتی رہی اور مسلمانوں کی کمر توڑتی رہی اور وحید الدین جن کو ہندی پریس "رچناتمک سوچ" والے مولانا کہتے ہیں، آج بھی یہی کہے جارہے ہیں کہ مسلمان دو سو سال سے مسلح ٹکراؤ کررہے ہیں۔ ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسری طاقت نہیں ہے جو مولانا محترم کو سمجھا سکے۔

ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ مولانا وحید الدین تعبیر کی غلطی میں بری طرح پھنس گئے

ہیں۔وہ غلطی پر غلطی کیے جارہے ہیں مگران کو احساس تک نہیں ہوتا۔

مذکورہ شمارے میں انہوں نے اپنے امریکہ کے سفر کی روداد (ہمارے قارئین جانتے ہی ہیں کہ مولانا امریکہ اکثر جاتے رہتے ہیں) بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک نوجوان عالم پاکستان سے امریکہ آئے ہوئے ہیں' ان سے ملاقات ہوئی۔ گفتگو کے دوران مولانا سید حسین احمد مدنی اور اس حلقہ کے دوسرے علماء کا ذکر ہوا۔ میں نے کہا کہ ان لوگوں کے تذکرے میں لکھا رہتا ہے کہ حضرت کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ علماء انگریزوں سے نفرت کیوں کرنے لگے۔ انگریز تو ہمارے لیے مدعو کا درجہ رکھتے تھے اور مدعو کے لیے خیر خواہی کا حکم ہے"۔

مولانا کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انگریز عیار اور ظالم تھا۔ اس نے دھوکہ دے کر ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں سے چھینی تھی۔ اس لیے سارے ہندوستانیوں نے اس سے لڑائی لڑ کر ۱۵ اگست کو اپنے ملک کو اس کے پنجہ سے چھڑا لیا۔ اگر یہ سیدھی سادی بات بھی مولانا کی سمجھ میں نہ آتی ہو تو ہم اب یوں سمجھاتے ہیں۔ مولانا کے نئی دہلی والے مکان میں خدانہ کردہ کچھ لٹیرے ظالم گھس پڑیں اور مولانا کے گھر کے قیمتی سامان کو تہس نہس کرنے لگیں تو کیا مولانا ان سے لڑ کر اپنے گھر کو اور گھر کے اثاثہ کو نہیں بچائیں گے اور کیا اپنا گھر جس کو انہوں نے بڑی محنتوں اور مشقتوں سے سجایا ہو گا' لٹیروں کے حوالہ کر کے چلے جائیں گے؟ کرایہ کی بلڈنگ کا ایک کمرہ وہ چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ اتنی بڑی عمارت کیسے چھوڑ دیں گے مگر مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ مسلمان "حدیبیہ پرنسپل" کو اختیار کریں۔

ہندی پریس نے بلاوجہ تھوڑا ہی ان کو "رچنا تمک سوچ والے مولانا" کا لقب دیا ہے۔ مولانا فی الاصل اپنے تحریری اثاثہ کی صورت میں ہندوستان کے فرقہ پرستوں اور فاشسٹوں (جن سے ہندوستان کے شریف ہندو بھی نالاں ہیں) کو مسلمانوں کے خلاف اتنا مواد مہیا کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ اس کے بل پر صدیوں تک مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہیں اور اس خدمت کے عوض مولانا کو بلا مشقت جو کچھ ملے گا' وہ ظاہر ہے ان کی آنے والی نسلوں کے لیے دنیاوی اعتبار سے اتنا ہو گا جس کو فراہم کرنے کے لیے لوگوں کو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔

انہیں امریکہ ہی میں امریکن مسلم کونسل (جس کا فون نمبر بھی سہولت کی خاطر اپنے رسالہ کے صفحہ ۳۰ پر لکھ دیا ہے) کا ایک صفحہ کا پمفلٹ کہیں مل گیا۔ اس میں امریکن میگزین نیوز ویک (۱۹ اگست ۱۹۹۶ء) میں شائع شدہ مسٹر وڈورڈ کے مضمون کا جواب دیا گیا ہے۔ مسٹر وڈورڈ نے اپنے مضمون میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اخلاص کا نظریہ یہ ہے کہ طاقت کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں پھیلایا

جائے۔ اس الزام کا جواب دیتے ہوئے اس پمفلٹ میں کہا گیا ہے کہ فی الحقیقت مسلمانوں نے نہ صرف دفاع کی غرض سے اس وقت جنگ کی ہے، جب انہیں اکسایا گیا ہے یا ستم رسیدہ لوگوں کی درخواست پر۔ انہوں نے اسلام کو پھیلانے کے لیے جنگ نہیں کی۔ جس مسلمان نے مولانا کو یہ پمفلٹ دیا تھا، اس نے گفتگو کے دوران یہ کہہ دیا کہ انڈیا نے اپنی فوجی طاقت استعمال کر کے بنگلہ دیش نام کا ایک نیا ملک کھڑا کر دیا یعنی پاکستان کو توڑ دیا۔ اس پر سنئے مولانا کا تبصرہ فرماتے ہیں:

"میں نے کہا اپنے اس بیان میں آپ ماضی میں مسلمانوں کی اس فوج کشی کو جائز قرار دے رہے ہیں جو انہوں نے علاقہ کے ستم رسیدہ لوگوں کی درخواست پر کیا پھر یہی تو انڈیا کا بھی معاملہ ہے۔ آپ کو ڈبل اسٹینڈرڈ نہیں بننا چاہیے"۔

اوپر ہم جو بات کہہ آئے ہیں کیا مولانا کے اس قول سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی؟ ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ مولانا کے اعصاب پر یورپ اور امریکہ اس بری طرح سوار ہو چکے ہیں کہ انہیں مسلم ممالک اور مسلم قوم کے اندر کوئی اچھائی نظر ہی نہیں آتی۔ اس شمارے میں صفحہ ۴۰ پر رقم طراز ہیں:

"امریکہ میں فیونرل ہوم ہوتے ہیں۔ موت ہونے کے بعد ٹیلی فون کر کے فوراً اپنے مردہ کو فیونرل ہوم کے حوالہ کرنا ہوتا ہے۔ وہ لاش کو اٹھا لے جاتے ہیں اور اس کے تمام رسوم ادا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ میت کو قبر میں اتارنے کا کام آدمی کے ہاتھ نہیں کرتے بلکہ کرین اس خدمت کو انجام دیتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہاں عیسائیوں اور یہودیوں کے فیونرل ہوم ہیں مگر مسلمانوں کے فیونرل ہوم موجود نہیں ہیں"۔

لیجئے اب مولانا مسلمانوں کو اپنے مردوں کو نہلانے کفنانے اور اسلامی طریقے پر دفنانے کی بھی اجازت نہیں دینا چاہتے۔ ہندوستان کے فرقہ پرستو! آؤ اور جوق در جوق آؤ اور مسلمانوں کے کشتوں کے پشتے لگا دو۔ پھر گھی، نہیں کراسن تیل چھڑک کر آگ لگا دو کہ اس طرح تمہارے مذہب کے طریقہ سے مماثلت بھی پیدا ہو جائے گی اور تمہارے جذبات کی تسکین بھی ہوگی۔ فیونرل ہوم ہی کیا اس طرح بھی مسلمانوں کو ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔ نہ اسلامی طریقے پر میت کو غسل دینا پڑے گا نہ نماز پڑھنے کی ضرورت پڑے گی نہ مردے کو کندھوں پر لاد کر لے جانا پڑے گا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

امریکہ ہی کے سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مولانا محترم نے ایک اجتماع میں جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ شریک تھے، مولانا نے اللہ کی توفیق سے اسلام کے پیغام کو سائنسی انداز میں

پیش کیا۔ مگر تقریر کے بعد جب سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا کو بہت افسوس ہوا کہ لوگوں نے علمی و فکری سوال کے بجائے یہ سوالات کیے۔ فلاں جگہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے' فلاں قوم ہمارے خلاف سازش کر رہی ہے' اس پر آپ کیا کہتے ہیں؟

ہمیں افسوس ہے کہ ان سوال کرنے والوں پر جوانتا بھی نہیں جانتے کہ مولانا نے ظالموں کے حق میں جان بوجھ کر آنکھیں بند کرلی ہیں۔ یعنی مسلمانوں پر جو مار پڑ رہی ہے' وہ صرف ان کی نالائقی کی وجہ سے پڑ رہی ہے۔ ان کو پیٹا جا رہا ہے تو ٹھیک ہی ہے۔. کیونکہ وہ ایسے طالب علم کی طرح ہیں جو استاد کی بات مان کر نہیں دیتا۔

فرقہ پرست جو کچھ پڑھانا چاہتے ہیں' وہ نہیں پڑھنا چاہتا' ہندوتو کا سبق وہ کسی طور سے پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کی کمر توڑنا واجب ہے۔

امریکہ ایک نابینا کو جیل میں ٹھونستا ہے تو کیا برا کرتا ہے' بغداد کو تباہ کرتا ہے تو اس کو اس کا حق حاصل ہے۔

مولانا مشرقی یوپی کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ مثل ضرور سنی ہوگی' جس کی نہ پھٹی ہو بوائے' وہ کیا جانے درد پرائے۔ یعنی جس شخص پر کبھی مصیبت نہ پڑی ہو' وہ دوسروں کی مصیبت اور دکھ کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں امن ہے' سکون ہے' عافیت ہے۔ ہم نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ ذرا اپنے نہاں خانے سے باہر نکل کر دیکھیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے' بستی نظام الدین سے کار پر بیٹھ کر ایئرپورٹ پہنچ جاتے ہیں' پھر امریکہ یا کسی اور یورپی ملک میں پہنچ جاتے ہیں۔ مسلمان بیچارا انہیں کہاں ملتا ہے۔ برصغیر کے سب سے بڑے مسلم صحافی عثمان فارقلیط چیف ایڈیٹر روزنامہ الجمعیہ دہلی روزانہ صبح و شام گلی قاسم جا کے ایک گھٹیا سے چائے خانے میں بیٹھتے تھے تاکہ مسلمانوں کی سوچ اور مسلمانوں کے مسائل کو سمجھ سکیں۔ ایک ہندو عورت نے مسلمانوں کے برقعہ پر تحقیق کی تو اس کو پہن کر اس دہلی کے گلی کوچوں میں پھری جہاں مولانا رہتے ہیں۔ پھر اس نے برقعہ کے حق میں مضمون لکھا اور ثابت کیا کہ اس کو پہن کر ایک عورت زیادہ تحفظ کا احساس کرتی ہے اور اپنی طرف بری نظر ڈالنے والوں کا بہتر انداز میں تعاقب کر سکتی ہے۔ مولانا کے پسندیدہ ملک امریکہ ہی سے ایک شخص ہندوستان صرف یہ تحقیق کرنے کے لیے آیا کہ مسلمانوں کا دسترخوان کیسا ہوتا ہے۔ مگر مولانا مسلمانوں کے مسائل' ان کے نفسیات' اور ان کی شکایات کو صرف اپنے ایئر کنڈیشنڈ آفس میں اور ڈبل ڈور روم میں بیٹھ کر سمجھ لیتے ہیں۔ مولانا قضیہ زمین بر سر زمین کے اصول کو نہیں مانتے۔ یہ وہی کہتے ہیں جو ان سے کہلایا جاتا ہے یا ان کی مصالح اور ضرورتیں جس چیز کا تقاضا کرتی ہیں' اسی کو بیان کرتے ہیں۔

بس کیجئے مولانا! اپنی رچنا تمک سوچ اور اپنے فکر انگیز خیالات سے ہمیں محفوظ ہی رکھئے۔ آپ کی مجبوری سمجھ میں آگئی ہے۔ آپ اس کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتے کہ ہر معاملے میں مسلمانوں کی اصلاح و تنقید کے لیے برابر لکھتے اور بولتے رہے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ ہم ان کو کوستے نہیں، ان کو پڑواتے نہیں بلکہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو ایک معالج مریض کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم انہیں دوا بھی دیتے ہیں اور پرہیز بھی بتاتے ہیں اور ہر وقت بلا ضرورت آپریشن ٹیبل پر ہی نہیں لٹائے رہتے۔ ہو گیا ایک دفعہ آپریشن مگر مولانا ہیں کہ وہی ایک عمل دہرائے جا رہے ہیں، اور زخموں کو کریدے جا رہے ہیں۔

مریض ہے کہ خمیر اٹھ گیا بیچارے کا
طبیب ہیں کہ خمیرہ کھلائے جاتے ہیں

(ماہنامہ "بانگ درا" لکھنؤ، مئی ۱۹۹۹ء)

وحید الدین خاں کا نیا دین
غیر اسلامی افکار و کردار

غلام احمد قریشی

اخبار پنچ جنیہ 29 نومبر 1998ء (شو سینا بال ٹھاکرے کا ترجمان) کے صفحہ اول پر دو تصویریں شائع ہوئیں جن میں ایک جگہ مولانا وحید الدین خاں، صدر اسلامی مرکز دہلی کو بہ حالتِ رکوع سرسوتی کی تصویر کے آگے شمع روشن کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، دوسری تصویر میں مولانا اپنی پیشانی پر قشقہ لگوا رہے ہیں، ہر دو مناظر کی تصویریں دہلی میں سنسکرت اکیڈمی کی جانب سے منعقدہ ایک سیمینار کے ضمن میں اتاری گئی ہیں۔ یہ ایک حیران کن پروگرام تھا جس میں مولانا کو نہ صرف مسند صدارت تفویض کی گئی تھی بلکہ انہیں اپنی درافشانی سے محظوظ بھی کرنے کا موقع فراہم کیا گیا تھا۔ اپنی صدارتی تقریر میں خیال ظاہر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا "قرآن مجید میں لگ بھگ 100 دوسری زبانوں کے الفاظ ہیں جن پر سنسکرت خاص ہے۔" اور یہ کہ "محمد پیغمبر ﷺ کو جن چار زبانوں پر عبور حاصل تھا، ان میں سنسکرت بھی ایک تھی" واضح رہے کہ سنسکرت اکیڈمی دہلی کی جانب سے منعقدہ اس سیمینار کا عنوان "فکر ہندوستانی اور سنسکرت زبان میں مسلمانوں کا تعاون" تھا اور اسی موضوع پر مولانا اپنی فکر کے گوہر لٹا رہے تھے۔ مذکورہ گل افشانی میں کئی اہم سوالات پوشیدہ ہیں مثلاً یہ کہ مولانا مبلغ اسلام ہیں کہ دین الٰہی کے مجدد؟ امر مسلم ہے کہ نبی برحق ختم رسل فداہ ابی و امی حضرت محمد ﷺ "امی" تھے یعنی پڑھنا نہ جانتے تھے۔ آپ غار حرا میں تھے اس وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا "اقراء" یعنی پڑھیے، آپ

نے جواب دیا "ماانابقاری" "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبرئیل نے پھر وہی سوال دہرایا اور آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس طرح تین بار تکرار کے بعد جبرئیل نے آپ کو سینے سے بھینچا۔ سورہ علق کی یہی ابتدائی آیات وحی الٰہی کا پہلا نزول ہے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے امی ہونے کا تذکرہ متعدد آیات قرآنی میں موجود ہے مثلاً سورہ جمعہ آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم الی آخر الآیۃ ترجمہ :وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول ان ہی میں کا۔ پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب وحکمت"۔

قرآن کریم کی ان آیات مبینات پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت محمد ﷺ کو چار زبانوں پر عبور تھا۔ بالیقین یہ محض مولانا کی ذہنی اختراع ہے۔ اسی طرح سرسوتی تصویر کے روبرو مولانا وحید الدین خاں کا شمع روشن کرنا غیر اسلامی فعل ہے جس کی کوئی دوسری توجیہ نہیں کی جاسکتی سوائے اس کے 'ہندوستان میں مولانا وحید الدین خاں کی صورت میں دین الٰہی کا نیا مجدد جلوہ گر ہوا ہے۔

ہندوستان میں مختلف مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں یہاں مسلمانوں کے علاوہ سکھ' عیسائی' جین' بدھ اور ویدک دھرم کے ماننے والے موجود ہیں اور اسی سبب سے فرماں روائے ہند جلال الدین محمد اکبر نے یک جہتی کے نام پر دین الٰہی کا اختراع کیا تھا جس میں تمام مذاہب کا احترام کیا گیا تھا یعنی "سرودھرم سنبھو" یعنی "تمام مذاہب ممکن ہیں" جو کہ ایک غلط تصور دین ہے جلال الدین محمد اکبر ہمایوں کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کی پریشانی اور جلاوطنی میں دوران سفر پیدا ہوا اس کی نظر میں ہندوستان کی عظیم سلطنت کا استحکام مقصود تھا۔ اس دور کے تقاضوں کے تحت اکبر نے دین الٰہی کی ایجاد کی جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسلام ایک سچا دین ہے جو ہر طرح کے کفروشرک سے پاک ہے۔ اسی طرح سرسوتی وندنا اور وندے ماترم کے گیت خالص ہندو مذہب کا حصہ ہیں جس کا اسلام یا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا وحید الدین خاں بنیادی طور پر جن سنگھی خیالات کے قائل نظر آتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سرسوتی وندنا' یکساں سول کوڈ' بابری مسجد کی شہادت اور وندے ماترم کے معاملوں میں جن سنگھ اور آر ایس ایس کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ ان معاملات میں ان کی فکر ویدک دھرم کے ماننے والوں سے ہم آہنگ ہے۔ اور یوں لگتا ہے جیسے وہ سنگھ پریوار کے ایڈووکیٹ ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں موصوف نے "وندے ماترم ایشو یا نان ایشو" کے عنوان سے

اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں واضح اور دوٹوک رائے ظاہر کرنے کی بجائے انہوں نے علامہ اقبال کے اشعار کو اپنے سفیہانہ خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ انہوں نے "سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا" پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقبال نے مکہ و مدینہ جیسے مقدس مقامات سے بھی بہتر ہندوستان کو بتلایا ہے "مولانا کا مقصد اس قسم کی بے ربط دلائل سے ذہنوں کو مسموم کرنا ہے تاکہ مسلمانوں کی نگاہوں سے اصل مسئلہ اوجھل رہے۔

انگریزوں کے دور حکومت میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نبی، رسول، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ اس کی تبلیغ کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہندوستان پر انگریز قوم کی حکومت کو نعمتِ الٰہی ظاہر کرے اور ان کے دور کو پر امن دور قرار دے۔ چنانچہ یہی نہیں کہ اس فرنگی دور حکومت کو ایک ترقی یافتہ سنہرا دور قرار دیا بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ انگریز حکومت کی مخالفت مذہباً جائز نہیں اور جہاد کا رکن معطل ہو چکا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں کئی کتابیں شائع کیں تاکہ یہ نظریہ عام ہو اور عام مسلمان اس کے مؤید ہوں لیکن اللہ کا قانون حکم ناطق کا درجہ رکھتا ہے کہ جس میں کہا گیا ہے "جاء الحق" حق آیا اور باطل چلا گیا۔ بیشک باطل کو جانا ہی تھا۔ یہی حال مولانا وحید الدین خاں کی تحریک کا ہے کہ وہ خود ساختہ اسلام پیش کر کے اسلام کی اصل تعلیمات کو مسخ کر رہے ہیں۔ کاش وہ جان لیتے کہ مسلمان کفر و شرک سے کسی صورت میں مفاہمت نہیں کر سکتا، نہ وہ سرسوتی وندنا کر سکتا ہے اور نہ وندے ماترم کا جاپ کر سکتا ہے۔ یہ تمام مشرکانہ افعال و اعمال وحید الدین خاں ہی کو زیبا ہیں کہ وہ خود سرسوتی کے روبرو نہ صرف چراغ افروزی کرتے نظر آرہے ہیں بلکہ اپنے فراخ ماتھے پر انتہائی مکروہ ترین قشقہ لگوانے کو وہ خلاف شرع نہیں سمجھتے۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ قشقہ یا تلک کلیتۃً غیر اسلامی اور سرسوتی کے روبرو چراغ افروزی ناروا فعل ہے جبکہ مومن کا ہر دم وظیفہ "لہ الملک، لہ الحمد، الحمدللہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر" ہے۔

اللہ تمام مسلمانوں کو ایسے خود غرض، تنگ نظر شہرت طلب لوگوں سے محفوظ و مامون فرمائے جو ان کے دین حق کے ٹھگ بنے ہوئے ہیں۔

(ماہنامہ دین مبین بھوپال مئی 1999ء)

وحیدالدین خاں اور جہاد

شیخ الحدیث مولانا فضل محمد

یہ شخص (وحیدالدین خاں) آج کل ہندوستان میں ایک عالم کے طور پر متعارف ہے اور اس کا ایک ماہنامہ بھی پاکستان میں "الرسالہ" کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ اس شخص کے خیالات انتہائی خطرناک ہیں اور اس کے نزدیک اسلام اور مسلمان ہی ہر نقص و عیب کا مجموعہ ہیں اور ہر جرم کے مرتکب اور ذمہ دار مسلمان ہی ہیں۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے میں کوئی احتیاط نہیں کرتا اور دین اسلام کے احکام میں تحریف کرنے سے ذرا نہیں گھبراتا۔ اس کے ہاں تاریخ وہی ہے جو اس کے مزاج خاص کے موافق ہو' مزاج سے ذرا مخالف تاریخ پر یہ شخص بے تحاشا ظلم کرتا ہے۔ اس کا قلم چونکہ انتہائی سیال ہے اور اس کی اردو انتہائی صاف ہے' مضمون کا تسلسل عمدہ ہے اور باتوں کی ترتیب میں بہت ہوشیار ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اسی زور قلم نے اس شخص کو درجہ الحاد کے بالکل قریب کر دیا ہے یا ملحد بنا دیا ہے' اس کی کئی تصنیفات ہیں اور مختلف رسالوں میں اس کے مضامین بھی آتے ہیں۔ میرے پاس اس کی کتاب "کاروان ملت" ہے۔ اس شخص نے اس میں جو کچھ لکھا ہے' میں اسی سے چند عبارات نقل کرتا ہوں۔ یہ مضمون لمبا ہو گا' تاہم میں اختصار سے کوشش کروں گا۔

پہلے یہ سمجھ لیں کہ اس شخص کے نزدیک قتال و مقاتلہ کی جتنی قرآنی آیات ہیں' وہ ایک فکری جنگ کے معنی پر ہیں۔ نظریاتی اور قلمی زور کا نام قتال ہے' تلوار و شمشیر والی جنگ کا ذکر تو قرآن میں اس کے نزدیک کہیں بھی نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کے نزدیک اسلام میں کسی کافر کی کفریات کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اور اقدامی جہاد کرنا جائز نہیں ہے اور دفاع بھی اس وقت جائز ہے جب مسلمانوں کے سینہ پر کافر بیٹھ کر ذبح کرنے لگ جائیں۔ اس شخص کے نزدیک دعوت و تبلیغ کے نام سے ایک فارمولا بھی ہے جس کا تذکرہ یہ بار بار کرتا ہے۔ وحیدالدین خاں کے متعلق میں نے ہندوستان کے علماء سے پوچھا تو سب کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص ملحد ہے' بے دین ہے'

ہندوؤں کو مسلمانوں سے اچھا سمجھتا ہے' اس کے خلاف کچھ کتابیں بھی چھپی ہیں اور "تکبیر" کراچی نے کئی مضامین بھی چھاپے ہیں۔ رسالہ "زندگی" لاہور نے بھی اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ میں اس کی کتاب سے جہاد کے متعلق چند عبارات پیش کروں گا' پھر فیصلہ قارئین کرام خود کر لیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ ایسے چالباز لوگوں کی تحریرات اکثر و بیشتر دورنگی پر مشتمل ہوتی ہیں۔ کبھی تو اسلام کی صحیح معقول اور نصیحت آمیز بات کرتے ہیں تاکہ اپنے گرویدہ لوگوں کو ان عبارات کی آڑ میں بوقت مشکل اس مشکل سے نکالا جا سکے اور لوگوں کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے کچھ نہ کچھ ان کے ہاتھ میں ہو اور باقی عبارات وہی ہوتی ہیں جو ایسے لوگوں کے باطل نظریات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وحید الدین خان کی تحریرات بھی اسی دورنگی کا ملغوبہ ہو' تاہم میں جو عبارات پیش کروں گا' وہ ان کی کتاب "کاروان ملت" سے ماخوذ ہیں' ملاحظہ ہوں:

اکابر کے نظریہ پر تنقید

۱۔ "موجودہ حالات میں مسلمانوں کے احیاء کے لیے کیا کرنا ہے' اس کا حکم ہمارے رہنماؤں نے مذکورہ قسم کی آیتوں سے نکالا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک اول دن سے مسلمانوں کو مجاہدانہ اقدام اور قیام امامت کا سبق دینے لگا' ہر ایک نے مسلمانوں کے ذہن میں یہ تصور بٹھانا شروع کیا کہ تم دنیا کے فوجدار ہو' اٹھو اور دنیا کو مسخر کر کے خلافت ارضی کا مقام سنبھالو۔ اقبال نے اسی بات کو ان لفظوں میں کہا۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہی بات مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ان الفاظ میں کہی ہے' مسلمان اپنے دین کی رو سے دنیا کے محتسب اور خدائی فوجدار ہیں۔ جس دن وہ بیدار ہوں گے اور اپنا فرض منصبی انجام دیں گے' وہ مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب ہو گا (عروج و زوال ص ۳۹۴) مولانا ندوی ایک اور جگہ لکھتے ہیں' امت مسلمہ پر عالمی نگرانی' اخلاق و رجحانات' انفرادی و بین الاقوامی طرز عمل کا احتساب' انصاف کے قیام' شہادت حق' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ (اسلام کے اثرات' ص ۱۲۴)

یہی موجودہ زمانے کے تمام مفکروں اور رہنماؤں کا معاملہ ہے۔ ہر ایک نے خلافت و امامت کی آیتوں کو اپنا اولین رہنما بنایا۔ ان کے الفاظ اور ان کی تعبیرات اگرچہ ایک دوسرے

سے جدا تھیں مگر حقیقت کے اعتبار سے سب کا خلاصہ ایک تھا۔ یعنی مسلمانوں کو دنیا کا فوجدار بننے کی دعوت دینا"۔ (کاروان ملت، ص ۹، مولفہ وحید الدین خان)

۲۔ "موجودہ زمانہ کی مسلم نسلوں کے احیاء کے لیے عمل کا آغاز کہاں سے کرنا ہے؟ اس کا حکم ہمارے رہنماؤں نے امامت اور قیادت جیسی آیتوں سے اخذ کیا۔ ان کا یہ استنباط غلط تھا۔ چنانچہ ان کا سارا عمل غلط ہو کر رہ گیا۔ ہمارے رہنماؤں کی اٹھائی ہوئی تحریکیں اس فارسی شعر کا مصداق بن گئیں کہ معمار جب پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو اس کے بعد آخر تک دیوار ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ایک مشہور مسلم رہنما نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم ہی تو ہو جس نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیے تھے" یہ ایک بے اصل کلام ہے، اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ موجودہ مسلمان گویا دور اول کے مسلمان کا تسلسل ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان دور اول کے مسلمانوں کے بعد کی نسل ہیں"۔ (ص ۱۰)

۳۔ وحید الدین لکھتا ہے "صلیبی جنگوں کے بعد یورپی قوموں کے مدبرین نے غور کیا کہ ہماری اس ذلت آمیز شکست کا سبب کیا ہے؟ وہ اس رائے پر پہنچے کہ مسلمان علم کے میدان میں ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ ہمارے پاس صرف تلوار ہے اور ان کے پاس تلوار اور علم دونوں ہیں۔ اس کے بعد مغربی قوموں نے جنگ اور مقابلہ کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ پوری سرگرمی کے ساتھ علم کے حصول میں لگ گئے۔ اس زمانہ میں لوگوں کے پاس (یعنی مسلمانوں کے پاس) جو علم تھا، وہ صرف روایتی (قرآن و حدیث کا) علم تھا۔ یورپی قوموں نے علم کے قافلہ کو روایتی دور سے آگے بڑھا کر سائنٹیفک دور میں پہنچا دیا۔ مسیحی قوموں نے جب ایسا کیا تو نہ صرف یہ کہ ان کی کمزوریوں کی تلافی ہوئی بلکہ ان کے ان صحت بخش کارناموں نے ان کو سارے عالم انسانی کا ہیرو بنا دیا"۔ (ص ۲۲)

۴۔ "لیکن مسلمانوں کا معاملہ انتہائی طور پر اس سے الگ ہے مسلمان موجودہ زمانہ میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں شکست سے دوچار ہوئے مگر کئی سو سال کی مدت گزر گئی اور اب تک ان کے اندر قومی پیمانے پر تلافی مافات کا عمل جاری نہ ہو سکا۔ اس کا واحد سبب غلط رہنمائی ہے، مسلم رہنماؤں نے اپنی غلط رہنمائی سے مسلمانوں کے ذہن کو اس طرح بگاڑا کہ وہ اس قابل نہ رہے کہ فطرت کی آواز کو سنیں، علماء دیوبند میں ایک عالم مولانا شیخ محمد صاحب تھے۔ ان کی

رائے یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ احوال میں جائز ہی نہیں' اس موضوع پر غور و فکر کے لیے دیوبند میں اکابر علماء کا اجتماع ہوا اس موقع پر ہی مولانا قاسم نانوتوی نے نہایت ادب کے ساتھ مولانا شیخ محمد سے پوچھا کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ دشمنان دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہماری پاس اسلحہ و آلات جہاد نہیں۔ ہم بالکل بے سرو سامان ہیں' مولانا نانوتوی نے عرض کیا' کیا اتنا بھی سامان نہیں جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد نے سکوت فرمایا! اس کے بعد علماء اور عوام کی ایک جماعت جہاد کے لیے نکلی' شاملی (سہارنپور) کے میدان میں انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا' مسلم مجاہدین کے پاس زیادہ تر تلوار اور بھالے تھے اور انگریزوں کے پاس بندوق اور توپ' چنانچہ بدترین شکست ہوئی۔ کچھ لوگ مارے گئے کچھ لوگوں کو انگریزوں نے اپنا قیدی بنالیا۔ مذکورہ واقعہ میں شیخ محمد صاحب گویا فطرت کے ترجمان تھے۔ ان کا شعور یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت اصل مسئلہ طاقت کی نابرابری کا ہے۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے اس نابرابری کو ختم کرنا چاہیے۔ اس نابرابری کو دور کیے بغیر لڑائی لڑنا خودکشی ہے۔ مگر دوسرے علماء ردعمل کے جذبات سے مغلوب ہو کر اس ضروری پہلو کو بھول گئے۔ وہ جوش میں آ کر صرف جنگی اقدام کی باتیں کرنے لگے۔ اس ماحول میں مولانا شیخ محمد صاحب برسرحق ہونے کے باوجود اکیلے رہ گئے۔ چنانچہ ملت کا قافلہ غلط رہنمائی کے نتیجہ میں فطرت کی شاہراہ کو چھوڑ کر بے فائدہ ٹکراؤ کی اندھی راہوں میں چل پڑا"۔ (ص ۲۴)

وحیدالدین نے قومی رہنماؤں اور ان کی غلط رہنمائی کا جو بار بار تذکرہ کیا ہے۔ ان غلط رہنماؤں سے کم از کم انگریز کے مقابلے میں برصغیر میں وہ علماء مراد ہیں جو انگریز کے خلاف تھے۔ ان میں سے سب سے پہلے مجدد الف ثانی کا نام گرامی ہے۔ پھر شاہ ولی اللہ ہے پھر شاہ عبدالعزیز اور ان کا فتویٰ ہے۔ پھر شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء ہیں۔ پھر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' حضرت مولانا قاسم نانوتوی' رشید احمد گنگوہی اور ان کے رفقاء ہیں پھر شیخ الہند اور ان کے ساتھی ہیں۔ اب یہ حضرت اگر امت کے غلط رہنما ہیں تو پھر صحیح رہنما کون ہوں گے؟ شاید انگریز اور پھر ہندو یہ وحیدالدین کے صحیح رہنما ہیں۔ اب ان کا کلام' شہادت اور شہید کے متعلق بھی ملاحظہ ہو۔ لکھتا ہے:

وحیدالدین کی "نظریہ شہادت" پر نکتہ چینی

۱۔ یہاں مسلمانوں کے سلسلہ میں ایک عجیب استثناء سامنے آیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلسل

ہلاک کے بعد بھی کوئی سبق نہ لینا۔ دوسری قوموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدائی ردعمل کے تحت اگر انھوں نے غیر مساوی فریق کے ساتھ جنگ کرلی اور اس کے نتیجے میں ہلاکت پیش آئی تو قوم فوراً سنبھل گئی۔ اس نے مزید بے فائدہ ٹکراؤ جاری نہیں رکھا۔ مثال کے طور پر ۱۸۵۰ء میں جاپان کا امریکہ سے ابتدائی ٹکراؤ کے بعد حصول علم میں لگ جانا، مگر مسلمان حیرت انگیز طور پر یہ نمونہ پیش کر رہے ہیں کہ ناقابل بیان ہلاکتوں کے باوجود اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس فرق کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسا عقیدہ ہے جو دوسری کسی قوم کو حاصل نہیں۔ یہ عقیدہ شہادت کا تصور ہے۔ مسلمان کے لیے اپنے عقیدے کی رو سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہلاکت کو شہادت بتا کر اس کو اپنے کارنامہ کے خانہ میں ڈال سکے۔ موجودہ دور کے مسلم رہنماؤں نے اس عقیدے کا مبالغہ آمیز حد تک بے جا استعمال کیا۔ وہ مسلمانوں کو ہر ہلاکت کی شہادت بتا کر اس کو گلوریفائی (عظمت و تعظیم) کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بذات خود مر مٹنے کو مقصود اعلیٰ بنا کر پیش کیا، مسلمانوں کی مجلسیں ہر طرف اس قسم کے پر جوش ترانوں سے گونج اٹھیں۔ مثلاً

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

نامساوی ٹکراؤ کے بعد مسلمانوں کو جس یکطرفہ ہلاکت کا تجربہ ہوا، اس کے بعد یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگوں کے اندر نئی سوچ پیدا ہو اور وہ بے فائدہ تصادم کو چھوڑ دیں۔ مگر موت کو شہادت بتا کر اس کا جو مبالغہ آمیز گلوری فیکیشن (تعظیم) کیا گیا، اس نے مسلمانوں سے یہ ذہن چھین لیا کہ وہ اپنی تباہی کو تباہی سمجھیں۔

ملت کا قافلہ جو فطرت کے صراط مستقیم سے ہٹ کر تباہی کے راستوں پر چل پڑا تھا، وہ بدستور اس پر چلتا رہا اور آج تک اسی پر چلا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنے بگڑے ہوئے ذہن کی بنا پر وہ اپنے اس عمل کو مجاہدانہ قربانی سمجھ رہا ہے، سلطان ٹیپو ۱۷۹۹ء میں تن تنہا برٹش سلطنت سے ٹکرا گئے۔ حالانکہ اس وقت یہ ٹکرانا ایسا ہی تھا جیسے چیونٹی کا ہاتھی سے ٹکرانا۔ سید احمد بریلوی کا قافلہ ۱۸۳۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں سے بے باکانہ طور پر لڑ گیا۔ حالانکہ مہاراجہ کے پاس مقابلہ میں بہت زیادہ طاقتور فوج تھی اور اس کی فوج کو نپولین کے فوجی افسروں نے تربیت دی تھی۔ علماء ہند کی جماعت نے ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی منظم فوج سے نہایت دلیرانہ جنگ کی حالانکہ علماء کے پاس زیادہ تر تلواریں تھیں اور انگریزوں کے پاس پورا توپ خانہ موجود تھا وغیرہ وغیرہ"۔ (ص ۲۵)

گویا وحید الدین کے نزدیک یہ تمام لڑائیاں خودکشی تھیں اور اس میں غلط رہنماؤں کی غلط راہنمائی کا بڑا دخل تھا اور شہادت کا جنون سوار تھا۔ حالانکہ یہ ظالم اس کو نہیں دیکھتا کہ انگریز ان جنگوں سے پہلے کہاں کھڑا تھا؟ اور اب برٹش حکومت کہاں کھڑی ہے؟ روس پہلے کہاں کھڑا تھا اور اب کہاں بیٹھا ہوا ہے؟ وحید الدین کے کلام میں مسلمانوں کی کتنی تذلیل و تضلیل ہے اور اسی کلام میں کافروں کے لیے کتنا احترام و تقدس ہے۔ یہ ہر پڑھنے والا آسانی سے محسوس کر سکتا ہے۔ بس نفاق کا برا ہو یہ آدمی سے سب کچھ کراتا ہے۔ کسی نے کہا۔

اگرچہ اہل وفا ہیں خلوص کے بھوکے
مگر خلوص نہیں شرط دوستی کے لیے
یہ نکتہ ہم کو سکھایا ہے عہد حاضر نے
منافقت بھی ضروری ہے آدمی کے لیے

وحید الدین خان کی نگاہ میں جہاد اقدامی

۴- وحید الدین نے اپنی کتاب "کاروان ملت" میں جہاد پر بھی بحث کی ہے۔ اس کے نزدیک دفاعی جہاد ہے اقدامی نہیں، اور جہاد بھی ایک فکری عمل کا نام ہے۔ فکریات و نظریات اصل جہاد ہے۔ ہاں درجہ بدرجہ مجبوری جب گلے پر چھری پھرنے لگ جائے تو پھر ہاتھ پاؤں مارنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے "جہاد کے لفظی معنی کوشش کے ہیں۔ البتہ اس کے مفہوم میں مبالغہ ہے یعنی بہت زیادہ کوشش کرنا۔ اس اعتبار سے جہاد وہی ہے جس کو اردو میں "جدوجہد" اور انگریزی میں "اسٹرگل" کہا جاتا ہے۔

"جہاد" قتال کے ہم معنی نہیں بلکہ وہ کامل جدوجہد کے ہم معنی ہے۔ اس اعتبار سے جہاد کا تعلق زندگی کے ہر معاملہ سے ہے۔ جہاد نفس اور جہاد دعوت ایک مستقل عمل ہے۔ وہ مومن کی زندگی میں ہر روز اور ہر لمحہ کسی نہ کسی صورت میں جاری رہتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جہاد اعداء ایک اتفاقی اور استثنائی عمل ہے۔ اس کا مقصد دفاع ہے اور دفاع اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی کی طرف سے جارحیت کا آغاز کر دیا جائے۔ (ص ۴۳، ۴۴)

مزید لکھتا ہے "جہاد" نفس اور شیطان، سے لڑنے کا ہتھیار ہے، جہاد بااصول زندگی گزارنے کی قیمت ہے، جہاد دارالامتحان میں اپنے امتحان کے پرچہ کو صحیح طور پر پر کرنے کی کوشش ہے، جہاد کسی خارجی نظام (یعنی اسلام) کو نافذ کرنے کا عمل نہیں (بلکہ) جہاد خود اپنے آپ کو خدائی مرضی پر کھڑا کرنے کی محنت ہے۔

جو لوگ جہاد کو جنگ اور قتال کے ہم معنی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کسی آیت یا حدیث میں قتال یا اس کے ہم معنی لفظ مل جائے تو اس کو اپنے حق میں کافی دلیل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ کسی کلام میں قتال یا اس کے ہم معنی کسی لفظ کا آجانا اس بات کا کافی ثبوت نہیں کہ اس سے مراد شمشیری جنگ ہے۔ بعض اوقات کلام میں شدت پیدا کرنے کے لیے قتال کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

ابوداؤد شریف کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا۔ وہ ان پر غالب رہے گا۔ جو ان سے دشمنی کرے گا' یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ مسیح دجال سے جنگ کرے گا۔ بعض لوگ اس حدیث سے جنگ کا مسئلہ نکالتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر زمانہ میں مخالفین سے جنگ کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ان حضرات کے اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ حدیث میں قتال کا لفظ آیا ہے مگر یہاں قتال سے مراد ہتھیاروں کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فکری اور نظریاتی مقابلہ ہے۔ (ص ۴۵' ۴۶)

وحید الدین مزید لکھتا ہے' موجودہ زمانہ میں کچھ لوگوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو جہاد سیاسی کے ہم معنی بنا دیا ہے۔ مثلاً "جہاد فی سبیل اللہ" نامی کتاب میں جہاد کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے: "اسلامی جہاد کا مقصود غیر اسلامی نظام کی حکومت کو مٹا کر اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ اسلام یہ انقلاب صرف ایک ملک یا چند ملکوں میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں برپا کرنا چاہتا ہے" (الخ)

اسلامی جہاد کا یہ تصور سراسر بے بنیاد ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ سارے قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی موجود نہیں جس کے براہ راست مفہوم کے طور پر سیاسی انقلاب کا یہ نظریہ برآمد ہوتا ہو۔ مذکورہ کتاب میں اسی نظریہ کے حق میں جو دلائل دیے گئے ہیں' وہ سب انشاء پردازی کی نوعیت کے ہیں۔ نقل کردہ آیتوں میں ایک آیت ایسی ہے۔ جس میں ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم (سورۂ توبہ' ۴۴) کا لفظ آیا ہے۔ مگر اس آیت میں مذکورہ نظریہ کے حق میں کوئی دلیل نہیں۔ یہاں دشمنان اسلام کی جارحیت کا مقابلہ میں دفاعی جنگ لڑنے کے لیے نکلنے کا ذکر ہے۔ مکمل نظام قائم کرنے کے لیے جہاد کرو' اس قسم کے نام نہاد انقلابی نظریہ کا ذکر نہ اس آیت میں ہے اور نہ قرآن کی کسی دوسری آیت میں۔ اس نظریہ جہاد کا غلط ہونا اسی سے ثابت ہے کہ وہ پورے دین سے ٹکرا جاتا ہے۔ (ص ۴۹)

مزید لکھتا ہے' یہ انقلابی نظریہ ساز اپنے نظریہ کے حق میں قرآن کی جو آیتیں پیش کرتے ہیں' ان کی حیثیت محض بے جا جسارت کی ہے۔ کیونکہ ان آیتوں کا ان کے انقلابی نظریہ سے کوئی

تعلق نہیں۔

دین میں اصل اہمیت تواضع کی ہے مگر جہاد کا مذکورہ نظریہ اس کے برعکس سرکشی کی نفسیات پیدا کر دیتا ہے۔ اس میں دین کا روحانی پہلو غائب ہو جاتا ہے اور سیاسی پہلو غیر متناسب طور پر ابھرتا ہے۔ ان کی نظریں داخلی احتساب سے ہٹ کر خارجی احتساب کی طرف چلی جاتی ہیں۔ ایسا آدمی عین اپنے مزاج کے مطابق اپنی ذات پر لفظی تنقید بھی برداشت نہیں کرے گا اور دوسروں پر گولی اور بم کی بارش کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھے گا' تعمیری میدان میں سرگرم ہونا اس کو غیر اہم نظر آئے گا۔ البتہ تخریب کے پروگرام سے اس کو بہت زیادہ دلچسپی ہوگی۔ اسلام یہ مزاج دیتا ہے کہ اہل ایمان دوسرے بندگان خدا سے محبت کریں۔ وہ ان کی زیادتیوں کے باوجود ان کے لیے دعائیں کریں مگر مذکورہ قسم کے مجاہدین کا حال یہ ہو گا کہ ان کے پاس دوسروں کے لیے صرف نفرت ہوگی۔ وہ دوسروں کو بددعا دینے والے ہوں گے نہ کہ ان کے حق میں دعاء کرنے والے۔ (ص ۵۰'۵۱)

وحید الدین اس نظریے پر بھی تنقید کرتا ہے کہ اسلامی نظام پوری دنیا میں رائج ہونا چاہیے۔ تاکہ دنیا والوں پر حجت قائم ہو کر اتمام حجت ہو جائے اور امت محمدیہ دیگر امتوں پر گواہ بن سکے۔ لکھتا ہے یہ سارا استدلال خود ساختہ مفروضہ پر قائم ہے۔ امت محمدی کو جو شہادت دینا ہے' اس کا قانونی نظام اور سیاسی اقتدار سے کوئی تعلق نہیں' اس شہادت کا تعلق دین کے فکری اور تصوراتی پہلو سے ہے نہ کہ دین کے عملی نظام سے۔ اگر مکمل عملی نظام کے مظاہرہ کو ضروری قرار دیا جائے تو کسی بھی پیغمبر نے کبھی کامل شہادت نہیں دی اور نہ اپنی قوم پر اتمام حجت کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ کسی بھی نبی نے مکمل عملی نظام قائم نہیں کیا حتیٰ کہ پیغمبر اسلام (محمد رسول اللہ ﷺ) کا معاملہ بھی یہی ہے۔ (ص ۵۲)

لکھتا ہے: ظاہر ہے قرآن کوئی تلوار نہیں ہے۔ وہ ایک کتاب ہے جس میں اسلام کی تعلیمات درج ہیں۔ قرآن کے ذریعہ جہاد کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ تبلیغ قرآن کے عمل میں محنت کرو یہ جہاد اللہ کی نظر میں اتنا اہم ہے کہ اس کو جہاد کبیر کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فکری پیغام انسانی کا کام نہ صرف جہاد ہے بلکہ وہ تمام جہادوں سے بڑا ہے۔ وہ جہاد کبیر کا درجہ رکھتا ہے۔ (ص ۵۵)

وحید لکھتا ہے "جنگ کی دو قسمیں ہیں جارحانہ اور مدافعانہ' اسلام میں مخصوص شرائط کے تحت صرف مدافعانہ جنگ کی اجازت ہے۔ جارحانہ جنگ اسلام میں جائز نہیں"۔ ص ۵۶) اس معاملہ میں اسلامی تعلیم کی آخری حد یہ ہے کہ جارحانہ جنگ چھیڑنا تو درکنار' جارحانہ جنگ چھڑنے

کی تمنا سے بھی منع کیا گیا ہے۔ (ص ۵۷) قدیم زمانہ میں تلوار طاقت کا نشان تھی' موجودہ زمانہ میں علم طاقت کا نشان ہے مگر مسلم رہنما اندوہناک حد تک اس فرق سے بے خبر رہے۔ انہوں نے ناقابل فہم نادانی کے تحت سائنس کے دور میں ہر طرف تلوار کا ترانہ گانا شروع کر دیا۔ (ص ۶۲)

امن پسندانہ کوششوں کے باوجود کبھی ایسا ہوا کہ فریق ثانی کی بڑھی ہوئی ضد اور جارحیت کی بناء پر کوئی بھی پر امن تدبیر کارگر نہ ہو سکی اور آخر کار دفاعی طور پر ٹکراؤ کی نوبت آ گئی۔ تاہم دفاعی کارروائی میں بھی آپ ﷺ نے پوری طرح اس کا اہتمام کیا کہ کم سے کم تشدد کے ذریعے مقصد حاصل ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کی ۲۳ سالہ عمر نبوت میں اس قسم کا بعض ٹکراؤ جو پیش آیا' اس کی حیثیت استثناء کی تھی نہ کہ عموم کی اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ استثناء کو ہمیشہ عموم کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ عموم کو استثناء کے تحت۔ (ص ۹۹)

قتل یا شہادت

۴۔ اس عنوان کے تحت شہادت پر رد کرتے ہوئے وحید لکھتا ہے:

ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر جگہ جگہ مسلمانوں کا ٹکراؤ دوسروں کے ساتھ پیش آ رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو تصادم ہوتا ہے' اس میں مسلمان بڑی تعداد میں مارے جاتے ہیں۔ جب کہیں ایسا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو مسلمانوں کے تمام لکھنے اور بولنے والے کہتے ہیں کہ اتنے مسلمان شہید ہو گئے جبکہ قرآن میں اس طرح کے مواقع کے لیے قتل کا لفظ آیا ہے۔ اس معاملہ میں قتل کا لفظ قول سدید (صحیح) ہے اور شہید کا لفظ قول غیر سدید' قتل کا لفظ صرف رپورٹنگ کا لفظ ہے جبکہ شہید کا لفظ انجام کا لفظ ہے اور انجام کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور اول میں اس طرح کے مواقع پر ہمیشہ قتل کا ہم معنی لفظ استعمال ہوتا تھا۔ اس طرح کے معاملات میں ہماری حیثیت صرف رپورٹر کی ہوتی ہے' جج کی نہیں ہوتی۔ اس لیے ہمارے لیے درست بات یہی ہے کہ ہم بیان واقعہ والا لفظ (قتل) استعمال کریں نہ کہ انجام واقعہ والا (یعنی شہید) اس لفظی فرق کا اثر اعمال پر کس طرح پڑتا ہے (تو سنئے کہ) جب آپ کہیں کہ فلاں جگہ ٹکراؤ ہوا اور اس میں اتنے مسلمان شہید ہو گئے تو آپ نے اس واقعہ کو مطلوب اور مقدس حیثیت دے دی۔ اب لوگوں کا ذہن اس پر اس لحاظ سے نہیں سوچ سکتا کہ بجائے خود یہ ٹکراؤ کرنا صحیح تھا یا غلط۔ اس کے بعد مسلمانوں کا حال یہ ہو گا کہ وہ بے فائدہ طور پر مسلسل ٹکراتے رہیں گے اور کبھی ایسا نہیں کریں گے کہ اس پر نظر ثانی کریں اور اپنے رویے کو بدل کر ہلاکت سے بچ جائیں۔

اس طرح کے معاملہ میں "شہادت" کا لفظ بے فائدہ ہلاکت کو جاری رکھنے کا سبب بنتا ہے اور قتل کا لفظ بے فائدہ ہلاکت کو ختم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔(ص ۱۰۲-۱۰۳)

مسٹر ہیملٹن مغربی دانشور کی قیادت کو وحید الدین خان نے اس طرح نقل کیا' اسلام کو اللہ تعالیٰ نے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا مگر موجودہ مسلمانوں کی بے معنی لڑائیوں نے اسلام کو اہل عالم کی نظر میں دین بربادی بنا دیا ہے۔ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ مسلمان گویا دیوانوں کا ایک گروہ ہے جو اپنے احمقانہ عقیدہ کے تحت سمجھتا ہے کہ لڑ کر مرجاؤ تو تم جنت میں جاؤ گے۔ اس لیے اگر اس کو کہیں سے ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم مل جائیں تو وہ ان کو لوگوں پر پھینک دے گا۔ خواہ اس کے نتیجے میں وہ خود بھی برباد ہو اور ساری دنیا میں بربادی پھیلانے کا ذریعہ بنے""انتہی"

مغربی دانشور کا یہ ریمارکس سراسر درست ہے "یہ واقعہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں کچھ نام نہاد مفکرین نے اپنے خود ساختہ نظریات کے تحت بہت سے مسلم نوجوانوں کے اندر یہی مجنونانہ ذہن پیدا کر دیا ہے۔ اسلام دین رحمت ہے مگر انقلابی اسلام کے علمبرداروں نے اس کو دین تخریب بنا دیا ہے۔ کیسے عجب ہیں وہ لوگ جو اسلام کی تخریب میں مصروف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کے لیے جہاد کبیر کا کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔(ص ۲۰۱)

راہ نجات

وحید الدین خان نے اس عنوان کے تحت بہت کچھ لکھا ہے اور زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ مسلمانوں کو صرف افہام و تفہیم اور دعوت و صبر سے اقوام عالم کے اندر کام کرنا چاہیے۔ ان کی شکست اور مسلسل ناکامی کا واحد علاج یہی ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"آج مسلمانوں میں ہر قسم کی سرگرمیاں جاری ہیں مگر دعوت ہی ایک ایسا کام ہے جن کا ان کے ہاں سرے سے وجود ہی نہیں۔ "دین رحمت" کی پیغام رسانی کے لیے داعی کے اندر محبت و شفقت کا جذبہ ہونا لازمی طور پر ضروری ہے۔ کوئی شخص ایسے لوگوں کے اوپر دعوت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا جو اس کی نظر میں مبغوض بنے ہوئے ہوں۔ مسلمانوں نے دوسری قوموں سے نفرت کرکے اپنے اندر داعیانہ صلاحیت کھو دی ہے' موجودہ حالت میں ان کا دعوت کا نام لینا صرف ایک مذاق ہے۔ وہ کسی سنجیدہ ارادہ کا نام نہیں۔ دعوت الی اللہ کی لازمی شرط صبر ہے' مسلمانوں کو داعی بننے کے لیے سب سے پہلے صابر بننا پڑے گا۔

دوسری قوموں (کفار) سے خواہ انہیں کتنی زیادہ خوشگواری کا تجربہ ہو' انہیں کتنا ہی زیادہ نقصان پہنچایا جائے' انہیں کتنا ہی زیادہ اشتعال انگیزی کا تجربہ ہو' ان سب کے باوجود انہیں

دوسری قوموں کا خیر خواہ بنے رہنا ہے' انہیں یک طرفہ طور پر تمام ناخوشگوار باتوں کو صبر کے خانہ میں ڈال دینا ہے۔ یکطرفہ صبر دعوت کے عمل کو انجام دینے کی لازمی شرط ہے' اس یکطرفہ صبر کے بغیر مسلمانوں کے لیے ممکن نہیں۔ دوسری قوموں (کافروں) پر اپنی دعوتی ذمہ داری کو انجام نہ دیں۔ ان کے حالات کبھی بدلنے والے نہیں' کوئی دوسرا عمل خواہ کتنی ہی زیادہ بڑی مقدار میں کیا جائے' وہ ان کے احوال کو بدلنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا' یہ معاملہ سیدنا یونس علیہ السلام کی مثال سے بخوبی طور پر واضح ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام قدیم عراق (نینوا) میں دعوت و توحید کے لیے بھیجے گئے۔ انہوں نے اہل نینوا کو دعوت دی مگر ابھی دعوت کا عمل تکمیل تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ قوم کو چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ روش پسند نہ آئے۔ ان کو مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا۔ قرآن کا بیان ہے کہ اگر وہ اپنی کوتاہی کا اقرار کر کے دوبارہ اپنی مخاطب قوم کی طرف جانے کے لیے تیار نہ ہوتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہتے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ انہوں نے اپنی مدعو اقوام پر دعوت کا عمل سرے سے انجام ہی نہیں دیا بلکہ اپنی نفرت بڑھانے والی سرگرمیوں کے ذریعہ اس کی راہ میں مزید رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ اس غفلت کے نتیجہ میں وہ خدا کی گرفت میں آگئے ہیں۔ وہ آج خدا کی عتاب کی زد میں ہیں۔ تمام زیادتیاں جن کا تجربہ انہیں دوسری (کافر) قوموں کی طرف سے ہو رہا ہے اور جس کو وہ دوسری قوموں سے منسوب کر کے ان کے خلاف یا ٹکراؤ کر رہے ہیں' وہ سب یقینی طور پر خدا کی طرف سے ہیں۔ یہ خدا کی تنبیہ ہے نہ کہ دوسری (کافر) قوموں کا ظلم یا سازش' معاملہ کی اس نوعیت کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ ایک معاملہ جو خدا کی طرف سے ہو' اس کو آپ انسان کی طرف سے سمجھ لیں تو آپ اس سے خلاصی کی تدبیر کو بھی صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے"۔ (کاروان ملت' ص ۲۱۳-۲۱۴)

وحید الدین کی پاکستان سے مخالفت

۶- پاکستان کی مثال لیجئے۔ اہل پاکستان نے دوسری قوم کے ظلم و تعصب سے بچنے کے لیے علیحدگی کی سیاست چلائی۔ مگر علیحدگی کے بعد وہ اور بھی ظلم اور تعصب میں پھنس کر رہ گئے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو پاکستان کے بانی مسٹر محمد علی جناح نے اس کو کٹا پھٹا پاکستان قرار دیا۔ یہ کٹا پھٹا پاکستان بھی ۱۹۷۱ء میں دو ٹکڑے ہو گیا۔ پاکستان کے لیڈروں کا کہنا تھا کہ جوناگڑھ' حیدر آباد اور کشمیر یہ سب پاکستان کی حصے میں مگر ان میں سے کسی ایک کو بھی وہ حاصل نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ باقاعدہ لڑائی کے بعد بھی نہیں۔

یہ صورت حال بے حد غور طلب ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ قائداعظم کی سیاست' مولانا اشرف علی کی دعائیں' مولانا شبیر احمد عثمانی کی رہنمائی' مرد مومن ضیاء الحق کا طویل دور مطلق اقتدار اور اس طرح کی دوسری بہت سی مادی اور معنوی سعادتوں کو حاصل کرنے کے باوجود پاکستان تباہ حال ہے۔ اسلام کا مینار بننا تو در کنار' وہ اسلام کی زیر زمین بنیاد بھی نہ بن سکا۔ اس کا جواب ایک لفظ میں یہ ہے کہ پاکستان خدا کی سنت کے خلاف بنا اور جو چیز خدا کی سنت کی خلاف ورزی کر کے بنائی جائے وہ اس دنیا میں بھی ترقی نہیں کر سکتی' پاکستان کے رہنما پاکستان کے قیام کو ہجرت سے تعبیر کرتے ہیں (اور موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے ہجرت پر استدلال کرتے ہیں) مگر یہ استدلال صرف ایک بے جا جسارت ہے کیونکہ ہجرت دعوت کے بغیر نہیں۔ ہندوستان کی شرعی صورت حال یہ ہے کہ ہندو قوم مسلمانوں کے لیے مدعو قوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہندوؤں کے سلسلہ میں مسلمانوں کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں' ہندو کی طرف سے پیش آنے والی تمام تلخیوں اور زیادتیوں کو یکطرفہ طور پر برداشت کرتے ہوئے دعوتی عمل کو جاری رکھیں۔ ہندوؤں کی طرف سے (اگر) بدخواہی کا معاملہ کیا جائے تب بھی وہ آخری حد تک ہندوؤں کے خیر خواہ بنے رہیں۔ تبلیغی جماعت مسلمانوں کے درمیان اصلاح کا کام کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالفین کی طرف سے خواہ کتنا ہی زیادہ برا سلوک کیا جائے' وہ اپنے طے شدہ اصول کے مطابق یکطرفہ طور پر صبر کے طریقہ پر قائم رہتے ہیں۔ اور زیادتی کرنے والوں کے حق میں صرف دعا کرتے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں' یہی یکطرفہ صبر و اعراض کا طریقہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے سلسلہ میں بھی اختیار کرنا چاہیے۔ موجودہ حالت میں اس کے سوا کوئی بھی دوسری روش مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ موجودہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کو دعوت نہ دی' البتہ ان کے تمام اصاغر و اکابر نصف صدی سے اس قسم کی دعائیں کرنے میں مشغول ہیں کہ اللھم اھلک الکفرہ والمشرکین دعوت سے پہلے مدعو کے خلاف اس قسم کی دعا سراسر سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ ہرگز قبول ہونے والی نہیں۔ خواہ ہمارے تمام اعاظم و اکابر جمع ہو کر اس دعا پر باآواز بلند آمین کہہ رہے ہوں"۔ (۲۱۶' ۲۱۷)

وحید الدین مزید لکھتا ہے:

"اہل پاکستان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے سابقہ مزاج کو ختم کریں جس کے نتیجہ میں انہوں نے ہندوؤں سے بے جا نفرت شروع کر دی اور جو آج تک ان کے عوام اور ان کے قائدین اور علماء میں آخری حد تک موجود ہے۔ وہ قوم کو حریف کی بجائے مدعو کی نظر سے

دیکھیں۔ وہ ہندو قوم سے عداوت کی بجائے محبت کا طریقہ اختیار کریں۔ ہندو قوم کی طرف سے پیش آنے والی زیادتیوں کو یکطرفہ طور پر برداشت کریں۔ ہندو قوم سے اپنے تمام مادی نزاعات کو یکطرفہ طور پر ختم کر دیں' خواہ وہ ان کی نظر میں کتنے ہی زیادہ اہم کیوں نہ ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام دوبارہ اللہ کی رحمت کے مستحق صرف اس وقت ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی مدعو قوم کی طرف فکری اور جذباتی مراجعت کریں۔ اس کے سوا دوسری تدبیر پاکستان کو نجات دینے والی نہیں"۔ (۲۱۹)

پاکستان پچھلی نصف صدی سے مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ وہ خارجی مسئلہ سے بچنے کے لیے بنایا گیا تھا مگر بننے کے بعد وہ شدید تر انداز میں مختلف خارجی اور داخلی مسائل کے اندر گھر گیا۔ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عین وہی واقعہ ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح پاکستان آج "مچھلی کے پیٹ" میں ہے۔ لاینحل مسائل نے اس کو پوری طرح گھیر لیا ہے۔ اب اس کو حضرت یونس کے انداز میں مراجعت کرنا ہے۔ اگر اس نے مراجعت کے اصول پر عمل نہ کیا تو وہ قیامت تک اسی طرح مچھلی کے پیٹ میں پڑا رہے گا' کوئی بھی دوسری تدبیر اس کو اس قید سے خلاصی دینے والی نہیں۔

پاکستان کے لوگ فخر کے طور پر پاکستان کو مملکت خداداد کہتے ہیں۔ یہ محض خوش فہمی ہے۔ پاکستان' پاکستانیوں کی اپنی خواہش کا مظہر ہے نہ کہ خدا کی رضا کا مظہر۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان ان کے حوصلوں کی تکمیل نہ بن سکا۔ پاکستان بننے کے بعد اہل پاکستان مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے' پاکستان کو مسائل کی عفریت نے نگل لیا"۔ (ص ۲۲۰)

"مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کی جس تسبیح کا قرآن میں ذکر ہے' وہ ان کی دعاء تھی۔ سنت الٰہی کے مطابق مطلوب تھا کہ قوم کے انحراف اور ایذارسانی کے باوجود آنجناب اپنی قوم کے درمیان ٹھہریں۔ یہاں تک کہ تکمیل دعوت کا مرحلہ آجائے مگر انہوں نے قبل از وقت اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ مگر اس کے اس عمل نے جب انہیں مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تو اس وقت انہیں احساس ہوا کہ مجھ سے کوتاہی ہو گئی۔

یہی تاریخ اہل پاکستان کو دہرانا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں۔ ہندو قوم کی طرف داعیانہ خیر خواہی کا جذبہ لے کر واپس لوٹیں' یکطرفہ قربانی کے ذریعہ ہندو اور ہندوستان سے اپنے تعلقات کو خوشگوار بنائیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہیں گے۔ وہ کبھی اس قید اور مغلوبیت سے نکل نہیں سکتے"۔ (ص ۲۲۱)

وحید خان ایک ہفت روزہ رسالہ کا ایڈیٹر بھی ہے۔ اس کا نام بھی "الرسالہ" رکھا ہے۔

اس میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہتا ہے اور جو کچھ لکھنا چاہتا ہے' لکھتا رہتا ہے۔ چنانچہ فروری' مارچ ۱۹۹۷ء کے شماروں میں لکھتا ہے' پاکستان بنوانے کے لیے پورے طور پر اس ملک (ہندوستان) کے مسلمان ذمہ دار ہیں' جنھوں نے حصہ لیا وہ تو ذمہ دار ہیں ہی' جو خاموش رہے' وہ بھی بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ مجھے مسلمانوں سے یہ زبردست شکایت ہے کہ انھوں نے اس وقت اس کی مخالفت کی تھی نہ آج کر رہے ہیں۔ اس (آزادی کے) موضوع پر مسلم مصنفین کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کو لغو سمجھتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پاکستان بنوانے کی صد فیصد ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ ان کو ۱۹۴۷ء میں پہلا کام یہ کرنا چاہیے تھا کہ اپنے اوپر ذمہ داری لیتے' آج بھی ان کو یہ کام کرنا چاہیے کہ وہ اپنی غلطی کو تسلیم کرلیں۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ ہندوؤں کی شکایت ختم ہو جائے گی۔ اپنی غلطی مان کر شکایت فی الفور ختم ہو جاتی ہے اگر مسلمان کھلے دل سے کہہ دیں کہ ہم انگریز کے بہکاوے میں آگئے تھے اور پاکستان غلط بنا۔ وہ ہماری غلطی تھی اور اسے ماضی کے خانے میں ڈال کر آپ اور ہم ایک ہو کر رہتے ہیں تو آپ یقین کیجئے کہ اچانک پورا ماحول بدل جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ جناح صاحب نہایت ہی بے وقوف آدمی تھے۔ ان کو عقل نہیں تھی اور تاریخ کی کوئی ایسی تمیز نہیں تھی۔ مجھے بتائیے کہ "ٹو نیشن" تھیوری کا نعرہ کس نے دیا؟ (بحوالہ وحید الدین خان علماء دانشوروں کی نظر میں' ص ۴۶)

متاع دین لٹ گئی اللہ والوں کی

انسان کا عقیدہ جب بگڑ جاتا ہے تو اس کی زبان کی لغزشیں مسلسل بڑھتی رہتی ہیں۔ اگر وہ صاحب قلم ہو تو اس کا قلم اور قلم کی کاٹ حدود شریعت بلکہ حدود شرافت سے بھی باہر ہو جاتی ہے۔ قلم کے ڈگمگانے کے بعد اس کے افعال اور اس کی سکنات و حرکات میں حیران کن حد تک ایسی تبدیلی آجاتی ہے کہ اس کے مداحین اور گرویدہ لوگ بھی اس پر نفرتیں بھیجنے لگ جاتے ہیں۔

یہی کچھ وحید الدین کے ساتھ ہوا۔ اس نے پہلے قرآن و حدیث کو اپنی خواہش کے مطابق اور سب نااہل اور ناسمجھ کہہ کر ناقابل اعتماد کہنا شروع کیا۔ پھر اس نے غیر مسلموں کی تعریفیں اور وحدت ادیان کی تحریک شروع کی۔ جہاں چاہا تو اللہ اللہ کہا اور جہاں چاہا تو رام رام کہنے لگا۔ جہاں چاہا تو نماز پڑھی اور جہاں چاہا تو ہندوؤں کے دیوتاؤں اور بتوں کے سامنے آداب بجالایا۔ بس اس کا مصداق بن گیا کہ کوئی پوچھے کہ ما مذھبک جناب آپ کا مذہب کیا ہے؟ تو جواب میں کہتا ہے فی ای بلد کس شہر اور کس ملک میں پوچھتے ہو۔ کیونکہ میں ہر جگہ میں الگ الگ روپ اختیار کرتا ہوں۔ اسی منظر کو پاکستان کے ایک ہفت روزہ "زندگی" لاہور' مورخہ ۲۸

فروری تا ٦ مارچ ١٩٩٩ء نے پیش کیا ہے۔ تصویر ساتھ ہے اور ایک صحافی اپنا انٹرویو اور وحید صاحب کے ساتھ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہا ہے۔ انٹرویو ایک ممتاز مسلمان صحافی نے کیا ہے جن کا نام رضوان احمد ہے۔ جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور صوبہ بہار ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔ انٹرویو کے عنوان میں وہ لکھتے ہیں "متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی"

مولانا وحید الدین خان نے قشقہ لگوایا (یعنی پیشانی پر ہندوؤں کی طرح سرخ رنگ کا ٹھپہ لگوایا اور "سرسوتی" مورتی (بت) کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہے' پھر رضوان احمد صاحب فرماتے ہیں' مجھے بولنے دو۔

انٹرویو کے اقتباسات

ہفت روزہ زندگی نے ان کا جو انٹرویو شائع کیا ہے' اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ اقتدار پسندی اور جاہ طلبی میں انسان کہاں تک جاسکتا ہے اور کس قدر ذلت میں گر سکتا ہے' اس کی ایک مثال مولانا وحید الدین خان بھی ہیں جن کی متنازعہ حرکتوں پر گزشتہ کچھ برسوں میں اردو اخبارات کافی لعن طعن کرتے رہے ہیں۔ لیکن وہ ہندومت کی فسطائی طاقتوں کی آنکھ کا تارا بننا چاہتے ہیں۔ اس کے راستے میں تو یہ تحریریں خاصی معاون ہی ثابت ہوئی ہوں گی۔ ابھی تک تو وہ ہر معاملے میں ہندوستانی مسلمانوں پر لعن طعن کرنے کے لیے مشہور تھے مگر اب ایک قدم آگے بڑھ کر انہوں نے "سرسوتی وندنا کر لی" (بت کی عبادت کی) دیوی کے قدموں میں "سیس نوانے" (سر جھکانے) اور "اشوک سنگھل" (بنیاد پرست ہندو) جیسے اسلام دشمن سے قشقہ لگوانے جیسی حرکتیں بھی شروع کر دی ہیں۔ حال ہی میں آر ایس ایس کے ترجمان "پانچ جنیہ" نے ان کی کچھ تصویریں شائع کی ہیں جن میں وہ اشوک سنگھل سے قشقہ لگواتے ہوئے اور سرسوتی کی مورتی کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ یہ تصاویر اردو اخبارات نے بھی شائع کی ہیں۔ حالانکہ اس میں حیرت کی کوئی بات اس لیے نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے علمبرداروں کی تمام فسطائی حرکتوں کی ہمیشہ ہی حمایت کی ہے اور مسلمانوں پر لعن طعن کرتے رہے لیکن وہ اس حد تک چلے جائیں گے' اس کا تصور شاید کسی نے بھی نہیں کیا۔

جب بابری مسجد کی شہادت ہوئی اور اس کے بعد مولانا نے ایک فارمولہ پیش کیا کہ مسلمان ایودھیا کو بھول جائیں تو مجھے ایسا لگا کہ ان کے پس پردہ کوئی اور بول رہا ہے۔ ہندی اخبارات نے ان کے بیانات شائع کیے اور اس کے بعد ہندوستانی آندولن کے ایک لیڈر مدھو مہتا نے انہیں تعزیے کی طرح ملک میں گھمانا شروع کر دیا۔ مدھو مہتہ وغیرہ یہ مہاشے مولانا وحید الدین خان کو

لے کر پورے ملک میں گھوم رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں وہ پٹنہ بہار بھی تشریف لائے۔ بجرنگ دل' "وشوا ہندو پرشد" اور بھارتیہ جنتا پارٹی نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور کئی جلسے کروائے۔ میں کسی جلسے میں شریک نہیں ہوا البتہ مولانا کی پریس کانفرنس میں ضرور گیا تھا جو ایک عالیشان ہوٹل میں ہوئی تھی۔ ان کے ایک جانب جنرل ایس کے منہا (موجوہ گورنر آسام) اور دوسری جانب مدھو مہتا بیٹھے ہوئے تھے۔ ہندی انگریزی اخبار نویس مولانا سے ادھر ادھر کے سوالات پوچھتے رہے کیونکہ وہ ان کے جغرافیہ سے واقف ہی نہیں تھے۔ اس دوران میں نے ایک چبھتا ہوا سوال پوچھا کہ مولانا فرمایئے کہ کیا بابری مسجد جس بربریت سے شہید کی گئی ہے' اس پر آر ایس ایس کے لوگ ایک عبا و قبا' جبہ و دستار اور ریش دراز مولانا سے تصدیق کی مہر لگوانا چاہتے ہیں؟ تو مولانا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مجھے ایک بات اور بھی شدت سے آج یاد آرہی ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد جب لال کرشن ایڈوانی پٹنہ بہار وارد ہوئے تو ان کا استقبال رام دوت کی حیثیت سے کیا گیا تھا۔ انہوں نے گاندھی میدان کے عظیم الشان جلسے میں جو تقریر کی' اس میں بار بار اس بات پر زور دیا کہ وہ سرے سے مسجد تھی ہی نہیں اور حوالہ مولانا وحید الدین خان کا دیتے رہے کہ یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں' مولانا وحید الدین خان نے اپنے مضمون میں لکھا ہے جو آج ہی ہندوستان ٹائمز کے ضمیمے میں شائع ہوا ہے۔ میں نے بھی وہ مضمون پڑھا تھا۔ بہت ہی مدلل مضمون تھا لیکن مسجد جیسے موضوع پر لکھے ہوئے اس مضمون کو پڑھ کر کراہت کا احساس ہوتا تھا۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور' ۲۸ فروری ۱۸۸۸ء)

محترم قارئین! یہ ہے وہ شخص جو اسلام اور مسلمانوں کے قائد اور ہیرو کی شکل میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اور جو اسلام کا ٹھیکیدار اور مسلمانوں کا تھانیدار بنا ہوا ہے' جو اپنے آپ کو بہت ہی بڑا مخلص' دانا' ہمدرد' ذی رائے' ہوشیار' تجربہ کار اور صاحب قلم مضمون نگار اور اسلام اور مسلمانوں کا غمگسار سمجھتا ہے۔

لیکن اس کے قلم کی ساری کاٹ اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت پر ہے۔ اس کے سارے ظلم کا نشانہ صرف اسلام اور مسلمان ہیں۔ میں نے اس شخص کی عبارات کو نقل کرتے وقت اتنی تکلیف اٹھائی جیسا کہ کوئی شخص مردار بلی کی آنتوں کے ڈھیر کو ہاتھوں میں پکڑ کر کھینچ رہا ہو۔ یہ بحث اتنی طویل ہو گئی کہ جس نے میرے دماغ کو چکرا کر رکھ دیا۔ مگر میں کیا کروں اگر نقل نہ کرتا اور اس شخص کے متعلق کچھ لکھتا تو لوگ کہتے کہ اس نے خواہ مخواہ ایک دانشور کو نشانہ بنایا ہے۔

دو سال قبل اس شخص کا ایک طویل مضمون تدریس القرآن رسالہ میں شائع ہوا تھا جس

میں اس نے جہاد کے متعلق ایک غلیظ گفتگو کی تھی اور آخر میں لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں اڑھائی دن جہاد ہوا اور وہ بھی سخت مجبوری کے تحت ہوا۔ اس وقت بھی بعض احباب نے کہا تھا کہ میں اس پر کچھ لکھوں مگر میں نے مزید معلومات حاصل کرنے تک کچھ نہیں لکھا۔ اب جو کچھ میں نے نقل کیا ہے' یہ اس کی ایک کتاب میں درج غلاظت ہے۔ جو اس کے علاوہ ہے' وہ علیحدہ ہے۔ اس ظالم نے سلف و خلف سب پر قلم چلایا ہے اور ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے اپنے قرآن پر ظلم کیا' اپنے ایمان کا خون کیا' اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو ناراض کیا اور صحابہ کرامؓ کی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ ظالم اسلام کو بطور قانون نافذ کرنے کو ناجائز کہتا ہے۔ اقدامی جہاد کا بالکل منکر ہے اور جو دفاعی ہے وہ بھی نظریاتی اور فکری ہے۔ مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے اور ہندوؤں اور یہود و نصاریٰ کے لیے شاندار الفاظ استعمال کرتا ہے۔ زندگی کا حق صرف غیر مسلموں کو دیتا ہے اور مسلمانوں کو ظلم سہنے کا درس دیتا ہے۔ پاکستان کا ازلی دشمن ہے اور پاکستان بنانے والوں کو اللہ تعالیٰ کا مجرم قرار دیتا ہے اور نجات کے لیے ہندوؤں سے معافی کو شرط قرار دیتا ہے۔

تعجب ہے یہ شخص اب بھی زندہ ہے اور ۱۹۹۹ء کی دہائی میں مسلمانوں پر لعن طعن کر رہا ہے۔ تعجب اس پر ہے کہ پاکستان کا اتنا بڑا دشمن ہے اور اس کی کتابیں پاکستان میں آزادانہ طور پر چھپ رہی ہیں اور بک رہی ہیں۔ مجھے مکتبہ اشرفیہ کے ناشرین پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کی کتاب "کاروان ملت" کیوں شائع کی ہے جس میں پاکستان اور بانیان پاکستان اور کل علماء دیوبند پر لعن طعن سے بھی زیادہ چیزیں موجود ہیں۔ مجھے ان ماہنامہ' ہفتہ وار' یا پندرہ روزہ رسائل و جرائد پر بھی افسوس ہے جو اس شخص کے مضامین کبھی کبھی شائع کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تعجب و افسوس اس پر کہ اس کا ماہنامہ "الرسالہ" بھی پاکستان میں آزادی سے چل رہا ہے۔ جرات و شجاعت کے حوالے سے وحید الدین کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک پست ہمت شخص ہے' شکست خوردہ ذہنیت کا مالک ہے' مسلمانوں کا دشمن اور کافروں اور ہندوؤں کا دوست اور خیر خواہ ہے۔

زوال پذیر ہونے کی پہچان

اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ کسی جماعت یا ملت کے زوال پذیر ہونے کی پہلی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ کردہ یا ناکردہ گناہ کا مجرم اپنے آپ کو ٹھہراتی ہے۔ "قہر درویش بر جان درویش" کے اصول کو اپناتی ہے' عزت نفس اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ وہ سر اٹھا کے چلنے کے لائق نہیں رہتی۔ اپنے آپ کو ذلیل کرنے اور حقیر سمجھنے میں وہ لذت محسوس کرنے لگتی ہے۔ خود سے بیزار اور غیروں سے مرعوب ہونا اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔ کھلی ہوا میں سانس لینا اس کے لیے دشوار ہو جاتا ہے۔ ڈر اور عدم سلامتی کا احساس اس کی صلاحیتوں کو سلب کر لیتا ہے' خود بیزاری اور خود الزامی اس کی رگ و ریشہ میں پیوست ہو جاتی ہے اور وہ منہ بسور کر ہر ایک کے سامنے معذرت پیش کرتی ہے جس سے اس کی شخصیت فنا ہو جاتی ہے' اس کی فکری اور ارتقائی نشوونما رک جاتی ہے' اب وہ بجائے اپنی شناخت و ثقافت کے دوسروں کی شناخت و ثقافت میں لذت و عافیت محسوس کرتی ہے۔ ایسی ہی جماعتیں صحراء عرب کی طرح صحراء عجم میں بھی پیدا ہو گئیں' جن کا شیوہ یہ رہ گیا ہے کہ جہاد نہیں ہے' ٹکراؤ نہیں ہے' اقدام نہیں ہے۔ چنانچہ جزیرہ عرب کے دانشوروں اور پھر صحراء عجم کے فلاسفروں کی یہ ساری عبارات میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ یہاں کچھ اور بزرگ بھی ہیں جو انہی سے ملتے جلتے الفاظ زبانوں پر لاتے ہیں۔ میں ان سے بھی عاجزانہ درخواست کروں گا کہ مرزا غلام قادیانی' سرسید احمد خان' غیر مقلدین بٹالوی گروپ اور وحید الدین خان کے افکار و نظریات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ کیونکہ یہ لوگ دین اسلام کے خیر خواہ نہیں تھے۔ بلکہ نفاق سے بھرے ہوئے گھریلو دشمن تھے۔ کہیں ان کی طرح باتیں کرنے سے وہ انہیں میں شمار نہ ہو جائیں۔ بیدار مغز شعراء نے واقعی سچ کہا ہے۔

دل کے پھپھولے جل گئے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اندرون او دو طاغوت کہن
روح قومے کشتہ از بہر دو تن
جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن
اگرچہ اہل وفا ہیں خلوص کے بھوکے
مگر خلوص نہیں شرط دوستی کے لیے

یہ نکتہ ہم کو سکھایا ہے عہد حاضر نے
منافقت بھی ضروری ہے آدمی کے لیے

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ

منافقین کی عبارات نقل کرتے کرتے میرے دماغ میں ایک قسم کی آگ لگ گئی ہے۔ اس آگ کو بجھانے کے لیے میں محترم قارئین اور اپنی تسکین کی خاطر امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی چند انقلابی عبارتیں نقل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اقدامی اور دفاعی جہاد کی بحث کی طرف آجاؤں گا۔ چنانچہ سورۃ محمد کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں:

"انقلابی لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کو رجعت پسندوں سے پاک کریں۔ وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ رجعت پسند ان پر حملہ کریں۔ تب ہی ان کے حملہ آور ہونے کا جواب دیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر رجعت پسندوں پر حملہ کر کے ان کی حملہ آور ہونے کی طاقت چھین لینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً سورۃ فتح میں جس میں کل قومی جنگوں کی طرف اشارہ ہے، صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ کیا وہ جنگ مدافعانہ تھی؟ تاریخ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تحریک ارتقائی نہیں انقلابی تحریک ہے۔ جن لوگوں نے اسلامی جنگوں کو مدافعانہ قسم ہی میں بند کر دیا ہے۔ انہوں نے اجتماعی تحریکوں کے اس فرق کو ذہن میں نہیں رکھا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر کل قومی انقلابی تحریک ہے جس میں مدافعانہ جنگیں بھی ہوتی ہیں اور جارحانہ جنگیں بھی"۔ (قرآنی جنگ انقلاب، ص ۲۰)

مولانا مزید فرماتے ہیں "قرآن فقط ایک صالح فکر کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اس میں وہ مدافعانہ اور جارحانہ حملوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ ہمیں اس قسم کی جنگوں کے لیے چاہے وہ مدافعانہ ہوں یا جارحانہ، کسی عذر خواہ کی ضرورت نہیں"۔

(قرآنی جنگ انقلاب، ص ۲۱)

صرف باطل قوتوں کا توڑنا مقصود ہے

"یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔ قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کی فکر کو نہیں مانتے، بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت پیدا کر کے لوگوں کو انسانیت کے

راستے پر چلنے سے نہ روکیں۔ جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے (یہ کافر) کسی کو مجبور نہ کر سکیں۔ اسلامی انقلاب کے اس دور میں جب یہ فکر غالب حیثیت سے دنیا میں حکمران تھی اس کے نیچے وہ لوگ بھی رہتے تھے جنہوں نے اس فکر کو قبول نہیں کیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس انسانیت کی خدمت کرنے والی فکر سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس حالت میں انہیں اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ (ذمیوں کی حیثیت سے) رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ بلکہ قرآنی جماعت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا"۔

(قرآنی جنگ انقلاب، ص ۲۲)

علامہ لکھتے ہیں:

"یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام اپنے سب مخالفوں سے لڑتا ہے، یہ صحیح نہیں۔ اس میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ اسلام کو انقلابی تحریک نہیں سمجھا گیا۔ واقعی اگر اسلامی تحریک، ارتقائی تحریک ہوتی تو اسے لڑنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جیسے اوپر دکھایا جا چکا ہے کہ وہ ایک انقلابی تحریک ہے اس لیے وہ رجعت پسندوں کو اگر وہ عملاً مخالفت کریں، اپنے حلقہ اثر میں نہ کبھی زندہ رہنے دے سکتی ہے اور نہ اپنے اصول چھوڑ کر ان سے مصالحت کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر رجعت پسندوں کو طاقتور رہنے دیا جائے تو ملک میں نراج (فساد) پیدا ہو جائے گا۔ البتہ مخالفین میں سے جو لوگ قرآنی تحریک کے خلاف عملی اقدام چھوڑ کر اس نظام کے اندر رہنا چاہیں، انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے"۔

(قرآنی جنگ انقلاب، ص ۲۳)

علامہ سندھی اسلام اور جنگ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"تاریخ اسلام کے کسی بھی زمانے میں جب اسلامی حکومت کسی نہ کسی شکل میں موجود ہو تو کسی قانون کے کسی ماہر یا قرآن حکیم کے کسی تفسیر کرنے والے نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا کہ جہاد اور قتال اسلامی تعلیمات کا جز نہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جب سے مصر وغیرہ پر یورپی طاقت کا غلبہ ہوا، یہ نیا فلسفہ گھڑ لیا گیا کہ اسلام میں جنگ نہیں ہے، قتال نہیں ہے۔ جہاد سے مراد قلمی اور زبانی تبلیغ کی ہے اور بس"۔

(قرآنی جنگ انقلاب، ص ۲۴)

یورپ کا فریب

"حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے مشرق کی عام کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو یہ پروپیگنڈا کیا

کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ یعنی اس میں خود عقلی اور روحانی قوت نہیں ہے۔ اس کی جواب دہی کے لیے چند عقل مند تیار ہو گئے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اسلام ایک عقلی اور عملی مذہب ہے۔ (یعنی اخلاق سے پھیلا ہے تلوار کا یہاں نام نہیں) مگر یورپ کے فکری حملے سے وہ بھی پورے طور نہ بچ سکے اور ان سے بھی یہ کہلوایا گیا کہ اسلام میں فقط مدافعانہ جنگ کی اجازت ہے۔ حالانکہ خود یورپ اس وقت جارحانہ جنگ تو ایک طرف وہ انتقامی جنگ میں مصروف تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے مدافعانہ جنگ کی عذر خواہانہ دستاویز تیار کرا کرا کے اسے خوب شہرت دی"۔ (قرآنی جنگ انقلاب، ص ۲۴)

رجعت پسندوں کا فریب

"اس دور میں جو رجعت پسند جنگ کو اسلام میں سے نکال نہ سکے، تو انہوں نے اسلام کی انقلابی روح کو فنا کرنے کے لیے ایک اور چال اختیار کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ قتال امیر کے بغیر ہو نہیں سکتا اور اس کی وہ شرطیں بیان کر کے خاموش ہو گئے جن کے پورا ہوئے بغیر قتال نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ جہاد اور قتال کے لیے ایک نظام کی ضرورت ہے جو بدقسمتی سے ہم اس وقت قائم نہیں کر سکے لیکن انہوں نے اس سے آگے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ قتال کی شرطیں پوری نہ ہو سکیں تو کیا کیا جائے؟

اگر ان کی آرام طلبی اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی تکلیف اٹھاتی تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جہاد فرض کفایہ ہے (اور) اس کا جہاں یہ مطلب ہے کہ بہت سارے جہاد کرنے والے موجود ہوں تو بعض لوگ جو کسی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکیں، ان کا عذر جان لیا جا سکتا ہے۔ وہاں اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر کوئی بھی (مسلمان) اس میں حصہ نہ لے تو سب کے سب مسلمان مجرم ہیں۔ اگر وہ اس طرح سوچتے تو وہ ضرور اس بات کی کوشش کرتے کہ ایسا نظام پیدا کیا جائے جس میں جہاد ہو سکے"۔ (ص ۲۴)

رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو

حضرت علامہ عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں:

"مخالفین کی اتنی سرکوبی کرو کہ ان کے دلوں میں سے انقلابی جماعت کے خلاف کھڑے

ہونے کا ارادہ نکل جائے۔ جب وہ لڑنے سے رک جائیں تو انہیں گرفتار کرلو اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو کہ وہ اپنی تحریک کو زندہ نہ کر سکیں۔ ان کی اشاعت' اجتماع اور تنظیم کو روکنے کے لیے بندشیں لگا دی جائیں۔ یہ بندشیں اور سختیاں اس وقت تک جاری رہنی چاہئیں جب تک ان کے حوصلے پست نہ ہو جائیں اور انقلاب کے مقابلے میں کوئی رجعت پسندانہ حرکت نہ کر سکیں اور لڑنے کا خیال قطعاً ان کے ذہنوں سے نکل جائے"۔

(قرآنی جنگ انقلاب' ص ۴۴)

قرآنی انقلاب کی کامیابی

حضرت علامہ سندھی سورہ محمد کی آیتوں کی تفسیر میں مزید لکھتے ہیں:

"قرآنی انقلاب کے مخالفین گزشتہ اقوام کی تاریخ اور آثار کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس تحریک کی بنیاد عوام کی بھلائی اور اللہ کے ساتھ تعلق پر ہو' وہ ہمیشہ کامیاب ہوتی رہی ہے اور اس کے مخالفین ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ عرب میں حضرت صالح علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی مخالفت کرنے والی قوموں کے آثار موجود ہیں۔ جب ان قوموں نے صالح علیہ السلام کی انقلابی جماعت کا مقابلہ کیا اور ناکام رہے تو حضرت محمد ﷺ جس انقلاب کی دعوت دے رہے ہیں' اس کے مقابلے میں یہ ارتجاعی کس طرح ٹھہر سکتے ہیں؟ یہ یقیناً ناکام رہیں گے اور برباد کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں قرآنی انقلاب پوری طرح کامیاب ہوا اور پھر بہت ہی بڑے کل قومی پیمانے پر تمام دنیا پر غالب آیا"۔

(قرآنی جنگ انقلاب' ص ۴۶)

علامہ مزید لکھتے ہیں:

"جو قوم دنیا میں قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرتی ہے' وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کی خدمت کرنے والی' اونچے درجے کی حکومت پیدا کر کے عزت حاصل کر لیتی ہے (اور) وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنے نفوس کے اندر اس تعلیم و تربیت سے ایسی عادتوں کے نتیجے لے جاتی ہے جو اس کے لیے بہشت کی زندگی پیدا کر دیں گی۔ ان باتوں کو نہ سمجھنا اور دنیاوی لذتوں میں پھنس کر آخرت کی زندگی تباہ کر لینا نری حیوانیت ہے"۔ (ص ۴۸)

"ہمارے نزدیک قرآن حکیم کی بین الاقوامی انقلاب کی آمد کی خبر دینے والی پہلی سورت نحل ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ یعنی اللہ کا امر آ گیا ہے جلدی مت کرو۔ اس میں بھی امر اللہ سے عالمگیر انقلاب مراد ہے جس کا ذکر سورت فتح کی آیت

هوالذی ارسل رسولہ' بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ میں ہے۔ اب جب مومنین اسی انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں اور انہوں نے وہ شرطیں پوری کرلی ہیں جو اس انقلاب کے لیے ضروری ہیں (تو) ان کی کامیابی کی گھڑی جو انقلاب کی سالمیت ہے' اچانک ہی آجائے گی۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں کو اس کی خبر بھی نہ تھی اور انقلابی فوجیں یکایک مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر اس پر قابض ہوگئیں"۔ (ص ۶۰)

اس انقلاب کی غرض

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مزید لکھتے ہیں:

"یہ انقلاب اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ کسی خاص شخص یا خاندان کی' چاہے وہ خاندان بنوہاشم ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ یہ انقلاب بادشاہوں اور عام سیاسی لوگوں کے تجویز کیے ہوئے انقلابوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان انقلابوں میں وہ لوگ اپنی اپنی غرض حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور یہ انقلاب عوام پر ہونے والے ظلموں کو دور کرنا چاہتا ہے' جو لوگ اس قرآنی انقلاب میں حصہ لے رہے ہیں ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں کر گزریں' وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ البتہ ان سے جو غلطیاں ہوئی ہیں' وہ انہیں معاف کردی جائیں گی اور ان کی نیکیوں کا اجر اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے دے گا"۔ (ص ۶۱)

منافقین کی غلط ذہنیت

"مسلمانوں کی جماعت میں (جو ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کی داعی ہے) شامل ہونا اور اللہ تعالیٰ کے کمزور بندوں کی خدمت کر کے خدا کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا بہت بڑی رحمت ہے لیکن جو منافقین جنگ سے جی چراتے ہیں وہ اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ جنگ سر پر آگئی ہے تو وہ اس جماعت سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ بے وقوف اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ انقلاب انسانی معاشرے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے۔ اس سے استحصالی قوتیں چھٹ جاتی ہیں اور ترقی کن طاقتیں برسر اقتدار آجاتی ہیں۔ یہ ہے قرآن حکیم کی حکمت۔ یہ ناسمجھ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ وہ نہ مسلمانوں کی طرف سے سمجھانے کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ کر سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتویٰ اور حکم دینا ہے۔ لڑنے والی جماعت اور ہونی چاہیے۔ لیکن یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایک شخص تھا جسے قرآن حکیم سب سے زیادہ یاد تھا۔ جب وہ لڑائی پر جانے لگا تو اس سے کسی نے کہا کہ آپ جنگ پر نہ جائیں اور وہیں رہ کر تعلیم دیں۔ اس نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم جاننے والوں میں سب سے برا میں ہوں۔ کیونکہ ایسے موقع پر پیچھے رہنے کی خواہش بزدل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم اپنے لیے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا کہ جنگ کو فرض جان کر بھی جنگ میں شریک نہ ہو یا جنت کی تیاری نہ کرے اور وعظ کہتا پھرے۔

(قرآنی جنگ انقلاب' ص ٦٧)

جہاد پھر کیسے زندہ ہوا؟

ان تمام حربوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے ذہنوں سے لفظ جہاد اور اسکا مفہوم کافی حد تک غائب ہو گیا۔ پڑھانے والے نے پڑھایا' پڑھنے والے نے پڑھا۔ مگر بے شعوری سے جہاد کے ساتھ وابستگی تقریباً ختم ہو گئی اور اس پر مٹی کے انبار لگ گئے۔ کتاب الحیض اور کتاب النفاس کی حیثیت کتاب الجہاد اور کتاب المغازی سے زیادہ حساس اور نمایاں ہو گئی تھی۔ پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جہاد چھوڑنے سے مسلمان مجموعی طور پر غلام بن گیا۔ ان کا قانون ناقابل استعمال قرار دیا گیا اور ہر جگہ مسلم امت پر مصائب ٹوٹنے شروع ہو گئے۔ حالانکہ کل دنیا میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہیں۔ یعنی ایک ارب کے قریب اور دوسرے نمبر پر عیسائی جو کہ پوری دنیا میں ۵۳ کروڑ ہیں۔ مسلمانوں کی ۴۵ حکومتیں ہیں اور جہاد (افغانستان) کی برکت سے چھ اور بننے والی ہیں۔ یعنی (روس) کے اندر۔ دنیا کی ۴۲ فیصد زمین پر صرف مسلمان قابض ہیں اور یہ تناسب بڑھنے والا ہے اور یہ حکومتیں جنگی نقشہ کے اعتبار سے ایسے مرکزی مقام پر واقع ہیں کہ ایک دن میں پوری دنیا کو بری' بحری اور فضائی راستوں سے جام کر سکتی ہے۔

دنیا کے ۷۵ فیصد تیل پر صرف مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ یہ ساری قوت صرف اس لیے بیکار ہو گئی کہ مسلمانوں نے اپنے دین سے وابستگی اور پھر جہاد کو چھوڑ دیا۔ آج بھی اگر اس پوری قوت کا رخ کفار کی طرف ہو جائے تو مسلمان امن و عزت کی زندگی سے مالا مال ہو جائیں گے اور آپس کے جھگڑے یکسر ختم ہو جائیں گے۔ اس یاس اور ناامیدی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے افغانستان کی سرزمین میں ایک ہنگامہ کھڑا کیا۔ کیمونسٹ انقلاب آیا اور اس کی مدد کے لیے اور مزید آگے بڑھنے

کے لیے اور دنیا پر قبضہ جمانے کے لیے بد قسمت روس اپنی آب و تاب کے ساتھ لاؤ لشکر لے کر افغانستان میں داخل ہوا۔ افغانستان میں اس نے لرزہ خیز مظالم ڈھائے۔ شعائر اللہ اور آثار اسلام کو چن چن کر بے دردی سے ختم کیا۔ مساجد کی بے حرمتی کی' قرآن کریم کی توہین و تحقیر کر کے اس کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ مدارس اور علماء کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر اتر آیا۔

الغرض اس نے توہین و تحقیر کی انتہا کر دی۔ ادھر مسلمانوں کی غیرت ایمان جاگ اٹھی اور جہاد کا فریضہ زندہ ہونے لگا۔ ہزاروں پردوں کے پیچھے سے اور انباروں مٹی کے نیچے سے اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے شمشیر اسلام اور معا نصرت خداوندی دوڑ کر پہنچی۔ ہولناک معرکے ہوئے۔ کفر کے ٹینکوں سے ایمان کی کلماڑیوں نے ٹکرانا شروع کر دیا۔ ایمان سے بھرے ہوئے سینوں نے توپ کے گولوں کا "فراخدلی" سے استقبال کیا۔ عقابی روحوں نے فضاؤں میں بموں کو خوش آمدید کہا۔ زمین لرز گئی مگر خوش بھی ہوئی کہ صدیوں کے بعد صحراؤں میں اللہ اکبر کے نعرے گونج اٹھے۔ شہر اور گاؤں اجڑ تو گئے مگر تعمیر نو کے لیے۔

لاکھوں کفار کے شر سے خلق خدا اور زمین نے آرام کا سانس لیا۔ جہاد کا حکم ظاہر ہو گیا اور اس کی رونق بحال ہو گئی۔ چھوٹا بڑا بغیر لغوی تحقیق کے جہاد کو پہچاننے لگا کہ ہاں جہاد وہی ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے دنیا کی وحشی اور درندہ صفت قوموں کو بھی قابو کیا جا سکتا ہے اور سپر پاور کو صفر پاور میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

اب مسئلہ جہاد واضح ہو گیا' ابواب الجہاد کی نئی الگ کتابی شکل میں تصنیف ہونے لگی' فقہ کے اصول و قواعد کی روشنی میں احکام و مسائل ڈھونڈے جانے لگے اور قرآنی آیتوں میں فرضیت جہاد کے لیے سینکڑوں آیتیں چمکنے لگیں۔ علماء اور طلباء نے تلوار کو ہاتھ میں لے کر الجنہ تحت ظلال السیوف کا نعرہ مستانہ لگایا اور مسلم نوجوان کی اسلام کے ساتھ شعوری وابستگی کا دور شروع ہو گیا۔ اور سبیلنا سبیلنا الجہاد الجہاد کی فلک شگاف صدائیں بلند ہوئیں۔ والحمد للہ

جہاد کی تعریف

بنیادی طور پر یہ بات جان لینا چاہیے کہ کسی حکم کی شرعی حیثیت اور اس کا شرعی مقام' اس کی شرعی تعریف سے معلوم ہو سکتا ہے۔ لغوی مفہوم پر شرعی احکام کا مدار نہیں ہوتا ہے۔ دیکھیے صلوٰۃ کا لغوی مفہوم صرف دعا ہے۔ لیکن اس کا مدار شرعی مفہوم پر ہے۔ صرف دعا کو نماز نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا لغوی مفہوم بڑھنے اور تزکیہ کا ہے۔ لیکن اس کا ایک شرعی

اصطلاحی مفہوم اور تعریف ہے۔ احکام کا مدار اس شرعی مفہوم پر ہے۔ اسی طرح لفظ صوم بمعنی روزہ ہے۔ اس کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ ایک گھڑی تک کھانے پینے کو ترک کرنا۔ اس مفہوم میں انسانوں کے علاوہ حیوانات کا پانی دانہ ترک کرنا بھی صوم اور روزہ میں داخل ہے۔ لیکن اس کا ایک شرعی اصطلاحی مفہوم ہے جس پر احکامات کا مدار ہے اور شرعاً اسی کا اعتبار ہے۔

اسی طرح "حج" کا لغوی مفہوم قصد کا ہے۔ اب ایک آدمی شہر یا گھر جانے کا قصد کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں حج کر رہا ہوں کیونکہ حج بمعنی قصد ہے اور میں نے قصد کر لیا ہے لیکن حج کا ایک شرعی مفہوم ہے۔ شریعت مقدسہ میں اسی کا اعتبار ہے اور لغوی مفہوم لینا شرعاً بیکار ہے۔ اور اس طرح تاویلات کرنے والا غدار ہے۔ (جس طرح وحید الدین خاں ہے)

بالکل اسی طرح لفظ "جہاد" ہے۔ اس مظلوم لفظ کا لغوی مفہوم تو محنت ہے لیکن اس کا ایک شرعی مفہوم ہے اور اس کی ایک اصطلاحی تعریف ہے۔ اب اس شرعی مفہوم کو چھوڑ کر اس کے لغوی مفہوم کو عام کرنا اور اس کی آڑ لے کر شرعی جہاد سے پہلوتہی کرنا اور اس میں سستی کرنا اور طرح طرح کی تاویلات میں عوام الناس کو الجھائے رکھنا' جہاد پر ظلم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی بدخواہی اور غیر مسلموں کی خیر خواہی کے مترادف ہوگا جس سے ہر مسلمان کو احتراز کرنا لازم ہے۔ اب میں چند تعریفات آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

سب سے اول حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک کی تعریف پیش کرتا ہوں:

۱- صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے افضل ہجرت کون سی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بہترین ہجرت "جہاد" کی ہجرت ہے۔ صحابی نے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم بوقت مقابلہ کفار سے لڑو اور اس راستے میں نہ خیانت کرو اور نہ بزدلی دکھاؤ۔ (کنز العمال' ج ۱' ص ۷۶)

۲- پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! جہاد کیا چیز ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم مقابلہ کے وقت کفار سے لڑو' کہا گیا کہ افضل ترین جہاد کون سا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا کٹ مرے اور پھر خود اس کا خون گرے۔ (کنز العمال' ج ۱' ص ۲۷)

۳- مسند احمد کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہوتا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کافروں سے لڑنے کا نام جہاد ہے۔ (رواہ احمد' بحوالہ ڈاکٹر عزام شہید)

۴- جہاد کسرۂ جیم کے ساتھ لغت میں بمعنی محنت و مشقت ہے اور اصطلاح شرع میں کفار سے

لڑنے میں اپنی پوری طاقت کو استعمال کرنے کا نام جہاد ہے۔ (فتح الباری' ج ٦' ص ٤)

٥۔ دین کے دشمنوں کو مغلوب کرنے اور کفار سے لڑنے کا نام جہاد ہے۔ (شرح شرعہ الاسلام' ص ٥١٧)

٦۔ دشمنان اسلام سے لڑنے کا نام جہاد (قاموس مادہ۔ج۔ھ۔د)

محترم بھائیو' دوستو اور بزرگو! یہ شرعی جہاد ہے۔ اس میں ہر تعریف میں کافروں سے لڑنے کا لفظ موجود ہے۔ لہٰذا جو شارع نے سمجھایا اور پھر سلف نے سمجھ کر تعریف کی ہے اور کتابوں میں موجود ہے اسی پر اعتماد رکھو اور کسی کے زور خطابت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

جہاد کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک اقدامی ہے جس کے لیے چند شرائط فقہاء کرام نے بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(١) سرپرست کی اجازت ہو (٢) (بعض کے ہاں) طاقت کا توازن ہو (٣) امیر عام ہو (٤) دعوت الی الاسلام ہو' یاد رہے جہاد جس دعوت پر موقوف ہے' اس کے تین جملے ہیں:

((i) اسلام قبول کرو (ii) جزیہ دو (iii) نہیں تو قتال کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ دعوت بھی ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو کسی طور پر اسلام سے واقف نہ ہوں اور نہ اسلام کا نام سنا ہو لیکن جن لوگوں کو ایک بار دعوت پہنچی ہے یا انہوں نے کسی نشریاتی ذریعہ سے اسلام کا نام سنا ہے ان کو دوبارہ میدان جہاد میں دعوت دینا صرف مستحب ہے۔ آج کل دعوت و تبلیغ کے نام سے جو ایک عمل چل رہا ہے' اس کا دائرہ کار صرف مسلمانوں میں ہے اور اصلاح اور رہنمائی اور ترغیب تک محدود ہے۔ یہ وعظ و نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ یہ جہاد والی دعوت نہیں ہے۔

...... اور نہ جہاد والی دعوت کے ساتھ اس کی کوئی مشابہت ہے۔ یہ تو امت اجابت میں ترغیب و تذکیر و ارشاد ہے۔ امت دعوت کے ساتھ اس کا کیا سروکار ہے۔ اگر یہ جہاد والی دعوت ہے تو مسلمانوں کو پہلے کلمہ کی دعوت دو۔ اگر وہ نہ مانے تو پھر جزیہ ادا کرنے کا اعلان کرو اگر نہ جانے تو مسلمانوں سے لڑنے کا اعلان کرو۔

بہر حال جہاد کی یہ قسم اقدامی ہے۔ جو فرض کفایہ کے درجے میں ہے یعنی دنیا بھر میں کہیں نہ کہیں ضرور ہونا چاہیے۔ ورنہ ساری امت گناہ گار ہو جائے گی۔ گویا یہ ایک قومی فریضہ ہے جو پوری امت کے ذمہ ہے۔

جہاد کی دوسری قسم دفاعی ہے کہ کفار نے کسی اسلامی خطہ پر حملہ کیا ہو اور مسلمان دفاع میں لڑ رہے ہوں۔ اگر وہ ناکافی ہوں تو رفتہ رفتہ پوری دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔

اس قسم کے جہاد کی لیے کوئی شرط نہیں بس ہر کلمہ گو پر نفیر عام کی بعد نکلنا فرض ہو جاتا ہے۔ وہ مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام۔ نفیر عام کی دو صورتیں ہیں:

(ا) وقت کا بادشاہ یا خلیفہ اعلان عام کریں جس طرح آج کل روس کے مقابلے میں سلطنت ثیشان' چیچنیا کے بادشاہ نے عام جہاد کا اعلان کیا اور روس کی جارح ظالم فوجوں کے مقابلہ پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ آج کل دنیا میں جہاں بھی جہاد کا عمل چل رہا ہے اسی دفاعی قسم کا جہاد ہے۔

بعض حضرات شبہہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر فرض عین کہو گے تو ساری امت گناہگار ہو جائے گی۔ یعنی جو شرکت نہ کرے یا یہ کہ پورا نظام معطل ہو جائے گا اگر سارے جہاد پر جائیں گے' اس کا جواب فتح القدیر نے اس طرح دیا ہے کہ اس فریضہ کی مثال فریضہ حج کی طرح ہے کہ مالداروں پر فرض عین ہے۔ لیکن ایک سال ایک جماعت گئی۔ جب وہ واپس آگئی تو دوسری جماعت چلی جائے گی۔ اسی طرح جہاد کا عمل بھی جاری رہ سکتا ہے اور نظام بھی معطل نہ ہو گا۔ باقی یہ سوال کہ ساری امت گناہگار ہو گی نہ جانے کی وجہ سے' تو میں کہتا ہوں کہ گناہ نہ کریں بلکہ کسی نہ کسی طور پر جہاد میں حصہ لیا کریں۔ گناہ سے بچنے کے لیے حکم کو منسوخ کرنا یا موقوف کرنا کون سا قانون ہے؟

ایک ضروری بات یہ بھی سمجھ لیں کہ جہاد کی تعریف میں بعض علماء نے جہاد کی بعض انواع کا ذکر بھی کیا ہے۔ یعنی جہاد کی ایک نوع جہاد بالمال ہے' دوسری نوع جہاد باللسان ہے' تیسری نوع جہاد بالنفس ہے۔ تو عرض یہ ہے کہ جہاد باللسان وہ ہے جس سے میدان جہاد کا فائدہ ہو یعنی جہاد کی ترغیب ہو' تقریر ہو' فضائل جہاد کا تذکرہ ہو' جہاد کے متعلق جوشیلے اشعار ہوں اور جاندار نظمیں ہوں اور کفار کو دھمکی ہو۔ للکار ہو' یہ جہاد باللسان ہے نہ یہ کہ دو گھنٹہ تقریر و بیان تو کھانے پینے اور پہننے کے آداب پر کیا اور پھر کہا کہ میں نے جہاد باللسان کیا۔ یہ نیک کام تو ہو سکتا ہے لیکن جہاد باللسان نہیں۔

اسی طرح جہاد بالمال یہ ہے کہ آپ کے مال سے میدان جہاد اور مجاہدین کو فائدہ پہنچے نہ یہ کہ آپ نے کسی فقیر کو پیسہ زکوٰۃ ادا کیا اور پھر کہا کہ میں نے جہاد بالمال کیا۔ یہ نیک کام تو ہے لیکن جہاد بالمال نہیں ہے۔ اسی طرح باقی اشیاء کو قیاس کر لو کہ جہاد بالبدن اور جہاد بالنفس یہ کہ اس بدن کو میدان جہاد میں لگاؤ اور اس مقدس عمل میں اسے کھپاؤ۔ جہاد بالنفس کہ نفس واسطہ اور ذریعہ اور آلہ بن جائے۔ اسی میدان جہاد کے لیے نہ یہ کہ میدان جنگ تو خواب میں بھی نہ دیکھا ہو اور کہتا پھرتا ہو کہ میں مجاہد ہوں' میں جہاد کر رہا ہوں۔ اگر ہر نیک عمل کرنے والے کو آپ

مجاہد شرعی کہیں گے تو پھر یقیناً فضل اللہ المجاہدین علی القاعدین اجرا عظیما کا مفہوم سمجھنا محال ہو جائے گا۔ کہ مجاہد کا درجہ بیٹھنے والے کے مقابلے میں بڑا ہے کیونکہ بیٹھنے والے بھی صحابہ کرام تھے جن کے اعمال سو فیصد صحیح تھے۔ تہجد گزار تھے' روزہ دار تھے۔ ہر عبادت میں مشغول تھے۔ ان کو اس حالت میں مجاہدین کیوں نہیں کہا بلکہ مجاہدین سے اس وقت ان کو خارج کیوں کیا؟

اور صرف ان کو مجاہد کیوں قرار دیا جو کفار کے مقابلے میں نکلے تھے۔ معلوم ہوا میدان جہاد میں جانے والا مجاہد ہوتا ہے' ہر عابد مجاہد نہیں۔

میرے بھائی اور میرے دوست! جہاد شرعی کرنے والے کو مجاہد کہو اور جہاد لغوی یعنی کسی نیک محنت میں جہاد جیسا ثواب مل جاتا ہے تو یہی غنیمت ہے کہ جہاد کے ثواب کی طرح ثواب ان کو حاصل ہو گیا' نہ یہ کہ وہ خود بخود مجاہد بن گیا کہ جہاز کے قریب بھی نہ گیا اور پائلٹ بن گیا آج کل تو اس مقدس لفظ کو کھیل تماشا بنایا جا رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ مچھر کے خلاف جہاد' مہنگائی کے خلاف جہاد' ناخواندگی کے خلاف جہاد' مہنگائی کے خلاف جہاد' وغیرہ وغیرہ اور کبھی یہ کہنے کی جرات نہیں ہوئی کہ امریکہ کے خلاف جہاد' روس کے خلاف جہاد' ہندوستان کے خلاف جہاد اور ہر سرکش طاغوت کافر مشرک کے خلاف جہاد۔

اسلام اور اقدامی جہاد

اب اصل مسئلہ کی طرف آجائیں جو جہاد اقدامی سے متعلق ہے اور جس کے لیے میں نے قلم اٹھایا تھا۔

۱۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے' وہ اپنے ہر ماننے والے کی زندگی کے ہر شعبے کی کفالت کرتا ہے اور بنی نوع انسان کو راہ راست پر لانے اور سنبھالنے کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ آسمان سے اس لیے اترا کہ صرف اس کا قانون بلند و بالا ہو اور اللہ تعالیٰ کا نظام قانون ارفع و اعلیٰ ہو۔ وہ تمام انسانوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہ دفاع کے لیے نہیں اترا ہے بلکہ اظہار و غلبہ اور سطوت و اقدام کے لیے اترا ہے۔ لیظھرہ علی الدین کلہ کہ تمام ادیان پر یہ غالب و حاوی ہو جائے۔ یہ اس کا پہلا اعلان ہے۔

اس سطوت و غلبہ پر اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ بے جا ہے۔ اس عظمت و رفعت پر اگر کوئی جل کر مرتا ہے تو اعلان ہے کہ قل موتوا بغیظکم کہ اس غصہ سے مرجاؤ۔ اس عزت و مکرمت پر اگر کسی کو ناخوشی و ناگواری ہو تو اس کو سو بار ناگواری ہو۔ اسلام کہتا ہے ولو کرہ

الکافرون' ولو کرہ المشرکون یعنی اگرچہ کافروں اور مشرکوں کو ناگوار گزرتا ہو اسلام غالب ہو کر رہا ہے۔ اگر اسلام کی یہی حیثیت ہے اور یقیناً یہی ہے تو پھر ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہیے کہ عرش عظیم سے جب سے اسلام آیا ہے اور جب سے لوح محفوظ سے اسلام کے احکام آئے ہیں' اس وقت سے کفار پر اقدام کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ کیا جب قرآن اتر رہا تھا اور جبرئیل امین اسے لا کر نبی اکرم ﷺ کو دے رہے تھے اور نبی کریم کفار کو سنا رہے تھے اور ان کے کفریہ عقائد کو باطل ٹھہرا کر ان کو للکار رہے تھے' تو یہ اقدام نہیں تو کیا تھا؟ چھیڑنے والا کون تھا؟ ان کو گمراہ کہنے والا کون تھا؟ ان سے باطل چھڑانے اور حق کی طرف بلانے والا کون تھا؟ چلو مان لیا کہ اسلحہ اٹھانے کا حکم ساتھ ساتھ نہ تھا لیکن ان کے رگ مرض پر حق کے نشتر سے نشتر زنی کرنے والا کون تھا؟ ان کے معبودوں کو باطل اور ان کی پوجا کرنے والوں کو مشرک کہنے والا کون تھا؟ اگر یہ سب اسلام کی تعلیمات تھیں اور نبی آخر زمان کے فرامین تھے اور آپ کے مبارک طریقے تھے تو یہ بتاؤ کہ اس کے علاوہ اقدام کس چیز کا نام ہے؟

اس بحث کی ابتداء میں جو چند آیات میں نے درج کی ہیں' اور اس پر تفسیر عثمانی کے مختلف حوالے نقل کیے ہیں' کیا وہ سب اقدام نہیں؟ اور کیا سورت توبہ کی آیت ۲۹ کے یہ الفاظ نہیں حتی یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون یعنی ان کفار سے اس وقت تک لڑو کہ یہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں۔ یہ دفاع ہے یا اقدام ہے؟ دسیوں آیات میں حکم ہے کہ کفار سے لڑو تاکہ پورے عالم پر اسلام غالب ہو جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں الفاظ کی تنگی تھی کہ دفاع کے الفاظ مل نہیں رہے تھے۔ صرف ایسے الفاظ آگئے کہ جس میں اقدام ہی اقدام تھا؟

۲- قرآن کریم نے بار بار اموال غنائم اور اس کی تقسیم کا تذکرہ کیا ہے؟ کیا دفاع میں غنائم اور اس کی تقسیم کا تذکرہ کیا ہے؟ کیا دفاع میں غنائم ہاتھ آتے ہیں؟ اور اگر کافروں سے بھاگتے وقت کچھ بچا کھچا رہ جائے تو کیا وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس میں خمس اور بیت المال کا الگ حصہ ہو اور مجاہدین کا الگ حصہ ہو۔ فیء الگ ہو' لامحالہ یہاں اقدام ہے' پھر غنائم ہیں' پھر فتوحات ہیں اور پھر قیدی ہیں اور قیدیوں کے مسائل ہیں۔

۳- اگر اسلام میں صرف دفاع ہے تو پھر قرآن و حدیث میں فتوحات کے تذکرے کیوں ہیں؟ فتوحات کی بشارات کیوں ہیں؟ فتح بیت المقدس کا نام کیوں آتا ہے؟ فتح مصر اور فاتح مصر کی تاریخ کیوں ہے؟ فاتح عراق اور فتح عراق کا کیا جواز ہے؟ اور فتح مکہ سے قرآنی اوراق مزین کیوں ہیں؟ فتح قسطنطنیہ کا ذکر کیوں ہے؟ کیونکہ جب اقدام نہیں تو کسی جگہ کے فتح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا اور کسی کافر کی گرفتاری پھر غلام اور لونڈی بنانے کا باب ہی ختم ہو جائے گا۔

۴۔ جنگ خندق سے جب نبی کریم ﷺ فارغ ہو گئے؟ تو بخاری شریف کی حدیث کے مطابق آپ نے فرمایا:

"اب ہم جا کر اقدامی طور پر ان سے لڑیں گے وہ اب ہم پر چڑھائی اور اقدام نہیں کریں گے" (بخاری و مشکوۃ' ص ۵۳۲)

ایک حدیث میں نبی کریم نے فرمایا:

"مجھے کافروں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے جب تک کہ وہ سب کلمہ توحید کی گواہی دینے والے نہ بنیں"۔ (بخاری و مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کسی جہادی مہم پر فوج روانہ فرماتے تو ان کے امیر کو نیکی اور تقویٰ کی وصیت کر کے پھر فرماتے:

"اللہ کا نام لے کر جاؤ اور لڑو اللہ کی رضا کے لیے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے ان سے جا کر خوب لڑو"

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے خطوط ہیں جس میں آپ نے دور دور کے کفار کو دعوت دی ہے اور نہ ماننے پر دھمکی دی ہے۔ عام خطوط میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

"میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں ایمان لے آؤ بچ جاؤ گے ورنہ تمہارا بچنا مشکل ہے"۔ (بخاری و مسلم)

یہ خطوط شام' مصر اور فارس کے مختلف تاجداروں کو لکھے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ دھمکی بھی ہے تو کیا یہ اقدام نہیں ہے؟ پھر انہیں خطوط کی بنیاد پر صحابہ کرام نے پہلے شام اور پھر مصر و فارس کو چھین لیا۔

۵۔ جزیرۂ عرب جب فتح ہوا اور نبی کریم ؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو صدیق اکبرؓ نے ایک خطبہ دیا اور پھر ایک خط مرتب کر کے مختلف اطراف میں بھجوا دیا جس میں لوگوں کو جمع ہونے اور پھر جہاد کی ترغیب تھی۔ خط کے چند الفاظ یہ ہیں:

"اے لوگو! میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں تمہیں جہاد کی غرض سے سرزمین شام کی طرف روانہ کر دوں تاکہ تم سرزمین شام ان سرکش' کمینوں سے چھین کر لے لو"

یہ اقدام ہے یا دفاع ہے؟ یہ شام کے چھیننے کی باتیں ہیں یا مدینہ منورہ کے دفاع کی باتیں ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور قرآن' اقدام کا ہی حکم دیتا ہے۔ ہاں مجبوری ہو تو وہ الگ بات

ہے۔

۶۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ جب کفار تجاوز نہیں کرتے تو تم کیوں پہل کرتے ہو؟ تو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمیں جہاں دوسری عبادات پر عمل کرنے کا حکم ملا ہے' وہیں جہاد کرنے کا حکم بھی ملا۔ تو چاہے کافر لڑے یا نہ لڑے' ہمیں لڑنے کا حکم ہے۔ نبی کریم نے اپنے متعلق فرمایا: "میں ہنس مکھ خوب لڑنے والا ہوں" دوسری بات یہ ہے کہ یہ غلط ہے کہ کفار تجاوز نہیں کرتے ہیں۔ اصل دردسر تو یہی امریکہ ہے جس نے تمام مسلم سربراہان حکومت کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے مسلمانوں اور خصوصاً جہاد کا جذبہ رکھنے والوں کو تنگ کر رہا ہے۔ سچ فرمایا شاہ جی رحمہ اللہ نے کہ اگر سمندر کی تہہ میں دو مچھلیاں لڑ رہی ہوں تو میں کہوں گا کہ اس میں بھی انگریز کا ہاتھ ہے" کیا اسپین و ہسپانیہ' اندلس و غرناطہ اور الحمرا جیسے تاریخی مقامات اور اسلام کے قلعے ہم سے ان کفار نے نہیں چھینے؟ کیا فلسطین پر تجاوز ان کی طرف سے نہیں تھا؟ کیا کوسوو اور بوسنیائی مسلمانوں کو ان کفار نے نشانہ نہیں بنایا؟ کیا ہندوستان ہمارے مسلمانوں کا نہیں تھا؟ چین کس کا تھا اور اب کس کے پاس ہے؟ کیا روس نے تجاوز کر کے مسلمانوں کے علاقوں کو ختم نہیں کیا؟ مسلمانوں نے کیا جواب دیا؟ حقیقت یہ ہے کہ جو قومیں اقدام کی طاقت نہیں رکھتیں وہ دفاع سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔ اسلام میں جہاد کے احکام ترتیب وار اترتے ہیں اور آخری حکم یہی آیا کہ کفار کے خلاف لڑنا اور اقدام کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی نے علامہ سرخسی احمد رحمہ اللہ کا کلام اس طرح پیش کیا ہے:

پس جان لو کہ جہاد کا حکم ترتیب وار نازل ہوا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو ابتداء میں تبلیغ کا حکم تھا اور ساتھ ساتھ مشرکین سے درگزر اور اعراض کا حکم تھا۔ جیسا کہ فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین میں ہے۔ پھر آپ کو احسن طریقہ پر مجادلہ و مناظرہ کی اجازت مل گئی جیسے ادع الی سبیل ربک بالحکمہ والموعظہ الحسنہ وجادلھم بالتی ھی احسن اس کے بعد آپ کو کفار سے لڑنے کی اجازت مل گئی جیسے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر یعنی اجازت دی گئی ان لوگوں کو (ہتھیار اٹھانے کی) جن سے کافر لڑتے ہیں اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ پھر مسلمانوں کو دفاع کرنے اور دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت مل گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے فان قاتلوکم فاقتلوھم یعنی اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو پھر مسلمانوں کو اشہر الحرام' ذیقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب کے علاوہ مہینوں میں لڑنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فاذا انسلخ الاشھر الحرم

فاقتلوا المشرکین یعنی جب یہ چار مقدس مہینے گزر جائیں تو پھر مشرکین سے جنگ کرو۔

پھر اس کے بعد مسلمانوں کو کسی پابندی کے بغیر مطلقاً لڑنے کا حکم ہوا جیسے وقاتلو فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالٰی کے راستے میں اب لڑو اب قیامت تک جہاد کا حکم اسی پر برقرار رہے گا۔ (شامی، جلد ۳، ص ۲۳۹)

۷۔ اگر ہم مسلمان اپنے اسلاف کی تاریخ کو انصاف کے ساتھ دیکھ لیں تو ہمیں بالکل واضح طور پر یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اسلام نے ان حضرات کو اقدام کا حکم دیا تھا جس کے نتیجے میں ان نفوس قدسیہ نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کی طرف اقدام کر کے اللہ تعالٰی کے دین کو سربلند کیا اور چہار اطراف میں اس کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اسلام کی ابتدائی دو جنگوں یعنی جنگ احد اور جنگ خندق کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے سارے غزوات کیا اقدامی نہ تھے؟ جنگ بدر میں کیا آپ نے قریش کے قافلے کا تعاقب نہیں کیا تھا؟ خیبر پر کیا آپؐ نے چڑھائی نہیں کی تھی؟ بنو مصطلق پر آپؐ نے بالکل بے خبری کی حالت میں چڑھائی نہیں کی تھی؟ جزیرۂ عرب میں آپ کی دس سالہ ساری جنگیں کیا کفار پر اقدام نہیں تھا؟ مکہ مکرمہ پر دس ہزار لشکر جرار کے ساتھ کیا آپؐ نے حملہ نہیں کیا تھا؟ فتح مکہ کے بعد کیا آپؐ نے حنین اور طائف والوں پر چڑھائی نہیں کی تھی، پھر آخری مہم میں آپؐ غزوۂ تبوک میں ایک عظیم لشکر لے کر روما سلطنت سے ٹکر لینے کے لیے نہیں گئے تھے؟ یہ سارا اقدام نہیں تو اور کیا ہے؟

اقدام کے منکرین کہتے ہیں کہ چونکہ کافروں کے دلوں میں پوشیدہ ارادے تھے اور ان کے یہ منصوبے تھے کہ مسلمانوں پر حملے کریں گے تو نبی اکرم ﷺ نے پہل کر کے دفاع کیا۔ میں کہتا ہوں دلوں کے ارادوں کا مقابلہ دفاع نہیں کہلاتا، حق و باطل کا معرکہ تو پہلے دن سے قائم تھا۔ دفاع اس کو کہیں گے کہ کفار نے مرکز اسلام پر حملہ کیا ہو یا کم از کم اپنے علاقوں سے نکل کر مرکز اسلام کی طرف آگے بڑھے ہوں اور پھر مسلمانوں نے دفاع کیا ہو تب دفاع بنے گا، گھروں میں بیٹھے بیٹھے دلوں میں عداوت رکھنے سے دفاع نہیں ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کے بعد صدیق اکبر نے شام کی طرف افواج اسلامیہ روانہ فرما دیں۔ کیا یہ اقدام نہیں تھا؟ شام کو فتح کرتے ہوئے صحابہ کرام مصر کی طرف چل پڑے۔ کیا یہ اقدام نہیں تھا؟ مصر کو فتح کر کے دیار بکر کی طرف افواج اسلام پلٹ کر حملہ آور ہوئیں یہ دفاع تھا یا اقدام؟ کیا مصر کو فتح کر کے سعید بن جبیر پھر عراق کو فتح کرتے ہوئے صحابہ کرام نے دجلہ عبور کر کے مدائن

میں ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے' کیا یہ دفاعی جنگ تھی؟ یا اقدام تھا؟ پھر وہاں سے جلولہ اور خراسان کی طرف پلٹ کر صحابہ کرام نے افغانستان تک کافروں کا تعاقب کیا' یہ اقدام نہیں تھا تو اور کیا تھا؟ پھر محمود غزنوی نے ہندوستان پر مسلسل حملے کیے۔ یہ دفاع یا اقدام تھا؟ الغرض تاریخ پر اور سلف صالحین کے کارناموں پر ظلم کر کے اسے مسخ کرنا مناسب نہیں ہے۔ ایک شخص اگر جہاد خود نہیں کر سکتا ہے وہ نہ کرے مگر وہ ظلم نہ کرے کہ جہاد ہی کا انکار کر بیٹھے۔ جو لوگ اقدام کا انکار کرتے ہیں' وہ حقیقت میں ایک غلامانہ دہشت کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان بے چاروں نے ہمیشہ اسی کو دیکھا کہ جب کافر ہم پر حملہ کریں گے تو پھر کیا تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔ انہوں نے یہ زحمت کی ہی نہیں کہ اگر مسلمان اقدام کر کے کافروں پر حملہ آور ہو جائے تو کافروں کو کیا کرنا چاہیے۔ اب تو صورت حال یہ ہے کہ کافر یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ مسلمان اپنے سوا دوسروں کو کافر کہنا بند کر دیں۔ کیونکہ اسی کافر کافر کہنے سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو کیا اقدام کے منکر دانشور اب غیر مسلموں کو کافر کہنے سے دستبردار ہو جائیں گے؟۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

شاعر مشرق علامہ اقبال نے سچ فرمایا۔

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہل چین چین میں 'ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر تیرے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟
تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی صحراؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے

اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سر بکف پھرتے تھے کیا دھر میں دولت کے لیے؟
قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟
تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درہ خیبر کس نے؟
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے؟
کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایران کو؟
کس کی شمشیر جہاں گیر جاں وار ہوئی؟
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے

وحید الدین خاں، گاندھی کا نیا جنم

منیر احمد خلیلی

اب کوئی کہے کہ وحید الدین کے خلاف کچھ لکھنے کی کون ہمت کر سکتا ہے؟ وہ بہت بڑے عالم ہی نہیں بلکہ عالموں کے کان کترنے والے بزرگ ہیں۔ وہ اپنا تعارف دور حاضر کے سب سے بڑے ناقد کے طور پر کراتے اور ماضی و حال کے نامور اصحاب علم و فکر کی اچھلی ہوئی پگڑیوں پر اپنی تنقیدی اچھل کود سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کے مرکز کا فیض رسیدہ اور ان کا عقیدت کیش ایک نوجوان یہاں عرب دیس میں آیا اور عربوں کے علمی حلقوں میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں ہندوستان کے سب سے بڑے ناقد کا نائب ہوں۔ چند ماہ قبل واپس جا کر اس نے خاں صاحب کو اپنے اس انداز تعارف سے آگاہ کیا۔ انہوں نے بھی ابھی حال ہی میں "الرسالہ" کے ایک شمارے میں اس کا فخریہ ذکر کیا ہے۔

وحید الدین خاں نے "تعبیر کی غلطی" لکھ کر مولانا مودودیؒ پر تنقید سے بزرگوں کی پگڑیاں اچھالنے کا باسعادت کام شروع کیا تھا۔ اس وقت تک شاہ ولی اللہ اور اقبالؒ سمیت بڑی بڑی نامور ہستیاں ان کی تنقید کے گرزوں سے ڈھیر ہو چکی ہیں۔ ان کے اس بلند حوصلے کی اصل داد ان کو ہندو دانشوروں، متعصب ہندو پریس اور بھارت سرکار سے بھی مختلف صورتوں میں ملتی رہتی ہے۔ اقبالؒ کے خلاف انہوں نے ابھی تین چار سال پہلے حیدر آباد دکن سے شائع ہونے والے اردو روزنامہ "سیاست" میں جو لکھا، ہم نے بھی پڑھا۔ سچی بات ہے کہ دلیل سے زیادہ ان کی جرات متاثر کن لگی ہے کہ بے دلیل بھی انہوں نے اقبالؒ کا حشر کر کے رکھ دیا۔

خاں صاحب کے فکر کی گاڑی کسی حادثے کے تحت مطالعہ کی پٹڑی پر سے گزرتے

گزرتے سیرت النبی ﷺ کے واقعہ صلح حدیبیہ پر پھنس گئی۔ انہوں نے اسے آخری اسٹیشن سمجھ کر انجن اتار دیا اور ڈبے کھول دیئے۔ یہاں سے نہ وہ ادھر جاتے ہیں نہ ادھر۔ ان کی تعبیرات کا یہی وہ جنکشن ہے جہاں سے گاڑی نکلتی کہیں کے لئے نہیں ہے لیکن سب آکر ٹھہرتی یہیں ہیں۔ یہی ان کا مسلک بن گیا ہے اور اسی سے ان کا مطلب پورا ہو رہا ہے۔ یہیں سے ان کے افکار کی کونپلیں پھوٹتی' گل کھلاتی اور پھر اسی مٹی میں مل جاتی ہیں۔ ہم نے جتنا غور کیا' خاں صاحب کے اس فلسفے سے یہی سمجھ میں آیا کہ گاندھی جی کے فلسفہ عدم تشدد کو ہندو دھرم کی تعلیمات اور ہندوؤں کی تاریخ سے کوئی غذا فراہم نہیں ہو رہی تھی' وحیدالدین خاں اسلامی تاریخ کے ایک واقعہ سے اپنی انوکھی تعبیرات کا سامان لے کر پہنچ گئے۔ بھارت میں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں' مسلمان مارے جاتے ہیں۔ ان کے کاروبار تباہ ہوتے اور گھر جلتے ہیں' ان کی عزتیں پامال ہوتی ہیں' خاں صاحب ان المناک واقعات کو اپنے فلسفے کی کسوٹی پر رکھتے اور فوراً فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں کہ سارا قصور مسلمانوں کا اپنا ہے۔ ہندو قتل کرتے ہیں تو یہ جواب میں آہ کیوں کرتے ہیں؟ یہ آہ و فریاد ایسا جرم ہے کہ اس کی سزا میں مسلمانوں کے ساتھ گویا مزید ایسا ہی سلوک ہونا چاہئے۔ ہم نے شاذ ہی کبھی سنا پڑھا ہے کہ خاں صاحب نے مسلمانوں کو بے قصور قرار دیا ہو۔ وہ یہ درس دیتے ہیں کہ ایک گال پر تھپڑ پڑے تو دوسرا گال ہی آگے نہ رکھو بلکہ سر بھی جھکا دو کہ دو جوتے بھی برس جائیں۔ اپنے دفاع کی تدبیر کرنا' حفاظت کا انتظام کرنا' بچاؤ کی کوشش کرنا' عزت و ناموس اور جان و مال کے تحفظ میں غیرت و جرات کو کام میں لانا ان کے خیال میں غیر اسلامی حرکت ہے۔ "صلح نامہ حدیبیہ" کی روح کے منافی ہے۔

ہم نے صلح نامہ حدیبیہ پر بار بار غور کیا' یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ اس میں کوئی شق ایسی نظر آجائے جس سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہو کہ مسلمان تاقیامت اس امر کے پابند ہیں کہ مار کھاتے رہیں' اف نہ کریں' ظلم سہتے رہیں اور جواب میں تلوار نہ اٹھائیں۔ ان کی غیرت و حمیت کو للکارا جائے اور وہ بھیگی بلی بنے بیٹھے رہیں۔ اپنی کم فہمی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود ہمیں کوئی نکتہ ایسا نہیں ملا ہے۔ سیرت النبی ﷺ پر ہمیں ایسی کوئی کتاب نظر نہیں آئی جس میں یہ لکھا ہو کہ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی نہیں کی اور سازشی اور شرپسند یہودیوں کے اس سب سے بڑے گڑھ کو ختم نہ کیا ہو۔ ہمیں تاریخ کی صحیح اور مستند ترین کتابوں میں اس واقعہ کے غلط ہونے کی کوئی شہادت نہیں ملی کہ حضور پاک ﷺ کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ کے ساتھ جب قریش مکہ نے بنو بکر کے ساتھ مل کر ظلم و زیادتی کا مظاہرہ کیا تو حضور نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مکہ والوں کو سزا دینے کے لئے مکہ پر فوج کشی کی اور اسے فتح کر لیا۔ پھر اس کے بعد بنو ہوازن کے غرور کا قلعہ مسمار کرنے کے لئے حنین کی لڑائی لڑی۔ ہمیں اس حقیقت کو جھٹلانے کے لئے بھی تاریخ سے کوئی دلیل نہیں ملی کہ رومیوں کی طرف سے اسلامی ریاست پر یلغار کے ارادے کی خبریں آئیں تو رسول اکرم ﷺ بڑے نامساعد حالات میں ایک لشکر لے کر شامی سرحدوں پر تبوک کے مقام پر دشمن سے مقابلے کے لئے پہنچے۔ قرآن و سنت اور تعامل صحابہؓ سے ہم ایک بھی نظیر ایسی نہیں ڈھونڈ سکے ہیں کہ جہاد و قتال کے فریضے کو معطل کر دیا گیا ہو اور دشمنان اسلام کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے دفاعی اور اقدامی انتظامات ترک ہو گئے ہیں۔

وحید الدین خاں ہمارے مرشد ہیں' اسی نسبت سے محترم جاوید غامدی گھومتے پھرتے سلسلوں سے ہمارے پیر بھائی ہیں۔ ہمیں ان سے گہری عقیدت ہے۔ ان کے فلسفے کی تائید میں قرآن و سنت' عہد رسول ﷺ اور دور صحابہؓ سے کوئی دلیل نہ پا کر ہم نے تلاش و تحقیق کا عمل روک نہیں دیا۔ شرمسار ہو کر ان سے رشتہ عقیدت توڑ نہیں بیٹھے۔ مسلسل جستجو میں لگے رہے کہ تاریخ سے کوئی مثال تو ایسی مل جائے جو ہمارے ممدوح کے فلسفے اور فکر کو تقویت دیتی ہو۔ ہمیں خوشی ہے کہ تاریخ نے ہمیں مایوس نہیں کیا۔ تاریخ نے اس قابل فخر واقعہ کو اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے جب ابن علقمی کی خفیہ دعوتوں اور ظاہری تدابیر کے نتیجے میں تاتاری' آندھی اور طوفان کی طرح بغداد میں داخل ہوئے تھے اور اس مرکز تہذیب و تمدن اور گہوارۂ علوم و فنون کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ بغداد کے مسلمان سپاہی ہمارے بزرگ وحید الدین خاں کے فلسفہ عدم تشدد کے اس قدر قائل تھے کہ جب تاتاری سپاہی لوٹ مار اور آتش زنی کی دیگر ضروری سرگرمیوں کے باعث قتل کی فرصت نہ پاتے تو مسلمان سپاہیوں کو حکم دیتے کہ اس وقت تک اپنی جگہ پر لیٹے رہیں جب تک تاتاری سپاہی فارغ ہو کر واپس نہیں آتے۔ مسلمان سپاہی کمال سعادت اور تصور عدم

مزاحمت کے تحت لیٹے رہتے تاآنکہ تاتاری آکر ان کے گلے کاٹتے۔ اسی دور کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وحیدالدین خاں صاحب کا فلسفہ تیرہویں صدی عیسوی کے وسط میں مسلمانوں کے اندر خاصا مقبول تھا۔ یہ وہ خوش نصیب مفکر و رہنما ہیں جن کے نظریات سے اتفاق رکھنے والے ان سے صدیوں پہلے پیدا ہو گئے تھے۔ بغداد کی فتح سے پہلے تاتاری جب وسط ایشیا کو روند رہے تھے' سمرقند و بخارا اور ترمذ کو تاراج کرتے ہوئے جب وہ بلخ میں داخل ہوئے تو اہل بلخ نے بھی وحید الدین خاں کی پیروی کرتے ہوئے ہتھیار ڈالے نہیں بلکہ سرے سے ہتھیار اٹھانے ہی کی زحمت نہ کی اور اس شرافت و لیاقت سے گردنیں پیش کیں کہ بلخ کا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا۔

حالیہ عرصے میں خاں صاحب کے خدنگ قلم کا سب سے بڑا نشانہ اقبال" ہیں۔ ان کو اعتراض ہے کہ اقبال نے ممولے کو شہباز سے لڑانے کی بات کر کے فتنہ و فساد کا دروازہ کھول دیا۔ ممولا شکار ہونے کے لئے پیدا ہوا ہے' شہباز سے لڑنے کے لئے نہیں۔ ان کو سخت شکایت ہے کہ افغانستان' بوسنیا' کوسوو' چیچنیا' کشمیر' فلسطین اور خود ہندوستان کے اندر لاکھوں ممولے اپنی فطرت خود سپردگی اور جاں سپاری کو بھول کر شہبازوں پر جھپٹنے لگ گئے ہیں' اس سے فساد پھیل گیا ہے۔ خاں صاحب "مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ" کے قائل ہیں یا نہیں لیکن رومی" کی اس رائے کے شدید مخالف ہیں کہ "مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ"۔ کارگل میں ممولوں نے اسی طرح کی گستاخیاں اور شوخیاں کیں' اس پر خاں صاحب کو لازماً برہمی ہوئی ہوگی۔

مولانا وحید الدین خاں کا پاکستان پر ایک اور حملہ

تنویر قیصر شاہد

بھارت میں رہنے والے مولانا وحید الدین خاں ہمارے عہد کے ایک بڑے عالم دین ہیں۔ دو درجن سے زائد وقیع کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ کتابیں اردو‘ انگریزی اور عربی تینوں زبانوں میں ملتی ہیں۔ یوں ان کا پیغام دنیا کی تین زبانوں کے جاننے والوں تک آسانی کے ساتھ اور احسن انداز میں پہنچ رہا ہے۔ مولانا موصوف کا ذریعہ اظہار اردو ہے۔ ان کے افکار اور تصنیفات کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کا دقیق اور اہم ترین فریضہ ان کا ایک بیٹا (ظفر الاسلام) اور بیٹی (فریدہ) انجام دے رہے ہیں۔ مولانا صاحب قرآن پاک کی ایک تفسیر ”تذکیر القرآن“ کے عنوان سے لکھ چکے ہیں۔ تذکیر اور ہر قسم کے تصادم سے اعراض ان کے فلسفے کے مرکزی خیال اور ٹارگٹ ہیں۔ ان کا ماہنامہ جریدہ ”الرسالہ“ بھی تین چار زبانوں میں شائع ہوتا ہے اور وسیع پیمانے پر اشاعت کے مراحل طے کر رہا ہے۔ یہی جریدہ بھارتی مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم و جبر اور زیادتیوں کو برداشت کرنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ ”الرسالہ“ میں مولانا وحید الدین خاں خصوصی طور پر پاکستان پر بے رحم تنقید کرتے رہتے ہیں۔ کوئی شمارہ ایسا نہیں جاتا جس میں پاکستان کو ہدف تنقید نہ بنایا جاتا ہو۔ مولانا موصوف عالم اسلام میں بروئے کار تمام اسلامی تحریکوں کے شدید مخالف ہیں۔ وہ مقبوضہ کشمیر‘ چیچنیا اور فلسطین میں جہاد کے نہ صرف شدید مخالف ہیں بلکہ وہ سرے سے مسلح جہاد ہی کے منکر ہیں۔ انہوں نے جہاد افغانستان کا بھی ہمیشہ مذاق اڑایا ہے۔

کچھ عرصہ قبل میں نے ان کی ایک کتاب (شتم رسول‘ تاریخ‘ قرآن اور حدیث کی روشنی میں) کے حوالے سے ایک تبصرہ کیا تو پاکستان میں ان کے پیرو کار بھڑک اٹھے۔ انہوں نے مجھ پر

الزام اور تہمت کے طومار بھی باندھے جو مولانا وحید الدین خاں کے فلسفے اور نظریات کی فی الاصل نفی ہے۔ان کے ایک بڑے ارادت مند' جو لاہور کی قائداعظم لائبریری میں لائبریرین کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور اردو بازار میں مولانا مذکور کی کتابوں کے ذریعے ان کی پاکستان دشمن فکر کے پرچارک بھی بنے ہوئے ہیں' نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نے حکومت سے پیسے لے کر مولانا وحید الدین خاں کے خلاف کالم لکھا ہے۔

ہم سمجھتے تھے کہ مولانا وحید الدین پاکستان دشمنی سے باز آ چکے ہیں کیونکہ گزشتہ کچھ عرصہ سے ان کے جریدے میں اس زہر میں کسی حد تک کمی آگئی تھی' لیکن جونہی کارگل کا محاذ گرم ہوا' اور اب جبکہ اس میں طرفین کی دلچسپی تقریباً کم ہو چکی ہے' مولانا وحید الدین خاں پھر سے پاکستان کے خلاف' اسلام کے فلسفہ امن پسندی کی آڑ میں' صف آراء ہو گئے ہیں۔یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مولانا سیکولرازم (یعنی حکومتی سطح پر لادینیت) کے بڑے حامیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ان کا کہنا ہے:

"موجودہ دنیا میں جس ملک نے بھی کوئی بڑی ترقی کی ہے' اس نے اسی سیکولر اصول کو اختیار کر کے ترقی کی ہے"۔

("الرسالہ" صفحہ 17' شمارہ جولائی 1999ء)

مولانا وحید الدین خاں پاکستان میں اسلامائزیشن کے عمل اور پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کو بھی ناپسند فرماتے ہیں۔ان کا ارشاد ہے:

"مسٹر محمد علی جناح نے دو قومی دنیا وجود میں لانے کو اپنی اولین ترجیح بنایا۔حالانکہ ان کے لیے صحیح یہ تھا کہ وہ ایک قومی دنیا وجود میں لانے کو اپنی اولین ترجیح بناتے۔سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اسلامائزیشن آف اسٹیٹ کو اپنی پہلی ترجیح بنایا۔حالانکہ ان کے لیے صحیح یہ تھا کہ وہ اسلامائزیشن آف مین کو اپنی پہلی ترجیح بنائیں۔محمد نواز شریف کو چاہیے تھا کہ وہ اقتصادی خود کفالتی کو پاکستان کی پہلی ترجیح بنائیں جو کہ تقریباً پچاس بلین ڈالر کا مقروض ہو چکا ہے۔مگر انہوں نے شاہین بم اور غوری میزائل بنانے کو اپنی پہلی ترجیح قرار دیا"۔

("الرسالہ" صفحہ 7' شمارہ ستمبر 1999ء)

مولانا وحید الدین خاں ہمیشہ واضح الفاظ میں لکھتے رہتے ہیں اور کثرت سے تحریر کرتے ہیں کہ میں پکا بھارتی ہوں' پکا ہندوستانی ہوں اور جتنا میں بھارت سے پیار کرتا ہوں' اتنا تو مہاتما گاندھی بھی نہیں کیا کرتے تھے۔یہاں تک تو ممکن ہے ٹھیک ہو' کیونکہ وہ بھارتی شہری ہیں اور

انہیں یہ کہنے کا پورا پورا ادھیکار ہے' پورا حق ہے لیکن جب وہ بھارت کے عشق و محبت سے مغلوب ہو کر پاکستان پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اسے صریح زیادتی ہی سے معنون کیا جائے گا۔ پاکستان اور اہل پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے ان کا قلم فکشن گھڑنے سے بھی نہیں چوکتا۔ مثلاً انہوں نے ستمبر 99ء کے "الرسالہ" کے صفحہ 16 پر لکھا:

"1971ء کے نصف اول میں' میں نے بذریعہ ٹرین پاکستان کا سفر کیا۔ جب میں بارڈر کے دوسری طرف پہنچا تو میرے قلی نے کہا کہ آپ کو وہ میجر صاحب بلا رہے ہیں۔ اس کے بعد قلی نے مجھے ایک فوجی خیمے کے اندر پہنچا دیا۔ وہاں ایک پاکستانی فوجی افسر بیٹھا ہوا تھا۔ اس خیمے میں صرف ہم دو آدمی تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ بنگلہ دیش کی جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ باوردی فوجی افسر نے مجھ سے کہا کہ انڈیا کے کچھ فوجی راز بتایئے۔ یہ سنتے ہی مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے کہا میجر صاحب' آپ مجھ سے یہ سمجھ کر بات کیجئے کہ میں انڈیا کا ایک وفادار شہری ہوں (یہ بات میں نے پاکستان کی سرزمین پر ایک فوجی خیمے میں اس وقت کہی کہ اگر وہ فوجی افسر مجھے گولی مار دیتا تو شاید میری موت اس طرح واقع ہو جاتی کہ اس کی کوئی خبر بھی نہ بنتی) پھر میں نے کہا کہ اگر انڈیا کے ساتھ آپ کی لڑائی کا انحصار ہمارے جیسے لوگوں سے فوجی راز حاصل کرنے پر ہے تو آپ اپنی لڑائی جیت چکے کیونکہ موجودہ زمانہ میں جنگی راز اتنا ٹاپ سیکرٹ ہوتا ہے کہ بعض اوقات وزیر دفاع کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک میں اس قسم کی باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد سلام کیے بغیر خیمے سے باہر نکل آیا"۔

مولانا نے اس پر ہی بس نہ کی بلکہ آگے بڑھ کر یہ بھی لکھا کہ پاکستان کو اگر بھارتی افواج نے 1971ء میں مشرقی پاکستان کے باغیوں سے مل کر دولخت کیا تو اس سانحہ پر پاکستان' اہل پاکستان اور پاکستانی افواج کو دکھ' رنج اور افسوس کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی بھارت کو برا بھلا کہنا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ 1947ء میں اگر متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں کے "دیس" کو دولخت کر کے پاکستان بنایا تو اس "ظلم" کا بدلہ 1971ء میں اگر بھارت نے لے لیا تو کون سا آسمان ٹوٹ پڑا۔ مولانا وحید الدین خاں کی اس سلسلے میں منطق ذرا ملاحظہ فرمایئے:

"15 اگست 1947ء کو ہندوستان کا بٹوارہ ہوا۔ اس بٹوارہ کے ذمہ دار بلاشبہ ہندوستانی مسلمان تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اتحاد پسند قائدین کو رد کر دیا اور مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں ملک کے بٹوارے کا طوفانی مطالبہ کیا۔

ہندو قیادت نے تحریک کے آخری مرحلہ میں اس کو ناگزیر برائی (Necessary Evil) کے طور پر مان لیا۔ یہ ہندو ذہن کے لیے نہایت سخت صدمہ تھا۔ تاہم یہ عین ممکن تھا کہ فطرت کا خاموش عمل اس کو فراموشی کے خانہ میں ڈال دے۔ مگر پاکستان کی مسلسل حریفانہ پالیسی نے یہ نوبت نہ آنے دی کہ ہندو ذہن بٹوارے کے صدمہ کو بھلا دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو قیادت نے بلا اعلان بٹوارہ کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ سابق مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں شیخ مجیب الرحمٰن کی علیحدگی پسند تحریک نے ہندو قیادت کو موقع دیا۔ چنانچہ اس نے شیخ مجیب الرحمٰن کا ساتھ دے کر 1971ء میں پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیئے"۔

("الرسالہ" صفحہ 23' شمارہ ستمبر 1999ء)

حضرت مولانا وحید کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ پاکستان آنکھیں اور کان بند کر کے فوری طور پر بھارت کو اپنا "بڑا بھائی" تسلیم کرے۔ بھارت کی حاکمیت کا جوا گلے میں ڈال لے' یہی طریقہ پاکستان کی زندگی کی واحد ضمانت ہے۔ رسالہ مذکورہ کے ستمبر 99ء کے شمارے ہی میں (صفحہ 30 پر) آپ نے ارشاد فرمایا:

"موجودہ پاکستان کے مقابلہ میں ہندوستان پانچ گنا زیادہ بڑے ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں محاذ آرائی کی پالیسی کسی بھی درجہ میں پاکستان کے لیے مفید نہیں۔ پاکستان کے لیے زندگی کی واحد ضمانت یہ ہے کہ وہ نزاعی طریقہ کو مکمل طور پر چھوڑ دے۔ وہ یکطرفہ ایڈجسٹمنٹ کا طریقہ اختیار کرے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان میں کوئی بھی بے ریش یا باریش قائد نہیں جو اہل پاکستان کو اس قسم کا حقیقت پسندانہ مشورہ دے رہا ہو"۔

افسوس اور دکھ کی بات یہ بھی ہے کہ مولانا وحید الدین خاں پاکستان' نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریے کی نفی کرنے کے جنون میں اس حد تک آگے چلے جاتے ہیں کہ انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ پاکستان دنیا کی سب سے بڑی منافق ریاست ہے۔ اس کے لیے موصوف دلیل یہ لائے ہیں کہ پاکستان کو مسٹر طبقے نے بنایا' جبکہ اس کی تشکیل و تخلیق کے دوران نعرہ لگایا جارہا تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ! حالانکہ 'بقول مولانا وحید' پاکستان کی بنیادیں رکھنے اور اسے منزل سے ہمکنار والے طبقے (جسے وہ مسٹر طبقہ کہتے ہیں) کا اسلام اور اسلامی نظام سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ مولانا آگے بڑھ کر آئین پاکستان کے ایک حصے 'قرار داد مقاصد' اور بعد ازاں پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کی تمام تر کاوشوں کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اپنی تازہ ترین

تحریری کاوش "ہندپاک ڈائری" کے صفحہ 47 پر رقمطراز ہیں:

"پاکستان کے قیام کے بعد وہاں جو نشانہ اختیار کیا گیا وہ بظاہر ایک صحیح نشانہ تھا، یعنی اسلامک پیٹرن آف سوسائٹی کا قیام مگر نتیجہ کا برعکس صورت میں نکلنا بتاتا ہے کہ اس نعرہ میں کوئی بنیادی غلطی تھی اس لیے اس معاملہ کا بے لاگ جائزہ ضروری ہے تاکہ اس نقصان کا کم سے کم وہ فائدہ ہو جس کو فارسی شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: من نکردم شما حذر بکنید۔ تاکہ اس تجربے سے اگر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تو کم از کم اس کے سبق سے بعد کے لوگ محروم نہ رہیں۔ جیسا کہ معلوم ہے، مولانا شبیر احمد عثمانی پاکستان کے سرگرم حامیوں میں سے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد وہ کراچی چلے گئے۔ پاکستان میں جو دستور ساز اسمبلی بنائی گئی اس کے وہ ایک اہم رکن تھے۔ دستور ساز اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے داخلی طور پر اپنا پورا زور اس پر ڈال دیا کہ پاکستان کا دستور اسلامی اصولوں پر بنایا جائے۔ داخلی اعتبار سے مولانا شبیر احمد عثمانی کی کوشش اور خارجی اعتبار سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے علماء کی تقریری اور تحریری مہم کا یہ نتیجہ ہوا کہ 1948ء میں دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد (Objectives Resolution) کی منظوری دے دی۔ اس قرارداد مقاصد کے الفاظ شریعت کی روشنی میں وضع کیے گئے تھے۔ اس کا استقبال مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ کہہ کر کیا کہ پاکستان کی ریاست نے اب کلمہ پڑھ لیا ہے۔ حالانکہ زیادہ صحیح یہ تھا کہ وہ اعلان کرتے کہ ہم پاکستانیوں کے دلوں پر تو اسلام نہ لکھ سکے البتہ ہم نے اسمبلی کے کاغذ پر اسلام کا نام تحریر کر دیا ہے۔ اس کے بعد نفاذ شریعت کے حصول کی مہم شروع ہوئی۔ اس مہم کے نتیجہ میں پاکستان دو طبقوں میں بٹ گیا۔ ایک حکمراں طبقہ اور دوسرا غیر حکمراں طبقہ۔ حکمراں طبقہ تقریباً سب کا سب سیکولر ذہن کا تھا۔ وہ سیکولر نظام بنانے کا حامی تھا۔ دوسری طرف غیر حکمران طبقہ اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اس کے نتیجہ میں دونوں طبقوں کے درمیان زبردست ٹکراؤ ہوا۔ وزیر اعظم لیاقت علی خاں قتل کیے گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو وزارت عظمیٰ سے ہٹا کر پھانسی دی گئی۔ جلسوں اور مظاہروں کے دوران بہت سے لوگ زخمی ہوئے یا مارے گئے۔ اس ہنگامہ خیز سیاست کے نتیجہ میں پاکستان میں اقتصادی ترقی کا عمل ٹھپ ہو کر رہ گیا۔

اسلام کے نام پر جو پر شور سیاست پاکستان میں چلائی گئی، اس کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان میں نہ سیکولر نظام قائم ہوا اور نہ اسلامی نظام۔ بلکہ ان دونوں کے سوا ایک تیسری چیز ظہور میں

آئی، اور وہ تھی خانہ جنگی اور انارکی"۔

جناب مولانا وحید الدین خاں جہاد کشمیر کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں۔ وہ مجاہدین کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں جاری جدوجہد کی اپنی پوری قوت متخیلہ سے مخالفت کرتے آرہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ

"ملک کی تقسیم (1947ء) کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سیاسی جھگڑا ختم ہو جانا چاہیے تھا مگر اس کے بعد بھی وہ مزید شدت کے ساتھ جاری رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل وجہ کشمیر کا مسئلہ ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ خود کشمیر کا مسئلہ کس نے پیدا کیا۔ تاریخی ریکارڈ بتاتا ہے کہ اس مسئلہ کو پیدا کرنے کی سب سے بڑی ذمہ داری پاکستان کے غیر دانش مندانہ لیڈروں پر ہے۔ اس معاملہ کا غیر جانبدارانہ جائزہ جس نتیجہ تک پہنچاتا ہے، وہ یہی ہے"۔

اس سلسلے میں وہ پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم چودھری محمد علی (مرحوم) کی ایک کتاب کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

مولانا موصوف کشمیر میں بروئے کار جہاد کی نفی کرنے کے شوق میں خاصے آگے بڑھے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی جذبے کے تحت وہ پاکستان کو گالی دینے، اسے ایک ناکام ریاست ثابت کرنے اور پاکستان کو ایک تباہ شدہ مملکت کے نام سے یاد کرکے غالباً ذہنی تسکین محسوس کرتے ہیں۔ "ہندپاک کی ڈائری" کے صفحہ 26 پر حضرت مولانا وحید الدین خاں یوں رقمطراز ہیں:

"کشمیر کی متشددانہ تحریک 1979ء کے آخر میں شروع ہوئی۔ چند سال بعد میری ملاقات کچھ پاکستانی دانشوروں سے ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ کیوں کشمیر میں خونی تحریک چلارہے ہیں، جبکہ آپ یقینی طور پر جانتے ہوں گے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ کشمیر میں جو کچھ ہوا وہ تاریخ کا ایک فیصلہ تھا، اور تاریخ کے فیصلہ کو اس قسم کے گن کلچر کے ذریعہ بدلنا ممکن نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں مگر ہم بنگلہ دیش کو بھلا نہیں سکتے۔ ہمیں انڈیا سے 1971ء کا انتقام لینا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ مسلم دانشور سمجھے جاتے ہیں مگر آپ کے اس جواب کا دانشوری سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک جھوٹی دانشوری ہے۔ سچی دانشوری کیا ہے، اس کی ایک مثال میں آپ کو بتاتا ہوں: آپ جانتے ہیں کہ امریکہ نے 1945ء میں جاپان کے اوپر پہلی بار ایٹم بم گرایا۔ جاپان کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہیروشیما بالکل تباہ ہوگیا۔ یہ جاپانیوں کے لیے ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ وہاں کے لوگوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ ہیراکری (خودکش

بمباری) کی حد تک جا کر امریکہ سے انتقام لینے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس وقت کچھ جاپانی دانشور اٹھے، انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنی قوم کی انتقامی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ 1945ء میں اگر امریکہ نے ہمارے ہیروشیما کو تباہ کیا ہے تو ہم بھی اس سے پہلے 1941ء میں امریکہ کے پرل ہاربر کو تباہ کر چکے تھے، اس لیے معاملہ برابر ہو گیا۔ آؤ اب ماضی کو بھلا کر ملک کا نیا مستقبل تعمیر کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وہ مثبت رہنمائی تھی جس کا شاندار نتیجہ نکلا کہ دوسری عالمی جنگ میں تباہ ہونے والا جاپان صرف چالیس سال کے اندر ایک عالمی اقتصادی طاقت بن گیا۔ یہ واقعہ بتا کر میں نے پاکستانی دانشوروں سے کہا کہ اگر آپ لوگوں کے اندر حقیقی دانشوری ہوتی تو جاپانی دانشوروں کی طرح آپ بھی اپنی قوم سے یہ کہتے کہ...... انڈیا نے اگر 1971ء میں ہمارے ملک کو توڑا تو ہم بھی اس سے پہلے 1947ء میں ان کے ملک کو توڑ چکے تھے۔ اس طرح معاملہ برابر ہو گیا۔ آؤ اب ماضی کی باتوں کو بھلا دیں اور مثبت ذہن کے تحت ملک کے مستقبل کی تعمیر کریں۔ پاکستان کے دانشور اگر منفی سوچ سے بلند ہوتے تو وہ وہی کرتے جو جاپانی دانشوروں نے کیا۔ وہ اپنی قوم کو انتقام کی دلدل سے نکالتے اور لوگوں کے اندر مثبت اور تعمیری ذہن پیدا کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج پاکستان بلاشبہ ایشیا کا ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک ہوتا، نہ کہ ایک تباہ شدہ ملک جیسا کہ آج وہ دکھائی دیتا ہے"۔

مولانا موصوف کا کہنا ہے کہ (مقبوضہ) کشمیر کا مسئلہ اس لیے حل نہیں ہو رہا کہ پاکستان کے حکمران "ضدی" اور "حرص زدہ" ہیں۔ موصوف کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ پاکستانی مسلمان ہی ہیں جنہوں نے مسئلہ کشمیر کو الجھا کر رکھ دیا ہے، اس میں بھارتی ہندوؤں اور بھارتی حکمرانوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ مولانا جو ہمیشہ تاریخی حوالہ جات کے ساتھ بات کرتے اور لفظ لکھتے ہیں، کشمیر کی بات کرتے وقت تاریخی حقائق کیسے نظرانداز کرنے کی جرات کر لیتے ہیں! انہوں نے لکھا: "کشمیر کا مسئلہ ابتداء میں اتنا سادہ تھا کہ وہ بات چیت کی میز پر حل ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود پاکستانی لیڈر کیوں اس کو حل کرنے میں ناکام رہے۔ اس کی وجہ پاکستان کے قائدین کی سیاسی حرص تھی، وہ عجیب و غریب طور پر اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ حیدر آباد اور کشمیر دونوں کو پاکستان میں شامل کر لیں گے۔ حیدر آباد کو اس منطق سے کہ اس کا صدر ریاست مسلمان ہے اور کشمیر کو اس منطق سے کہ اس کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ ڈبل منطق یقینی طور پر ناقابل عمل تھی، چنانچہ اس معاملہ میں پاکستانی قائدین کا انجام وہی ہوا جس کو ایک جاپانی مثل میں

اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ..... جو آدمی بیک وقت دو خرگوشوں کے پیچھے دوڑے وہ ایک کو بھی پکڑ نہیں سکتا"۔ مولانا صاحب کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے سوشلزم اور مارکسزم کو سمجھنے کے لیے دس ہزار سے زائد صفحات پڑھے' لیکن یہ کیسی بدقسمتی ہے کہ موصوف نے مسئلہ کشمیر کی درست تفہیم کے لیے یو۔این۔او کے چند صفحے پڑھنے گوارا نہ کیے۔

قرآن کی تفسیر اور سیرت رسول ﷺ ایک منفرد انداز میں لکھنے والے مولانا وحید الدین خاں بانی پاکستان پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں اور بار بار ہوتے ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کا گاندھی کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ جناحؒ کو ایک متکبر' رعونت زدہ اور مغرور انسان کے طور پر پیش کریں اور مہاتما گاندھی کو انتہائی منکسر المزاج شخصیت کے روپ میں!! "ہند پاک ڈائری" کی قسط اول (صفحہ 36) میں انہوں نے قائد اعظم اور گاندھی کا شخصی تقابل کرتے ہوئے جو واقعہ تحریر کیا ہے' یہ خاصا معنی خیز ہے۔ مولانا وحید الدین لکھتے ہیں:

"مسٹر محمد علی جناح انگلینڈ جانے سے پہلے تک کانگریس میں شامل تھے' ایک بار ایسا ہوا کہ کانگریس کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ مہاتما گاندھی اور دوسرے لیڈروں کے ساتھ مسٹر محمد علی جناح بھی اسٹیج پر موجود تھے۔ اپنی باری پر وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو عام مزاج کے مطابق' انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز سٹیج پر بیٹھی ہوئی ممتاز شخصیتوں کے نام سے کرنا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: "مسٹر گاندھی یہ سن کر بعض کانگریسی بگڑ گئے' انہوں نے کہا کہ مہاتما گاندھی کہو' ہم مسٹر گاندھی نہیں سن سکتے۔ جناح صاحب ایک لمحہ کے لیے رکے' اس کے بعد انہوں نے دوبارہ تقریر شروع کی تو پھر یہی کہا کہ مسٹر گاندھی۔ اب مذکورہ کانگریسی دوبارہ اپنی مانگ لے کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ مہاتما گاندھی کہو۔ اس کے بعد جناح صاحب نے اپنی تقریر روک دی۔ وہ خاموشی کے ساتھ سٹیج سے اترے اور اپنے گھر واپس آ گئے۔ مسٹر محمد علی جناح اس واقعہ کے جلد ہی بعد لندن چلے گئے' کچھ عرصہ بعد وہ واپس آئے۔ اب انہوں نے کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شرکت کر لی' جلد ہی وہ مسلم لیگ کے سب سے بڑے قائد بن گئے۔ یہ بلاشبہ ایگو کا مسئلہ تھا۔ جناح صاحب اگر رعایت کا انداز اختیار کرتے تو دوسری بار مہاتما گاندھی کہہ سکتے تھے مگر جب آدمی کی انا بھڑک اٹھے تو اس کے بعد اس کے اندر رعایت کا ذہن ختم ہو جاتا ہے۔ وہ معاملہ کو اپنے وقار کا معاملہ بنا لیتا ہے اور جہاں وقار کی نفسیات بھڑک اٹھے وہاں وہی ہوتا ہے جو عملاً ہماری تاریخ میں پیش آیا۔ اس سلسلہ میں مہاتما گاندھی کا رویہ قابل تعریف ہے۔ چنانچہ

انہوں نے جناح صاحب کو خط لکھا تو لوگوں کے اختلاف کے باوجود انہوں نے جناح صاحب کو قائد اعظم کے لفظ سے مخاطب کیا"۔

مولانا وحید الدین خاں کے "ملفوظات" کے ذکر کے خاتمے سے پہلے میں یہاں ایک واقعہ قارئین کو سنانا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس سے مولانا وحید صاحب کی اپروچ' عزائم اور مقاصد کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکے۔ نیویارک میں مولانا وحید کے ایک پیروکار' جن کا اسم گرامی خواجہ کلیم الدین ہے' سے میری ملاقات چند ماہ قبل ہوئی۔ خواجہ کلیم نیویارک کے ایک سکول میں بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں۔ بھارتی مسلمان ہیں۔ انتہائی نیک' صلح جو اور مسلم اخوت کی چلتی پھرتی تصویر۔ مولانا وحید الدین خاں جب بھی امریکہ جاتے ہیں' نیویارک میں ان کا قیام خواجہ کلیم صاحب ہی کے گھر میں ہوتا ہے۔ ایک روز نیویارک میں وہ میرے گھر تشریف لائے تو میں نے ان سے گلہ کیا کہ چونکہ میں مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں اور "الرسالہ" کا مدت دراز سے قاری ہوں' اس لیے ان کے اسلوب سے پوری طرح باخبر ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ میں نے خواجہ صاحب سے شکوے کے انداز میں عرض کیا کہ "الرسالہ" میں مولانا وحید الدین خاں پاکستان' نظریہ پاکستان اور قائد اعظمؒ پر بڑی بے جا اور بے رحم تنقید فرماتے ہیں' آپ ان کے بڑے قریب ہیں' اس سلسلے میں آپ ان کو بخوبی سمجھا سکتے ہیں اور ان کے ایک قاری کا پیغام بھی ان تک پہنچا سکتے ہیں۔ خواجہ کلیم نے کہا:

"چند سال پہلے مولانا وحید الدین پاکستان گئے (ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دعوت پر) تو لاہور میں ایک سینئر اور بزرگ اخبار نویس نے مولانا سے کہا کہ اگر آپ اپنے جریدے میں پاکستان اور جناح دشمنی کا عنصر کم کر دیں تو آپ کا رسالہ پاکستان میں بہت فروخت ہو گا۔ مولانا نے واپس بھارت جاتے ہی اس نصیحت یا مشورے پر فوری طور پر عمل کیا۔ چند ماہ تک انہوں نے جو مضامین لکھے' وہ اسی مشورے کے مطابق تھے۔ مولانا وحید الدین خاں نے مجھے بعد ازاں بتایا کہ حیرت کی بات ہے کہ اب جبکہ میں اپنے جریدے (الرسالہ) میں پاکستان اور جناح پر تنقید بھی نہیں کر رہا ہوں لیکن اس کے باوجود پاکستان جانے والے رسالے کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکا ہے"۔

مولانا وحید الدین خاں کے اس جملے سے بھرپور معنی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

وحید الدین خاں کی کتاب پر پابندی کے نوٹیفکیشن کا عکس

GOVERNMENT OF THE PUNJAB
HOME DEPARTMENT

NOTIFICATION

No.1-17/H.SPL.III/98. WHEREAS, the Government of the Punjab is satisfied that a book titled "شتم رسول کا مسئلہ" written by Maulana Waheed uddin Khan President Islmamic Centre for Research and DaWah New Delhi(India) and republished/printed by Mr.Muham Ehsan Fahemi proprieter of Dar-ul-Tarkeer Urdu Bazar Lahore cont... highly objectionable matter which is deliberately and maliciously intended to outrage the religious feelings of the Muslims at large.

NOW, THEREFORE, IN EXERCISE OF POWERS CONFERRED BY SECTION 99-A-Cr.P.C.1898, the Government of the Punjab is pleased to ... that all copies of the above mentioned book alongwith its translation in any language shall stand forfeited to the Gove... with immediate effect.

HOME SECRETARY

Dated Lahore
the 26th October,1998.

NO. & DATE EVEN.

A copy is forwarded for information and necessary action to:

1. The Superintendent Printing Press Punjab,Lahore for publication in the next Government Extra Ordinary Gazette and for supplying 10 copies thereof to the undersigned.
2. The Secretary to Govt. of Pakistan, Ministry of Interior, Islamabad.
3. The Secretary to Govt. of Pakistan, Ministry of Information and Broadcasting, Islamabad.
4. The Secretary to Governor Punjab, Lahore.
5. The Secretary to Chief Minister,Punjab,Lahore.
6. The Director General ISI, Govt. of Pakistan, Islamabad.
7. The Secretaries to Government of Sindh, NWFP and Balochistan Home Department Karachi, Peshawar and Quetta.
8. The I.G. of Police,Punjab,Lahore.
9. The Addl. I.G. of Police, Spo.Branch,Punjab,Lahore.
10. All Divisional Commissioners in the Province of Punjab.
11. The Director General Public Relations, Punjab,(Book Section) 21 Mahmood Ghaznvi Lahore with reference to his letter No.P... (Books)-98/671 dated 8.10.1998.
12. All District Magistrates in the Province of Punjab with the request to take necessary action towards the forfeiture of the book in the light of provision as contained in Section 99-A-Cr.P.C.1898.
13. All District Superintendents in the Province of Punjab.
14. The Press Laws Branch, Civil Secretariat, Punjab,Lahore.
15. The Post Master General Lahore.

SECTION OFFICER(SPECIAL III)

مولانا وحید الدین خاں

اِسلام دشمن شخصیت

متنازعہ بھارتی مصنف وحید الدین خاں کی بدنام زمانہ گستاخِ رسول
"ملعون سلمان رشدی" کے دفاع میں لکھی جانے والی تحریروں کا علمی محاسبہ

ترتیب و تحقیق
محمد متین خالد

دنیا کے جدید علماء و دانشوروں کی فکری، تاریخی اور تحقیقی تحریروں کا نچوڑ

- جناب محمد عطاء اللہ صدیقی
- جناب پروفیسر ظفر علی قریشی
- جناب حافظ محمد اقبال رنگونی
- جناب حافظ شفیق الرحمٰن
- جناب محمد طاہر رزاق
- جناب ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی
- جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ
- جناب ڈاکٹر محسن عثمان ندوی
- جناب مولانا فضل محمد شیخ الحدیث
- جناب پروفیسر جمیل احمد عدیل
- جناب تنویر قیصر شاہد
- جناب مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے موضوع پر

ایک ایسی کتاب جس کا ایک ایک لفظ خون دل میں انگلیاں ڈبو کر لکھا گیا ہے

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کے فکر انگیز دیباچہ کے ساتھ

اسلام اور پاکستان سے محبت کرنے والوں کے لیے اہم دستاویز جس کا مطالعہ آپ کے ایمان کو ایک نئی جلاء بخشے گا

علم و عرفان پبلشرز